شوریٰ کی حیثیت اور حاکمِ عادل کا مقام

عبداللہ ابن عباس نے ایک امر میں امیر المومنین کو مشورہ دیا جو آپ کے خیال میں غلط تھا۔ آپ نے فرمایا:

"تمہارا یہ کام ہے کہ مجھے رائے دو۔ اس کے بعد مجھے مصلحت دیکھنا ہے۔ اور اگر میں تمہاری رائے کو نہ مانوں تو تمہیں میری اطاعت لازم ہے۔"

(نہج البلاغہ)

ماہنامہ

معارفِ اسلام

لاہور

بابت
ماہ ستمبر، اکتوبر
سنہ ۱۹۶۱ء
مطابق
ربیع الثانی و
جمادی الاول
سنہ ۱۳۸۱ھ

ناشر: ادارہ معارف اسلام پاکستان لاہور

قرآن مجید

مترجم

مولانا فرمان علی صاحب قبلہ

اب تک قرآن مجید کے جس قدر عام فہم تراجم ہو چکے ہیں۔ ان میں حضرت مولانا فرمان علی صاحب قبلہ کے ترجمہ کو جو اہمیت اور خصوصیت حاصل ہے وہ ارباب علم کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے عرصہ سے یہ ترجمہ نایاب تھا۔ اور تشنگان معانی و علم قرآن مجید اس کی شدت سے ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ ان ہی کے پیہم تقاضوں کا یہ مبارک اقدام ہے کہ ہم نے بصرف کثیر اس ترجمہ کو نہایت احتیاط اور بڑے اہتمام سے شائع کر دیا ہے۔ اس کی صحت چھ مختلف حفاظ و قاریان کلام پاک نے کی ہے۔ اس طرح غلطی کا امکان نہیں رہا۔

سائز کلاں [illegible] ضخامت ۱۰۱۲ صفحات

ہدیہ قسم اول سفید گلیز مجلد سنہری ڈائیدار تیس روپے ۳۰

ہدیہ قسم دوم سفید کتھئی مجلد و لاسٹک ڈائیدار سولہ روپے ۱۶

(محصول ڈاک بذمہ خریدار) قرآن مجید کی یہ پہلی بار اشاعت محدود تعداد میں کی گئی ہے اس لئے فوراً اہل علم حضرات ہم سے طلب فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ (منگوانے کا پتہ):-

شیخ محمد حسین اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

ادارۂ معارف اسلام کی نئی پیشکش

کتاب

الجمہوریت والامامت

(تالیف و تصنیف مدیر معارف اسلام)

مکمل ہو گئی۔ ۳۹۳ بڑے صفحات پر حالات زمانہ کے سب سے اہم بڑے مسئلہ پر قرآن کی ۲۷۰ آیات مبارکہ اور تفسیر و احادیث و تواریخ کی قریباً ۲۰ کتب سے استدلال پیش کر کے مسئلہ زیر بحث کا صحیح حل پیش کیا گیا ہے کہ دنیا میں طرز حکومت کیا ہونا چاہئے بظہور امام سے قبل کا طریق کار کیا۔ جمہوریت اور امامت کے متعلق مکمل تفصیلات لائحہ قرآنی طریق رسول اکرم۔ سیاسیات عالم اور سائنس کی روشنی میں جو اترے۔ یہ کتاب مدبرین زمانہ کو ایک اہم دعوت فکر ہے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ ترجمہ انگریزی زبان میں کر کے اکثر یورپی ممالک میں بھیجا جائے۔ پہلا ایڈیشن صرف ۱۰۰۰ کی تعداد میں چھپا ہے ممبران ادارہ و خریداران میں تقسیم کرنے کے بعد چند کاپیاں باقی بچ گئیں۔ طالبان حق جلد از جلد منگوا لیں قیمت صرف چار روپے غیر مجلد اور مجلد پانچ روپے۔ مجلد ایک ہفتہ انتظار کرنا پڑے گا۔ خرچ ڈاک بذمہ خریدار۔ (منگوانے کا پتہ)

منیجر دفتر ادارۂ معارف اسلام (رجسٹرڈ)

9/B شاہ عالمی گیٹ لاہور

راستی و درستی بہترین سیاست است

ماہنامہ معارفِ اسلام لاہور

مدیر اعزازی : غیاث الدین

جلد ۷ | ماہ ربیع الثانی و جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ مطابق ستمبر اکتوبر ۱۹۶۱ء | شمارہ ۶ و ۷

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گفتنی ہا

کتاب اللہ و عترت سے چشم پوشی کے نتائج

اس وقت دنیا اقتصادیات کی چکی میں پس رہی ہے۔ معاشیات وقت کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ لوگوں کے اخراجات اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ دنیا کو ان کے پورا کرنے کے سوا دوسری طرف بہت ہی کم توجہ دینے کا موقع ملتا ہے۔ سب نے آزمایا ہے کہ اقتصادی حالت اگر خراب ہو تو دلجمعی سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ سچ ہے۔ ؎ پراگندہ روزی پراگندہ دل

جو زیادہ صاحب اولاد ہیں اُن کے لئے زیادہ مشکلات ہیں۔ اس لئے (Family Planning) یعنی خاندانی منصوبہ بندی پہ زور دیا جا رہا ہے۔ تاکہ اولاد کم پیدا ہونے سے اخراجات بھی کم ہونگے۔ لہٰذا گھر میں خوش حالی آئے گی مگر جو اولاد پیدا ہو چکی ہے اُس کا گلا تو نہیں گھونٹا جا سکتا۔ اُس کے لئے بھی تو کچھ کرنا چاہیے۔ جن کے اخراجات پورے کرنے کے لئے جرائم کی رفتار بھی زیادہ ہو رہی ہے۔ یہ رشوت خوری۔ بلیک مارکیٹنگ وغیرہ کا ایک بڑا سبب یہ بھی تو ہے بہرحال اس میں شک نہیں کہ اگر ہماری ضروریات و اخراجات کم ہوں تو عادی چور ہی چوری کرے گا کوئی نیا چور نہ بنے گا۔ اگر ضروریاتِ زندگی مناسب ہوں اور دنیا کو ہمیشہ رہنے کی جگہ تصور نہ کیا جائے بلکہ اسے اصل زندگی بنانے کا محض ایک ذریعہ یقین کر کے اس کو اسی حد تک کام میں لایا جائے تو یقیناً اہلکار کو رشوت لینے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اور تجار کو زیادہ منافع خوری کا چسکا نہ لگے گا۔

امیرالمومنینؑ یعنی عترتِ رسولؐ کی پہلی فرد علی المرتضیٰ (علیہ التحیۃ والثنا) کا مشہور قول نہج البلاغہ میں ہے:

اِنَّ لِلّٰہِ مَلَکاً یُنادی فی کُلِّ یَومٍ : لِدُوا لِلمَوتِ وَاجمَعُوا لِلفَناءِ وَابنُوا لِلخَرابِ ۔ (اللہ کا ایک فرشتہ ہر روز یہ ندا کرتا ہے کہ موت کے لئے اولاد پیدا کرو۔ برباد ہونے کے لئے جمع کرو۔ اور تباہ ہونے کے لئے عمارتیں کھڑی کرو۔)

اِس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اولاد پیدا نہ کی جائے اور رہنے کے لئے عمارت نہ بنائی جائے اور اپنے ضروری اخراجات کے لئے کچھ رقم جمع نہ کی جائے۔ کیونکہ امیرالمومنینؑ بھی تو بالآخر کسی مکان میں رہتے ہی تھے اور اپنے ضروری اخراجات کے لئے تگ و دو کر کے کچھ حاصل کرتے ہی تھے اور اولاد بھی حضورؑ کی ۱۲ بیٹے اور ۱۶ بیٹیاں یعنی کل ۲۸ ہوئی۔ لہٰذا قولِ امیرالمومنینؑ کا یہی مطلب لیا جاسکتا ہے کہ ان ہر سہ امور مندرجہ بالا یعنی مال و اولاد و عمارت نے بالآخر فنا ہو جانا ہے۔ اِس عقیدہ پر یقین کامل ہونے سے خرابیاں پیدا نہ ہوں گی۔ اور جب یہ عقیدہ دل میں راسخ ہو گا کہ اِس دنیا میں ہماری رہائش اور ہمارے جملہ امور عارضی ہیں۔ پائیدار نہیں یعنی یہاں کا عمل عارضی ہے جو ہماری "حیات بعد الموت" کی کیفیت کا سبب بن جائے گا۔ یہاں کے بوئے ہوئے کے مطابق ہمیں آخرت کی کھیتی کاٹنا پڑے گی۔ اور دوسرے یہ کہ امیرالمومنینؑ کا فرمودہ جس کسی پر بھی جس قدر اثر پذیر ہو گا اُسی قدر وہ اپنی استطاعت کے مطابق اِن امور سے گریز کرے گا۔ خود امیرالمومنینؑ نے دولت جمع نہیں کی بلکہ روزانہ جو کما کر لاتے تھے اُس کے لئے اگر اپنے سے زیادہ کوئی دوسرا مستحق نظر آتا تو اُس کو اپنے پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ نے اپنے لئے عمارتیں بھی کھڑی نہیں کیں۔ ہاں اولاد حضورؑ سے پیدا ہوئی۔ مگر پرورش اولاد کے لئے آج کل کی پیچیدگیاں وہاں پیدا نہیں ہوئیں۔ سادہ زندگی اور سب اولاد صالح۔ لہٰذا اُس سے بھی زیادہ اولاد اگر آپ کی ہوتی تو آج کل کی طرح تکلیف کا باعث نہ ہوتی۔ مگر ہم جب موجودہ ماحول اور اپنے اپنے حالات کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو واقعی قولِ امیرالمومنینؑ سے یہی اندازہ لگاتے ہیں کہ ان تینوں امور پر جتنا زیادہ عمل ہو رہا ہے اُتنی ہی زیادہ مصیبت گاہ یہ دُنیا بن رہی ہے۔

(۱) "موت کے لئے اولاد پیدا کرو"۔ دنیا کی آبادی (Population) کا دن بدن بڑھنا انسانیت کی تباہی کو دعوت دے رہا ہے اور ایٹمی جنگ کو نزدیک سے نزدیک لا رہا ہے۔ کیونکہ جس قدر آبادی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اُسی قدر اُس کی موجودہ تقاضوں کے مطابق ضروریات بڑھ رہی ہیں۔ جو ایک ملک کے دوسرے کو چبا جانے پر اُدھار کھائے بیٹھی ہیں۔

(۲) "برباد ہونے کے لئے سرمایہ جمع کرو"۔ سرمایہ کا مسئلہ بھی دنیا کی بربادی کی

دعوت دے رہا ہے۔ اور سرمایہ کو باندھ کر رکھنا جس قدر نہ صرف کسی مخصوص ملک کی بلکہ تمام عالم کی بربادی کا باعث ہے اور ہو سکتا ہے وہ کسی ذی علم سے پوشیدہ نہیں۔

(۳) تباہ ہونے کے لئے عمارتیں بناؤ" یہ چیز خاص طور پر معاشرے سے تعلق رکھتی ہے۔ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر انسان کے پاس رہنے کے لئے جگہ ہونی چاہئے۔ مگر یہاں کیا ہو رہا ہے؟ سرمایہ جمع کرنے کے بعد ایسے طریقوں سے خرچ کیا جاتا ہے کہ اولاد در اولاد تک اس کا نفع پہنچتا ہے اور گھر بیٹھے بٹھلائے آمدن معقول ہوتی ہے۔ اس کے لئے بڑی بڑی عمارات بنائی جاتی ہیں۔ تاکہ معقول کرایہ آتا رہے۔ اور ان کی اولاد در اولاد تک آرام سے بیٹھ کر کھاتے رہیں۔ چونکہ تمام دنیا ہی سرمایہ دار نہیں لہٰذا کم استطاعت والا طبقہ اپنی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے کرایہ پر لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ حالات گواہ ہیں کہ یہ عمارتیں ہمیشہ تباہ ہی ہوتی آئی ہیں اور اسی زمانہ میں جبکہ جنگوں کے طریقے بدلے جاچکے ہیں۔ عمارتوں کا تباہ ہونا عین یقینی ہے۔ یورپ کی گذشتہ جنگ میں جو تباہی مچ چکی ہے۔ وہ سب جانتے ہیں اور آئندہ متوقع جنگ میں جو کچھ ہوگا اُس کا نقشہ دماغوں میں سوچ کر دنیا کانپ جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ان تمام قباحتوں کا علاج کتاب اللہ میں THEORY یعنی علمی حیثیت میں اور عترتِ رسولؐ میں PRACTICE یعنی عملی حیثیت میں موجود ہے۔ اور ان دونوں کی پیروی میں ہی انسانیت کی نجات ہے۔ اور ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے عمل میں نجات نہیں۔ جب تک دنیا اس حبل اللہ (یعنی خدا کی رسی) کو مضبوط نہ پکڑے گی یہ تباہی کی طرف بڑھتی ہی جائے گی۔ اگر قرآن کو چھوڑے گی تو حقیقت سے دور رہے گی۔ اور اگر عترتِ رسولؐ کو چھوڑے گی تو قرآن کا مفہوم اپنی محدود و متفرق عقل کے مطابق اٹکل پچو لگائے گی۔ لہٰذا غلط راستہ پر جا پڑے گی۔ مسائل حاضرہ میں اقتصادیات و معاشیاتِ وقت کا سب سے بڑا مسئلہ گنا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں اس کے متعلق کھلے کھلے احکام موجود ہیں:-

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ .... الآخر (پ ۱۰ ع ۱۱ التوبہ)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اُس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے سو تم اُن کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔ جس دن وہ سونا چاندی آتشِ جہنم میں تپایا جائیگا۔ پھر اُس کے ذریعہ سے اُن کی پیشانیاں اور اُن کے پہلو اور اُن کی پشتیں داغی جائیں گی اور اُن سے یہ کہا جائے گا) کہ یہ وہی ہے جو تم اپنی ذات

کے لئے جمع کیا کرتے تھے۔ پس جیسا تم جمع کیا کرتے تھے اُس کا مزہ چکھو۔

یہ تو ہوا آخرت کا عذاب اور دنیا میں سرمایہ جمع کر کے رکھ لینے کے کیا نتائج ہوتے ہیں اُس کے متعلق ارشاد ہے :۔

واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها ---- الآخر (پ ۱۵ ع ۲ بنی اسرائیل)

اور جب ہم کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو ہم اُس میں سرمایہ دار لوگوں کو زیادہ کر دیتے ہیں۔ پس وہ اُس بستی میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ بستی عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے۔ اور ہم اُس کو پورا پورا تباہ کر دیتے ہیں۔

اور سرمایہ خرچ کرنے کا صحیح طریق کار کیا ہے؟ ارشاد ہے :۔

ولا تجعل يدك مغلولة الى عنقك ولا تبسطها كل البسط --- الآخر (پ ۱۵ ع ۳ بنی اسرائیل)

اور نہ تو پورے کنجوس بن جاؤ اور نہ بڑے فضول خرچ کہ پھر خالی ہاتھ پشیمان بیٹھے رہو۔ بیشک تمہارا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے روزی وسیع کر دیتا ہے۔ اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا ہے۔

پھر ارشاد ہے :۔

يسئلونك ماذا ينفقون ۵ قل العفو ۵ (پ ۲ ع ۱۱ البقرہ)

اے رسولؐ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ خرچ کس قدر کریں۔ تم کہہ دو جو تمہاری جائز ضروریات سے بچ رہے۔

ظاہر ہے کہ جائز اور ضروری اخراجات سے جو بچ جائے اُسے مستحقین میں خرچ کر دینا ہی اس مسئلہ کا واحد حل ہے۔ اہلبیتؑ طاہرین یعنی عترتِ رسول اللہؐ نے اس اصول پر سختی سے بھی کہیں زیادہ عمل کر کے لوگوں کو دکھلایا تاکہ پیروی کرنے میں اگر وہ اُن کے مطابق عمل نہ بھی کر سکیں تو کم از کم (اہلبیتؑ کی نسبت کم عمل کرنے سے) شرطِ عمل تو پوری ہو سکے۔ دیکھئے امیر المومنینؑ جناب سیّدہؑ اور حسنینؑ متواتر تین دن سے روزہ رکھ رہے تھے۔ امیر المومنینؑ مزدوری کر کے جَو لاتے رہے۔ سیّدہؑ چکی پیس آٹے کی روٹیاں بناتیں۔ افطاری کے معاً بعد یتیم و مسکین و اسیر آتے رہے (قرآن) اس میں شک نہیں کہ افطاری کے بعد معصومینؑ خود کھانے کے مستحق تھے مگر انہوں نے تینوں دن تک اپنا کھانا اپنے سامنے سے اٹھا کر ان مستحقین کو دے دیا یعنی اپنے پر اُن کو ترجیح دی۔ یہ تھا عمل (یعنی Practice) عترتِ رسولؐ کا۔

اشرفیاں میں لے چکا تو امام حسن عسکری نے ارشاد فرمایا۔ "جس دفینہ کو تو نے تنگ دلی کی وجہ سے اس وقت بچا رکھا ہے۔ یاد رکھ۔ وہ تیری ضرورت کے وقت بھی تیرے کام نہ آئیگا۔"

حضرت امام چہارم علی زین العابدین کے پاکیزہ کردار کی ایک جھلک بھی اگر اہلِ اسلام میں پیدا ہو جائے تو کم از کم اسلامی ممالک میں تو کوئی بھوکا آپ کو نظر نہ آئے۔ اہلِ مدینہ کا قول ہے کہ جب تک امام زین العابدینؑ زندہ رہے۔ ہم سے پوشیدہ خیرات کم نہیں ہوئی۔

(نور الابصار ص۱۴۳)

غربا مدینہ اپنا اپنا کھانا پایا کرتے تھے لیکن اُن کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ یہ کھانا کہاں سے آتا ہے۔ سفیان کا قول ہے کہ حضرت رات کو روٹیوں کا بورا یا تھیلا خود اپنی پیٹھ پر رکھ کر غرباء میں تقسیم کرتے تھے۔ جب حضرت کی وفات پر آپ کو غسل دینے لگے تو ایک داغ حضرت کی پشت پر نظر آیا۔ پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے تو معلوم ہوا کہ روزانہ آپ اپنی پشت پر جو بورا کھانے کا اُٹھا کر غرباء میں تقسیم کرتے تھے یہ اُسی کا داغ ہے۔ اس طرح حضرت مدینہ کے سو (۱۰۰) خاندانوں کا خرچ چلایا کرتے تھے۔ (نور الابصار ص۱۴۳)

کاش کہ مسلمان "کتاب اللہ و عترتؑ" کی پیروی کو اپنا شعار بنائیں۔ اور زندہ قوموں میں شمار ہو سکیں۔ "کتاب اللہ و عترتؑ" کی پیروی نہ صرف مسلمانوں کو بام عروج پر لے جائیگی بلکہ عالم انسانیت کو اس سے عظیم فائدے پہنچ سکیں گے۔ اور اس سے امنِ عالم کا حصول نزدیک سے نزدیک تر ہو جائے گا۔ موجودہ بُرائیوں کا اصلی سبب کتاب اللہ و عترتؑ سے چشم پوشی ہے۔

خاندانی قوانین

حکومت پاکستان عالیشان نے ۱۹۵۶ء میں "میرج اینڈ فیملی لاز کمیشن (شادی اور عائلی قوانین کمیشن)" بہ صدارت عزت مآب جسٹس عبدالرشید صاحب بالقابہٖ سابق چیف جسٹس پاکستان مقرر کی۔ جس نے شادی اور عائلی قوانین میں تبدیلیوں کے متعلق اکاون سوالات نشر کرکے تمام مسلمانوں۔ ان کے مذہبی اداروں اور علمائے کرام سے جوابات طلب کئے۔ تاکہ وہ رائج الوقت قوانین میں ان جوابات کی روشنی میں مناسب تبدیلی کی سفارش کرے۔ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں اور اداروں نے یقیناً جوابات اپنے اپنے طریق پر دئیے ہونگے۔ لیکن پاکستانی ملت جعفریہ میں سے صرف آپ کے ہر دلعزیز ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) پاکستان ہی نے یہ سعادت حاصل کی

ماہ ربیع الثانی و جمادی الاوّل کے دن ہیں۔ ان ہر دو مہینوں کی علی الترتیب ۸ (ربیع الثانی ۲۳۲ھ) اور ۵ ر (جمادی الاوّل ۳۸ھ) کو امام یازدہم حضرت حسنؑ عسکری اور امام چہارم حضرت علی زین العابدینؑ کی ولادت کے دن ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ہر دو معصومینؑ کی زندگی سے تقسیمِ مال کے متعلق ان کا کردار پیش کیا جائے تا کہ اس اہم مسئلہ میں ہم اپنا طریقِ کار مقرر کر سکیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آئمہ طاہرینؑ کو ان کے تابعین کی طرف سے مالِ خمس موصول ہوا کرتا تھا جس کا میزان لاکھوں تک پہنچتا تھا اور یہ کُل کی کُل رقم امام مستحقین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ سلاطینِ جور یعنی بنو اُمیّہ و بنو عباس کے عہد میں ادائیگی خمس میں مومنین کو بڑی دقتیں اُٹھانی پڑیں پھر بھی کسی نہ کسی راستہ اور طریقہ سے وہ خمس وکلاءؑ کے ذریعے امامِ وقت تک پہنچاتے رہے۔ حضرت امام حسنؑ عسکری یعنی والد ماجد امامؑ دورِ رواں مہدی آخر الزمان سے قبل آخری امامؑ ہیں۔ وصولی خمس میں جس قدر بھی مال و زر آپ تک پہنچتا تھا۔ وہ تمام کا تمام دیگر آئمہ کی طرح مستحقین میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ گو یہ سب مال امامؑ ہوتا تھا مگر وصول شدہ خمس میں خود امامؑ اپنا مزید مال شامل کر کے بانٹ دیتے تھے۔ بعض مستحقین یومیہ (روزانہ) کے حساب سے پاتے تھے۔ بعض ماہانہ کے اعتبار سے۔ اکثر وقتی ضرورتوں کے وقت فیض یاب ہوتے اور متعدد بغیر استدعا موردِ الطاف ہوتے تھے۔ یہ وہ تھے جن کو علمِ امامت کی رو سے امام مستحق سمجھتے تھے ان عطیات کے تحت (ایثار مستورہ) خفیہ خیرات بھی تھی۔ جو تمام آئمہ معصومینؑ (سلام اللہ علیہم اجمعین) کے خاص معمولات میں شامل تھی۔ اس خفیہ خیرات اور عام ایثار میں مومن اور غیر مومن سب ہی شامل ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اس رقم سے خاص طور پر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کی مخصوص پرورش کی جاتی تھی۔ اور ان کی تمام دنیاوی ضرورتیں رفع کی جاتی تھیں۔ کیونکہ اس مقدس خانوادہ پر سلاطینِ جور کی سختی کی وجہ سے ان کا کوئی دوسرا ذریعہ و وسیلہ بہت ہی مشکل تھا۔

سرمایہ کو جمع کر کے روک لینے کی مذمت اور عطاء امامؑ کی ایک عمدہ مثال اسمٰعیل ابن محمد کا واقعہ ہے۔ جو اُس کی زبانی کتاب لوائح الاحزان میں درج ہے۔ "میں نے ایک مرتبہ جناب امام حسنؑ عسکری کی خدمت میں جانے کا قصد کیا۔ اس لئے سرِ راہ جا کر بیٹھ گیا۔ آپؑ اُدھر سے گزرے۔ میں نے آگے بڑھ کر اپنی حالت اور حاجت بیان کی اور قسم کھا کر کہا کہ میرے پاس ایک کوڑی بھی موجود نہیں۔ آپ نے میرا کلام سُن کر فرمایا۔ کہ کیوں جھوٹی قسم کھاتا ہے۔ "کیا تو نے دو سَو اشرفیاں زمین میں گاڑ کر نہیں رکھیں۔ خیر میں نے یہ بات اس خیال سے نہیں کہی کہ تجھے کچھ نہ دوں"۔ یہ کہہ کر اپنے ملازم کو اشارہ فرمایا کہ جو کچھ تیری تحویل میں اس وقت موجود ہے وہ اس کو دیدے۔ چنانچہ سَو اشرفیاں فوراً میرے حوالے کر دی گئیں۔ جب وہ

کہ ان کے سرپرست اوّل جناب سلطانِ لسان و قلم جن کی توجہ سے ادارہ قائم ہوا۔ اور ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا۔ یعنی جناب مستطاب معلیٰ القاب علامہ الحاج مرزا احمد علی صاحب نے ان سب سوالات کے مدلل اور صحیح جوابات لکھے۔ اور ادارہ نے ان کو چھپوا کر کمیشن کو بھیجا۔ اور پھر ان کو قوانین شرعیہ (سلسلۂ معارف اسلام نمبر ۲۹) کے نام سے رسالہ کی صورت میں شائع کیا۔ ہماری موجودہ حکومت نے ان کی روشنی میں اور اپنے اختیارات سے "خاندانی قوانین" نافذ کئے ہیں۔ جو ۱۵ رجولائی ۱۹۶۱ء سے ملک میں جاری اور نافذ ہیں۔ آپ کے ادارہ کی مساعی اور حکومت کی توجہ سے جس ظلم کا ازالہ ہوا ہے۔ وہ ۱۳۷۶ سال سے صنف نازک پر آرے کی طرح چل رہا تھا۔ اور اس نے لاکھوں کروڑوں گھروں کو غلط طلاق اور حلالہ کی صورت میں برباد و ویران اور بے شمار انسانوں کی سعادت اور عفت کو ملیا میٹ کیا تھا۔ اللہ کے فضل اور حکومت عالیہ کی توجہ سے وہ ظلم مٹ کر زمانۂ مقدسہ کا عدل و انصاف پھر برسرکار آگیا ہے۔

ناظرین کی اطلاع کے لئے پہلے "قوانین شرعیہ" کے ص۱۱ سے ص۱۸ تک سوال ۱ اور اس کا جواب لکھتا ہوں۔ اس کے بعد وہ قانون لکھوں گا۔ جو حکومتِ عالیہ نے نافذ فرمایا ہے۔ تاکہ آپ حکومت کی دعاگوئی میں مصروف ہوں:۔

"طلاق از جانب شوہر"

سوال ۱:۔ اگر شوہر ایک ہی مجلس میں تین طلاق دیدے۔ کیا اس طلاق کو درست و صحیح اور بائن مانا جائے۔ یا از روئے قرآن تین طہروں میں تین طلاقوں کو لازمی کیا جائے۔

جواب:۔ اگر شوہر ایک ہی دفعہ ایک ہی مجلس میں تین دفعہ طلاق طلاق طلاق کہہ کر اپنی عورت کو طلاق دیدے۔ تو چونکہ اس میں طلاق کی کوئی شرط بھی پوری نہیں ہوئی۔ یہ فعل لغو ہوا اور ایک طلاق بھی نہ ہوئی۔ اس لئے ایسی طلاق کو درست نہ مانا جائے۔

اگر عورت کو باقاعدہ طلاق دی جائے اور صیغۂ طلاق کو سو دفعہ بھی کہا جائے تو بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگا اور وہ رجعی ہوگا۔ جس میں عدت کے اندر خاوند کو حق رجوع بغیر جدید نکاح کے اور عدت کے بعد نکاح جدید کے ساتھ حاصل ہوگا۔ اسی طرح دوسری باقاعدہ طلاق بھی رجعی ہوگی۔ اگر کوئی شخص ایسی طلاقوں کو بائن قرار دے اور حلالے سے ایسی عورت کو پہلے خاوند کے لئے جائز بنا دے۔ تو ان دونوں فعلوں کو جرم قرار دیا جائے۔

قرآن کریم پ۲ میں ارشاد ہے۔ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان (طلاق "رجعی" دو بار ہے پھر روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا

(باقی ص۲۲ پر)

عترتِ رسول اللہ کی زبانی

از امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام

ثم انزل عليه الكتاب نوراً لا تطفأ مصابيحه وسراجاً لا يخبو توقده، وبحراً لا يدرك قعره، ومنهاجاً لا يضل نهجه، وشعاعاً لا يظلم ضوءه، وفرقاناً لا يخمد برهانه، وتبياناً لا تهدم اركانه، وشفاءً لا تخشى اسقامه، وعزاً لا تهزم انصاره، وحقاً لا تخذل اعوانه، فهو معدن الايمان وبحبوحته، وينابيع العلم وبحوره، ورياض العدل وغدرانه، واثافي الاسلام وبنيانه، واودية الحق وغيطانه. وبحر لا ينزفه المستنزفون، وعيون لا ينضبها الماتحون ومناهل

پھر آپ پر ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جو (سراپا) نور ہے۔ جس کی قندیلیں گل نہیں ہوتیں ایسا چراغ ہے جس کی لو خاموش نہیں ہوتی۔ ایسا دریا ہے جس کی تھاہ نہیں لگائی جا سکتی۔ ایسی شاہراہ ہے جس میں راہ پیمائی بے راہ نہیں کرتی ایسی کرن ہے جس کی پھوٹ مدھم نہیں پڑتی۔ وہ ایسا (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والا ہے جس کی دلیل کمزور نہیں پڑتی ایسا کھول کر بیان کرنے والا ہے جس کے ستون منہدم نہیں کئے جا سکتے وہ سراسر شفا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے بیماریوں کا کھٹکا نہیں وہ سرتاسر عزت و غلبہ ہے جس کے یار و مددگار شکست نہیں کھاتے وہ سراپا حق ہے جس کے معین و معاون بے مدد چھوڑے نہیں جاتے وہ ایمان کا معدن اور مرکز ہے اس سے علم کے چشمے پھوٹتے اور دریا بہتے ہیں۔ اس میں عدل کے چمن اور انصاف کے حوض ہیں وہ اسلام کا سنگِ بنیاد اور اس کی اساس ہے حق کی وادی اور

لا ینضبھا الواردون، ومنازل
لا یضلّ نھجھا المسافرون،
واعلامٌ لا یعمی عنھا السائرون
وآکامٌ لا یجوز عنھا القاصدون
جعلہُ اللہ ریّاً لعطش
العلماء، وربیعاً لقلوب
الفقھاء، ومحاجّ لطرق
الصلحاء، ودواءً لیس بعدہٗ
داءٌ، ونوراً لیس
معہٗ ظلمۃٌ، وحبلاً
وثیقاً عروتہٗ، ومعقلاً
منیعاً ذروتہٗ، وعزّاً
لمن تولّاہُ، وسلماً
لمن دخلہٗ، وھدًی
لمن ائتمّ بہٖ، وعذراً
لمن انتحلہٗ، وبرھاناً
لمن تکلّم بہٖ، وشاھداً
لمن خاصم بہٖ، و
فلجاً لمن حاجّ بہٖ،
وحاملاً لمن حملہٗ،
ومطیّۃً لمن اعملہٗ،
وآیۃً لمن توسّم،
وجنّۃً لمن استلأم۔ و
علماً لمن وعی، وحدیثاً
لمن روی، وحکماً لمن
قضی۔

(نھج البلاغۃ)

اُس کا ہموار میدان ہے وہ ایسا دریا ہے کہ جسے
پانی بھرنے والے ختم نہیں کر سکتے وہ ایسا چشمہ
ہے کہ پانی اُلیچنے والے اُسے خشک نہیں کر سکتے
وہ ایسا گھاٹ ہے کہ اُس پر اُترنے والوں سے
اُس کا پانی گھٹ نہیں سکتا وہ ایسی منزل
ہے کہ جس کی راہ میں کوئی رہرو بھٹکتا نہیں
وہ ایسا نشان ہے کہ چلنے والے کی نظر سے اوجھل
نہیں ہوتا وہ ایسا ٹیلہ ہے کہ حق کا قصد کرنے
والے اس سے آگے گزر نہیں سکتے۔ اللہ نے اسے
عالموں کی تشنگی کے لئے سیرابی فقیہوں کے
دلوں کے لئے بہار اور نیکوں کی رہگزر کے لئے
شاہراہ قرار دیا ہے۔ یہ ایسی دوا ہے کہ جس سے
کوئی مرض نہیں رہتا ایسا نور ہے جس میں تیرگی کا گزر
نہیں ایسی رسی ہے کہ جس کے حلقے مضبوط ہیں ایسی
چوٹی ہے کہ جس کی پناہ گاہ محفوظ ہے جو اس سے وابستہ
ہو اس کے لئے سرمایۂ عزت ہے جو اس کی حدود میں
داخل ہو اس کے لئے پیغام صلح و امن ہے۔ جو اس
کی پیروی کرے اس کے لئے ہدایت ہے جو اسے اپنی طرف
نسبت دے اُس کے لئے حجت ہے جو اس کی رو سے بات کرے
اُس کے لئے دلیل و برہان ہے جو اس کی بنیاد پر بحث و
مناظرہ کرے اس کے لئے گواہ ہے جو اسے حجت بنا کر پیش
کرے اُس کے لئے فتح و کامرانی ہے جو اُس کا بار اٹھائے
یہ اس کا بوجھ بٹانے والا ہے جو اسے اپنا دستور العمل بنائے
اس کے لئے مرکب (تیز گام) ہے یہ حقیقت شناس کے لئے
ایک واضح نشان ہے (جو ضلالت سے ٹکرانے کیلئے) سلاح بند
ہو اس کیلئے سپر ہے جو اس کی ہدایت کو گرہ میں باندھے اس
کیلئے علم و دانش ہے۔ بیان کرنے والے کیلئے بہترین کلام اور
فیصلہ کرنے والے کے لئے قطعی حکم ہے۔ (ترجمہ: مفتی جعفر حسین مرحوم)

اثرِ حضرت اثر صہبائی مدظلہ

•

قرارِ دل و جاں خیالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — بہشتِ نظر ہے جمالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

غبارِ رہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنگِ گیتی — جبینِ فلک پائمالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

گدازِ محبت ضیائے بصیرت — یہ حالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ قالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نثار اس پہ حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہرمن اس سے لرزاں — جمالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اک بحرِ جود و سخاوت — گہر ہائے خوش آب آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثانی ہوا ہے نہ ہوگا
ہوئی ہے نہ ہوگی مثالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

•

★ ★ ★

مرا سوال ایک ہے جواب باصواب دے ہزار بار سوچ لے یہ ضد نہیں شتاب دے
عبور ہے جو علم پر سخن کا انتخاب دے حدیث مستند نہیں تو پھر کوئی کتاب دے
حسینؑ کا جواب لا حسینؑ کا جواب دے

نظر نظر ادھر ادھر نہاں نہاں عیاں عیاں زمیں زمیں فلک فلک زماں زماں مکاں مکاں
حسینؑ سا نہیں کوئی حسینؑ سا کوئی کہاں ترے کلام پر اگر ہے قیل و قال و این و آں
حسینؑ کا جواب لا حسینؑ کا جواب دے

جہاں حریص بیش و کم ہیں وہ مقام اور ہے جہاں اسیر قحط غم ہیں وہ مقام اور ہے
جہاں خرد کے پیچ و خم ہیں وہ مقام اور ہے جہاں حسینؑ کے قدم ہیں وہ مقام اور ہے
حسینؑ کا جواب لا حسینؑ کا جواب دے

ازل کے دن سے آج تک کی داستان اور ہے حدیث کربلا الگ ہے اس کی شان اور ہے
حسینؑ جس پہ مٹ گئے وہ آن بان اور ہے سخن کے مدعی اگر تجھے گمان اور ہے
حسینؑ کا جواب لا حسینؑ کا جواب دے

نہ فلسفی سے بحث ہے نہ منطقی سے بحث ہے نہ مدعی سے بحث ہے نہ مولوی سے بحث ہے
نہ دوستی سے بحث ہے نہ دشمنی سے بحث ہے مگر دلیل مستند پہ منصفی سے بحث ہے
حسینؑ کا جواب لا حسینؑ کا جواب دے

★ ★

سلام

از استاد الفن حضرت سہیل بلگرامی - مدظلہٗ

دنیا نے مل کے لاکھ بجھانے بجھے نہیں
ایسے چراغ دہر میں اب تک جلے نہیں

باطل کی یوں تو حق سے رہی کشمکش مدام
بدلا کئے نظام قضیئے چُکے نہیں

قائم کیا حسینؑ نے معیارِ زندگی
سرکش نے خود جھکا دیا سر یہ جھکے نہیں

سوکھے ہوئے شجر بھی یہاں بار ور ہوئے
باطل کے نخل پھول تو لائے پھلے نہیں

کیا جنگ تھی ہزار پہ بھاری تھے دو صغیر
بچے تو کیا جواں بھی کبھی ایسے لڑے نہیں

تیغوں میں تھی کچھ ایسی روانی کہ الاماں
اس باڑھ پر جو آئے شناور تھمے نہیں

ہفتم سے تھے گھرے ہوئے گنتی کے تشنہ کام
لیکن جبینِ عزم پہ بل تک پڑے نہیں

کثرت پہ چھا گئے تھے مجاہد دمِ جہاد
اُن کی زمیں ہلی یہ بہتّر (۷۲) ہلے نہیں

اُف رے ثبات جم گئے جس جا پڑے قدم
ٹلنے کو موت ٹل گئی لیکن ٹلے نہیں

اسلام کی مہم میں بھرا گھر لٹا دیا
احساں وہ رکھ دیا جو اٹھائے اٹھے نہیں

دیکھی سہیلؔ شانِ شہیدانِ کربلا
مٹنے پہ بھی نشان کسی کے مٹے نہیں

ہم لوگ

فکرِ سیّد وحید الحسن صاحب ہاشمی ایم اے مدظلہ

۱ - کوثر کے نہ جنت کے طلبگار ہیں ہم لوگ
مظلومیٔ شبیرؑ کے غم خوار ہیں ہم لوگ

۲ - ایمان کی مجلس کے لئے اک گلِ تازہ
اغیار کی محفل کے لئے خار ہیں ہم لوگ

۳ - مردانِ مودّت کے لئے موم کی صورت
سنگِ دلِ اعدا ہو تو تلوار ہیں ہم لوگ

۴ - اُٹھتے ہیں تو ہلتے ہیں جوانوں کے کلیجے
کہنے کے لئے بیکس و لاچار ہیں ہم لوگ

۵ - پتھر ہے وہ دل جس میں نہ ہو درد کی لذت
یہ شکر کی جا ہے کہ عزادار ہیں ہم لوگ

۶ - یہ سچ ہے کہ ہر دَور نے لُوٹا ہے ہمیں کو
باطل سے مگر برسرِ پیکار ہیں ہم لوگ

۷ - سُن لو کہ عزاداریٔ شبیرؑ کی خاطر
وقت آئے تو مرنے کو بھی تیار ہیں ہم لوگ

۸ - شبیرؑ کے ہاتھوں سے جو چمکی تھی وغا میں
اس عرش کے تلوار کی جھنکار ہیں ہم لوگ

۹ - کافر کے لئے زہر منافق کے لئے قہر
مومن کے لئے ابرِ گہر بار ہیں ہم لوگ

اسلام اور سرمایہ داری
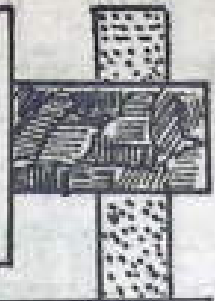
از آقائے احمد عباس مدظلہ، نجف اشرف۔ عراق

اسلام زرداری اور زر پرستی کا بھی دشمن ہے بالکل اسی طرح جس طرح اشتراکیت کا دشمن ہے لیکن آج کی دنیا کو اسلام اور سرمایہ داری میں کچھ بہت زیادہ فرق محسوس نہیں ہوتا۔ خصوصاً اسلام میں انفرادی ملکیت کا جواز اور معاشرہ میں رزق و مال کے تفاوت کا وجود غیر سنجیدہ لوگوں کو سرمایہ داری کا ایک پرتو نظر آتا ہے۔ خصوصاً جب ان کی نظریں ان مندرجہ ذیل آیتوں پر پڑتی ہیں تو ان کے نظریے میں اور پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔

"اور وہی تو وہ خدا ہے جس نے تمہیں زمین میں اپنا نائب بنایا اور تم میں سے بعض کے بعض پر درجے بلند کئے تاکہ جو نعمتیں تمہیں دی ہیں اس میں تمہارا امتحان کرے۔ اس میں شک ہی نہیں کہ تمہارا پروردگار بہت جلد عذاب کرنے والا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔" (سورہ انعام)

"اور خدا ہی نے ہم میں سے بعض کو بعض پر رزق (دولت) میں ترجیح دی پھر جن لوگوں کو روزی زیادہ دی گئی ہے۔ وہ لوگ اپنی روزی میں سے ان لوگوں پر جن پر ان کا دسترس ہے (لونڈی۔ غلام وغیرہ) دینے والے نہیں حالانکہ اس مال میں تو سب کے سب (مالک و غلام وغیرہ) برابر ہیں۔ تو کیا یہ لوگ خدا کے منکر ہیں۔"

(سورہ نحل)

"کیا یہ لوگ تمہارے رب کی رحمت کو اپنے طور پر بانٹتے ہیں۔ ہم نے تو ان کے درمیان ان کی روزی دنیاوی زندگی میں بانٹ دی ہے۔ اور ایک سے دوسرے پر درجے بلند کئے ہیں۔ تاکہ ان میں کا ایک دوسرے سے خدمت لے۔ اور جو مال و متاع یہ لوگ جمع کرتے ہیں خدا کی رحمت (پیغمبرؐ) اس سے کہیں بہتر ہے۔"

(سورۃ زخرف)

اس قسم کی آیتوں سے یہ نتیجہ نکال لیا جاتا ہے کہ اسلام طبقات کی تقسیم کرتا ہے لیکن ایسا نہیں بلکہ یہ آئین اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ افراد رزقوں اور مالوں میں ایک دوسرے سے امتیاز رکھتے ہیں۔ اور معاشرے میں ایک دوسرے سے متفاوت ہیں ـــــ اس معاشرے میں جس میں ایک فرد زندگی بسر کرتا ہے ـــــ اور یہ تفاوت اور امتیازات ایک آزاد، باشعور اور ذی حس انسان کی فعال قوتوں کا نتیجہ ہیں۔ اور یہ بات قابل قبول بھی ہے کہ وہ انسان جو اپنے بازوؤں کے کس بل اور اپنی جسم کی قوت صرف کرکے اپنا پیٹ پالتا ہے وہ ایک ایسے آدمی سے جو کاہل، ناکارہ اور بے عزم ہو فطری حیثیت سے بدرجہا بہتر ہے ـــــ لیکن اسلامی معاشرہ میں یہ بہتری اور بدتری کسی نظام طبقات کو خلق نہیں کرتی بلکہ اپنے اپنے مساعی اور مشاغل کے نتیجہ کے طور پر تفاوت اور امتیازات پیدا کر دیتا ہے۔ اور قرآن اپنی آیتوں میں اس زاویے کا اثبات کرتا ہے لیکن یہ سوچ کر کہ یہ تفاوت بڑھتے بڑھتے کسی طبقاتی کشمکش میں تبدیل نہ ہو جائے اس نے فوراً اس تفاوت اور امتیاز کی حدبندی کر دی کہ میدان عمل میں اس کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔ اس لئے دوسرے مقامات پر ہمیں ایسی بھی آیتیں نظر آتی ہیں، جو سرمایہ دارانہ نظام کی مخالف ہیں۔ اور افراد کو میدان حیات میں مساوی حقوق ادا کرتی ہیں اور رجاہ و مال کو اہمیت نہیں دیتیں۔

"اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی شخص ہے جو بڑا پرہیزگار ہو۔" (سورۃ الحجرات)

"اور یاد رکھو تمہارے مال اور تمہاری اولاد کی یہ حیثیت نہیں کہ تم کو ہماری بارگاہ میں مقرب بنا دیں مگر (ہاں) جس نے ایمان قبول کیا اور اچھے (اچھے) کام کئے ان لوگوں کے لئے تو ان کی کارگزاریوں کی دوہری جزا ہے۔ اور وہ لوگ دہشت کے جھروکوں میں اطمینان سے رہیں گے۔" (سورۃ السبا)

"جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں افزائش کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو تو ہم اس کو اس میں سے دیں گے مگر آخرت میں پھر اس کا حصہ نہ ہوگا۔" (سورۃ شوریٰ)

ان آیتوں سے ہمیں مال کے اثرات، استعمال اور اہمیت کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر معلوم ہو گیا۔ لیکن مال کے سلسلہ میں اسلام کے تصورات بُرے نہیں بلکہ اس کے نتائج جو اس سے ظاہر ہوتے ہیں اسے بُرا بنا دیتے ہیں اور مال تو پانی کی مثل ہے۔

"اور اے رسولؐ ان سے دنیا کی زندگانی کی مثل بھی بیان کر دو کہ اس کی حالت اس

پانی کی سی ہے جیسے ہم نے آسمان سے برسایا۔" (سورہ کہف)

جس طرح سے پانی کو قرار نہیں اسی طرح سے دنیا کو اور جو کچھ اس میں ہے قرار نہیں ہے اور جس طرح تھوڑا سا پانی کفایت بخش اور زیادہ مضر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بقدر کفایت دنیا مفید اور زیادہ مضر ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح پانی سے زرخیز اور بنجر زمینوں کا پتہ لگا لیا جاتا ہے۔ اسی طرح مال سے سخی اور بخیل میں تمیز کی جاتی ہے۔ اور جس طرح پانی کی زیادتی کھیتوں کو برباد کر دیتی ہے۔ اسی طرح مال کی کثرت دلوں کو فاسد بنا دیتی ہے۔

افراد کے درمیان اقتصادی طبقات انسانی فطرت کا ناگزیر تقاضہ ہیں جن کا وجود انسان کو بشری سعادتوں کی راہوں کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ تاکہ ہر شخص اور ہر فرد اپنے معاشرے میں اپنی منزل اور اپنی حیثیت کا صحیح تعین اور صحیح معرفت حاصل کر سکے۔ معاشرہ جب ایک شخص کو حاکم کی حیثیت سے متعارف کراتا ہے تو دوسرے افراد پر اس کی اطاعت اور اس کے حکم کا نفاذ ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح علم کی ایک اجتماعی حیثیت ہے جس سے دوسرے مستفید ہوں اور درس لے سکیں۔ اور یوں ہی اجتماعی زندگی میں ہر شخص کی حیثیت ایک ایسے انسانی روابط ہیں جو تمدن کے فطری بنیادوں پر قائم کئے گئے ہیں۔ لیکن اسلام میں طبقات کے اس اعتراف کو سرمایہ داری کا سنگِ بنیاد قرار نہیں دیا گیا۔ جو سرمایہ دارانہ ماحول کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اسلام سرمایہ داری کا کیونکر اعتراف کر سکتا ہے۔ جبکہ وہ خود ایک سے زیادہ جگہوں پر سرمایہ داری کی حقیقتوں سے نقاب کشائی کرتا ہے۔

"انسان جب اپنے آپ کو غنی دیکھتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے۔" (سورہ علق)

"اور دنیاوی زندگی تو کھیل تماشے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ آخرت کا گھر (بہشت) پرہیزگاروں کے لئے بدرجہا بہتر ہے۔" (سورۃ انعام)

اور پھر زکوٰۃ کی تقسیم کے طریقے بنا کر سرمایہ داری کے طغیان کو روکنا چاہتا ہے۔

"کیا ان لوگوں نے اتنا بھی نہیں جانا کہ یقیناً خدا ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی خیراتیں بھی لیتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔"

(سورۃ توبہ)

"اور یہ لوگ میراث کے مال اور حلال و حرام کو سمیٹ کر کھا جاتے ہیں اور مال کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔" (سورہ فجر)

"یہ لوگ اس سے پہلے دنیا میں بڑے سرمایہ دار تھے اور بڑے گناہ و شرک پر اڑے ہوئے تھے۔" (سورہ واقعہ)

سرمایہ داری کے سلسلہ میں یہ ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر، کیا اس کے بعد یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلام دنیا میں سرمایہ داری کا فروغ چاہتا ہے۔ اور اس کا نظام سرمایہ دارانہ بنیادوں پر استوار ہے؟ نہیں! ایسا ہرگز نہیں بلکہ اسلام سرمایہ داری کا بالکل اسی طرح مخالف اور دشمن ہے جس طرح اشتراکیت کا مخالف ہے۔ ؎

؎ اسلام میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر سرمایہ حاصل کرنے کی مخالفت نہیں کیونکہ صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھانا خلافِ فطرت ہے۔ بشرطیکہ ان صلاحیتوں سے جائز طریقہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ایک آدمی زیادہ محنت کرکے اگر زیادہ کما لیتا ہے تو اس کے لئے اسلام میں کوئی پابندی نہیں۔ پابندی جو ہے۔ تو سرمایہ کے استعمال پہ ہے اور یہی اسلام کی خوبی ہے۔ سرمایہ کو باندھ کر جمع رکھنا اسلام میں ناپسندیدہ فعل ہے۔ اور اس کے متعلق پسندیدہ عمل کیا ہے؟ ارشاد ہے:۔

و یسئلونک ماذا ینفقون ۵ قل العفو ۵

(قرآن پ ۲ ع ۱۱)

"یعنی اے نبیؐ۔ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کس قدر خرچ کریں۔ تم کہہ دو کہ جو کچھ تمہاری جائز ضرورت سے بچ جائے۔ وہ سب راہِ خدا میں خرچ کردو۔" (علامہ اعوازی)

(بقیہ "فکرِ مذہب، اقبالؒ اور ہم سب" صفحہ ۳۳ سے آگے)

کچھ نہیں نکالتے —— حسینی قلندر اشد حباً للّٰہ کے مساوی محبِ حسینؑ کو جانتا ہے۔ الا اللّٰہ سے مراد اتباعِ حسینؑ کو لیتا ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا۔ اے اہلبیتؑ آپ کی محبت قرآن میں فرض ہے۔

کفاکم من عظیم القدر انکم ٭ من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

اہلبیتؑ عترت آپ کے عظیم القدر ہونے میں یہی کافی ہے کہ آپ پر درود دئے بغیر نمازی کی نماز نہیں ہو پاتی۔ (درمنثور)

مگر ملت جعفریہ کا ایمان یہ ہے:۔

بے حبِ اہلبیتؑ عبادت حرام ہے ٭ زاہد تیری نماز کو میرا اسلام ہے

روزہ نماز حج یہ سب فرضِ عین ہے ٭ جنت ملی اُسے جو محبِ حسینؑ ہے

اسمِ اعظم کی تلاش

از مبلغِ اسلام حکیم سیّد سرفراز حسین صاحب مدظلہٗ

جلوہ نہ ہو معنی کا تو صورت کا اثر کیا
بلبل گلِ تصویر کا شیدا نہیں ہوتا

*

بلا شبہ آگ جلانے والی شے ہے مگر جب کچھ مواقع موجود ہوں اور موانع مفقود تب ہی جلنے اور جلانے کا عمل سر انجام پاتا ہے۔ اگر کچھ فاصلہ پر آگ رکھ دی جائے۔ ظاہر ہے وہ شے نہیں جلے گی جب تک قرب و اتصال نہ ہو۔ اور وہ خود جلنے والی چیز ہو ورنہ آگ نہیں جلا سکے گی۔ دوسرے آکسیجن بھی ملتی رہے اور خشک بھی ہو۔ اس لئے ان میں سے بعض یا کل شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ آگ کا فعل بے کار و بے سود ہوگا۔ اگرچہ آگ میں یہ وصف پایا جاتا ہے کہ جلا ڈالے اور یہی نظام اسبابِ قدرت ہر شے میں جاری و ساری ہے۔

ظاہر ہے کہ ہر شے کا استعمال برمحل اور عند الضرورت مناسب طریق سے بہتر ثابت ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ سنکھیا زہرِ قاتل ضرور ہے۔ لیکن جب طبیب حاذق تدبیر کے بعد استعمال میں لاتا ہے تو یہی سنکھیا امراض انسانی کے لئے تریاق اعظم ہی نہیں بلکہ بمنزلہ اکسیر اور ممد حیات ثابت ہوتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سنکھیا میں ہلاک کرنے کی قوت رکھی ہے۔ اب بہترین سنکھیا ہی وہ ہے جس میں یہی خاصیت محفوظ ہو اور ہلاک کر دینے کی صفت بدرجہ اتم ہو۔ لیکن اگر کوئی طبیب سنکھیا کو اکسیر بنانے کے اصول و قواعد میں غلطی کر جائے تو اکسیر ٹھیک نہ بنے گی۔ اس کے استعمال سے مرض تو کیا مریض بھی نہ رہے گا۔ چہ جائیکہ عام پانی کو ہی کامل غور سے صاف نہ کر کے پیا جائے اور بہتر طریقہ سے نہ استعمال کیا جائے تو مضرِ صحت ہوتا ہے۔ حالانکہ پانی کے مفید اور صحت بخش و مدار حیات ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔

حقیقتاً امراض کے ازالہ کے لئے معالج کے تجویز کردہ نسخہ کو نہایت حزم و احتیاط اور مجوزہ طریقہ سے استعمال کرنا ضروری ہے۔ ورنہ مرض سے نجات مشکل ہے۔ اسی طرح معالج ہی کی غلط تجویز اور سوءِ تد

سے شفا نہیں مل سکتی خواہ آپ نسخہ کو صحیح طور پر ہی استعمال فرمائیں۔

اب کیا کہنا روحانی امراض اور مصائب و آلام اور پریشانیوں کے تدارک کے نسخہ کا جس کے اصول و قواعد کی مطابقت اور تائید میں ترمیم و اضافہ کر دیا جائے۔ اور اس کے منوانے میں کھینچا تانی سے کام لیا جائے مبنی بر حقائق نہیں ہو سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ اصل طریقہ اپنے مقام پر کس قدر بہتر اور مفید ہے۔ لیکن کلام تو اس امر میں ہے کہ اُس اصول کو کہاں تک اپنایا گیا ہے۔

اصول اگر بہتر ہے تو اُس سے ہر نسخہ اور تجویز کو پرکھا جا سکتا ہے۔ یقیناً اُس اصول کی تائید ہو جائے گی۔ اور اگر نتیجہ مطابق واقعہ نہیں یا کمی دبیشی سے کام لے کر مطابقت پیدا کر لی جائے تو یہ بات ضرور ہوگی کہ اصول غلط ہے یا اپنی غلطی ہے اور ہماری سمجھ بوجھ سے بالاتر امور بھی ہو سکتے ہیں لیکن یہ بھی تو خلافِ عدل ہے کہ بے جا امور کو معقولات میں داخل کر لیا جائے" خواہ دامنِ حقائق ہاتھ سے جاتا رہے۔ صرف اس لئے تاکہ بات رہ جائے۔ جبکہ اکثر لوگ پہلے ہی روحانیات سے نابلد اور معاذ اللہ مضحکہ تصور کرتے ہیں۔ تو ان کے زعم باطل کی تقویت کے امکانات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اب زیرِ نظر اقتباسات قابلِ لحاظ ہیں۔

اخبار "درنجف" شمارہ ۲۲ بابت ۲۴ جون ۱۹۶۰ء صفحہ ۶ زیر عنوان "میری زندگی کا ایک واقعہ" بحوالہ "چٹان" لاہور محترم جناب ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب کا ایک مضمون شائع کیا گیا تھا جس میں آپ نے غم و پریشانی اور فکر و فاقہ دور کرنے کا درج ذیل نسخہ بیان فرمایا تھا:۔

"علاج۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام علم جفر، رمل وغیرہ میں بھی ماہر تھے۔ آپ نے ایسے لوگوں کے لئے جنہیں فلکی اثرات نے بے دست و پا بنا رکھا ہو ایک نہایت عمدہ نسخہ تجویز کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

نام کے اعداد بحساب ابجد نکالئے پھر اللہ کے ننانوے ناموں میں سے ایسے انتخاب کیجئے جن کی میزان اعداد آپ کے اعداد کے برابر ہو۔"

اس کے بعد آپ نے مثال سے واضح فرما کر ورد کرنے کی ترکیب تحریر فرمائی ہے اور اپنے اور دیگر احباب کے تجربات سے تائید فرمائی۔ کہ بیماریاں، مصیبتیں اور پریشانیاں اُن کا پیچھا چھوڑ گئیں اور سکون و اطمینان حاصل کر چکے۔

جہاں تک حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیان فرمودہ طریقہ سے تعلق ہے۔ کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ مگر آپ نے (یعنی برق صاحب نے) مذکورہ طریقہ پر مزید غور و فکر کا نتیجہ بیان کیا اور اپنے استنباط و استخراج کو پیش فرمایا ہے۔ وہ ضرور محلِ فکر ہے اور اربابِ علم و فن کی توجہ کے لئے پیش ہے۔ جناب برق صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور یہ وِرد :- ایک روز نماز کے دوران میں خیال آیا کہ اگر یہ ورد اتنی بڑی چیز ہے تو حضور پُر نور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی کرتے ہوں گے۔ بعد از نماز حساب لگانے بیٹھا تو چند لمحات میں یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ حضور (اور ہم بھی) سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کا ورد فرمایا کرتے تھے۔ اس ورد میں "ربی" کی "یا" زائد ہے۔ کیونکہ اللہ کا نام "رب" ہے "ربی" نہیں۔ ان کے اسماء کے اعداد یہ ہیں۔

سبحان ۱۲۱ = رب ۲۰۲ = اعلا ۱۰۲ = میزان ۴۲۵

محمد ۹۲ = رسول ۲۹۶ = اللہ ۳۷ = میزان ۴۲۵"

درحقیقت آپ نے مذکورہ نسخہ کی تائید میں مطابقت ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اگرچہ آپ کو اس کے لئے مسلمات ہی کیوں نہ ترک کرنا پڑ گئے۔ آپ نے "ربی" کی "یا" کو خارج کر دیا۔ صرف اس لئے کہ مطلوبہ میزان حسب منشا حاصل ہو سکے۔ لیکن علمائے فن نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہوا ہے کہ جو حروف لکھنے میں آتے ہیں اُن کے اعداد بحساب ابجد حاصل کئے جائیں کسی بھی حالت میں ترک لازم نہیں۔

دوسرے آپ نے "الاعلیٰ" میں سے "ال" ماقبل بھی خارج کر کے یوں مطلوبہ میزان کو حاصل فرمایا حالانکہ ہر لفظ کے ماقبل "ال" کے اعداد بھی علماء جفر نے شمار کئے ہیں۔ ترک نہیں فرمایا۔ جیسا کہ عوام میں بھی یہ طریقہ رائج ہے۔ کہ بجائے عربی عبارت "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اس کا مجموعہ اعداد ۷۸۶ ابتداء میں تحریر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اعداد "۷۸۶" اسی صورت میں ہوتے ہیں جبکہ "الرحمٰن" اور "الرحیم" ہر دو کے ماقبل "ال" کے اعداد بھی شامل کر لئے جاتے ہیں۔ بصورت دیگر یہ مجموعہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جناب برقؔ صاحب نے اپنے مطلب کو سمجھانے کے لئے "الاعلیٰ" کے ماقبل "ال" کو خارج کر دیا جو قطعی اصول کے خلاف ہے۔

تیسرے "الاعلیٰ" کے مابعد "یا" کو "الف" سے بدل دیا اور "اعلا" لکھا۔ اس بارہ میں بھی اساتذہ فن نے یہ قانون مقرر فرمایا ہے۔ کہ "یا" کو "الف" سے نہیں بدلا جاتا۔ بلکہ جیسا کہ مکتوبی شکل ہوتی ہے اس ہی کے اعداد شمار کئے جاتے ہیں۔ مثلاً حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ کے اسماء میں "یا" کے اعداد لئے جاتے ہیں نہ کہ "الف" سے بدلا جاتا ہے۔

جناب برقؔ صاحب نے "ربی" سے "یا" اور "الاعلیٰ" سے "ال" خارج کر دیا اور "یا" کو "الف" سے بدل کر یوں میزان ۴۲۵ حاصل فرما کر تطبیق دینے کی کوشش فرمائی ہے۔ جو کہ

اصول کے لحاظ سے قطعی غلط ہے۔ اصل میزان درج ذیل ہے:۔

سبحان ۱۲۱ = ربی ۲۱۲ = الاعلیٰ ۱۴۱ = میزان ۴۷۵

اسی طرح آپ نے محمد رسول اللہ کے اعداد ۴۲۵ حاصل فرمائے۔ اور "اللہ" کے اعداد ۳۷ شمار کئے ہیں تاکہ ہر دو میزان بالا آپس میں کسی نہ کسی طرح مطابق ہو جائے پس مطلب براری کے لئے خلافِ اصول آپ نے "اللہ" میں "ا" "ل" "ہ" کو شمار کر کے یہ اعداد حاصل فرمائے جو جمہور علماء جفر کے مخالف ہے۔ جبکہ سب بزرگوں نے "اللہ" میں دو "ل" شمار کر کے کل اعداد ۶۶ بتلائے ہیں۔ اس اعتبار سے "محمد رسول اللہ" کے اعداد حسب ذیل حاصل ہوتے ہیں:۔

محمد ۹۲ = رسول ۲۹۶ = اللہ ۶۶ = میزان ۴۵۴

یاد رہے کہ اگر "اللہ" کے اعداد حسب تحریر جناب برق صاحب ۳۷ شمار کر لئے جائیں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد بھی ۷۸۶ حاصل نہیں ہو سکتے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام حکیم روحانی تھے اور آپ نے مختلف بابرکت نسخے فلکی اثرات و پریشانی دور کرنے کے بیان فرمائے ہیں جن سے مخلوقِ خدا فیضیاب ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔

سب سے اول دعا حضرت آدم علیہ السلام نے مانگی ہے اور سب سے اول مخلوق حضرت رسالت مآب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبحان ربی الاعلیٰ کی تسبیح کا ورد فرمایا ہے انشاء اللہ بشرط فرصت آئندہ کسی شمارہ میں اصولی اور صحیح طریقہ استخراج اسماء برائے افادہ عوام پیش کیا جائیگا۔ اس طریقہ سے آپ پر روشن ہو گا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جن کلمات کے توسل سے دعا مانگی تھی آپس میں اُن کے نام اور کلمات کے اعداد بالکل مطابق ہوتے ہیں اور جناب ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مذکورہ تسبیح کے اعداد بلا کسی ترمیم و اضافہ اُتنے ہی شمار میں آتے ہیں جو آپ کے اسم مبارک سے حاصل ہوتے ہیں اور اس طریق سے ہر شخص مناسب حال اسماء باری تعالےٰ سے انتخاب کر کے اپنی مراد بھی حاصل کر لیتا ہے اور پریشانی و تکالیف سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔

فی الحال آپ کی سہولت کے لئے یہ خدمت انجام دی جا رہی ہے کہ آپ درج ذیل پتہ پر جوابی لفافہ ارسال فرما کر یا خود تشریف لا کر اسماء باری تعالےٰ حاصل فرمائیں۔

(بیت الحکمت۔ رفعت منزل۔ پریم نگر۔ راجگڑھ روڈ۔ لاہور)

وما علینا الا البلاغ المبین

بقیہ :- "فکرِ مذہب، اقبالؒ اور ہم سب"

میں تیار ہو تیار۔ مگر جب الا اللہ سامنے آتا ہے تو خدا کی بجائے امام حسینؑ کو سامنے لے آتا ہے۔ اور اصل تو لا اللہ تعالےٰ وہ محبت و اطاعتِ حسینؑ کو جانتا ہے۔ کیونکہ توحید کو سلامت اور زندہ قوت رکھنے کے لئے امام حسینؑ بن علیؑ (علیہما السلام) نے اپنے خاک و خون سے آبیاری کی۔

نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

ایمانِ بالتوحید (APPLIED FORM) کا عنوان اور شرحِ حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں۔

"نفرِ عریاں بانگِ تکبیرِ حسینؑ"

— حسینی ملنگ "قل ھو اللہ احد" کے بانگی امام حسین علیہ السلام کو اپنا پیرو مرشد مانتے اور نیازِ حسین مانگتے ہیں۔ درود بر محمدؐ و آلِ محمدؐ اُن کا ورد ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ وہ صلوٰۃ ہے جو اللہ اور ملائکہ پڑھتے ہیں:۔

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔

(احزاب پ ۲۲)

یعنی بے شک اللہ اور اللہ کے ملائکہ نبیؐ پر صلوٰت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان لانے لوگو! تم بھی نبیؐ پر صلوٰت بھیجو اور سلام بھی جیسا سلام بھیجنے کا حق ہے ————

آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ صلوٰت و سلام تسلیما
اللھم صل علیٰ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہے۔

پس حسینی ملنگوں کا ورد اللھم صل علیٰ محمد و آلِ محمدؐ اور ان کا جہاد نامِ حسینؑ کی بلندی ہے۔ جب بھی حسینؑ کا نام مٹانے کی کوشش ہو۔ تو وہ کمر بستہ جہاد۔ لباس ان کا سیاہ جیسے نقلِ غلافِ کعبہ۔ اور بیمارِ کربلا اور گرفتارِ کرب و بلا۔ حضرت سید الساجدینؑ ابنِ حسینؑ کی تاسی میں زنجیروں اور طوق و بیڑیوں میں خود کو جکڑے رکھتے ہیں۔

قلندر اور حسینی ملنگ کی معرفت و عمل کے صحیح و غلط ہونے کے سلسلے میں ہم زبانِ قلم سے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بقیہ: گفتنی ہا (صفحہ ۸ سے آگے)

چھوڑ دینا ہے نیکی کے ساتھ) فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ (اگر باقاعدہ طور پر اپنی عورت کو تیسری دفعہ طلاق دے۔ تو اس کے بعد وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔ جب تک وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرلے۔ اور مطلوبہ نکاح حاصل نہ ہوجائے اور پھر نیا خاوند اپنی مرضی سے کبھی اسے طلاق دیدے۔

مذہب شیعہ کا بالاتفاق اسی پر عمل ہے۔ مثلاً تہذیب الاحکام۔ کتاب الطلاق ص۲۴۲ ملاحظہ کریں من طلق امراۃ بشرائط الطلاق ثلاث تطلیقات فی موضع وقعت واحدۃ منها واثنتان باطلتان ویدل علی ذالک ما رواہ . . . . قال سالته عن الذی یطلق فی حال طهر فی مجلس ثلاثا قال هی واحدۃ۔ اگر کوئی خاوند اپنی عورت کو حالت طہر میں (شاہدین عادلین کے سامنے) ایک ہی مجلس میں تین طلاق دے تو وہ باطل ہوجاتی ہیں اور ایک ہی واقع ہوتی ہے۔ اسی لئے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے اپنے رسالہ "ازدواجی زندگی کے لئے قانونی تجاویز" کے ص۴۳ پر یہ سفارش کی ہے:۔

(۶) اگر بیک مجلس تین یا زیادہ طلاقیں دی جائیں تو اسے رجعی ہی قرار دیا جائے یا فقہ شیعہ کی طرح اسے طلاق لغو قرار دیا جائے۔ یعنی وہ ایک طلاق بھی نہیں ہوتی۔ اس کی اصلیت ہم اوپر بیان کرچکے ہیں اہل سنت والجماعت کی بخاری۔ کتاب الطلاق۔ باب من اجاز الطلاق الثلاث ص۷۹۱ حاشیہ ع۳ میں مولوی احمد علی سہارنپوری حنفی نے لکھا ہے۔ قال العینی وضع البخاری هذه الترجمة اشارة الی ان من السلف من لم یجز وقوع الطلاق الثلاث مذهب طاؤس ومحمد ابن اسحاق والحجاج بن ارطاة وابن مقاتل والظاهریه الی ان الرجل اذا طلق امراته ثلاثا معا فقد وقعت علیها واحدۃ واحتجوا علی ذالک بما رواہ مسلم من حدیث طاؤس ان ابا الصهباء قال لابن عباس اتعلم انما کانت الثلث تجعل واحدۃ علی عهد النبی ﷺ وابی بکرؓ وثلاثا من امارۃ عمر فقال ابن عباس نعم۔ جب کوئی خاوند اپنی عورت کو تین طلاق ایک ہی دفعہ دیدے۔ تو ایک طلاق ہی ہوتی ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اور حضرت عمرؓ کی امارت کے تین سالوں میں ایسی تین طلاقیں بیک مجلس ایک ہی طلاق قرار پاتی تھیں۔ اہل حدیث اور جماعت اسلامی کا بھی اسی پر عمل ہے۔ احناف میں سے قدامت پسند تین کے قائل ہیں مگر ایسی تین طلاقوں کے دینے والے کو گنہگار یا آثم سمجھتے ہیں

(باقی صفحہ ۶۹ پر)

از مصوّرِ جذبات ڈاکٹر سیّد محمود عباس بخاری مدظلہٗ

قسط دوم

قریش کا لشکر ابھی تک خاموش تھا۔ البتہ کئی لوگ علیؓ کی طرف انگلیاں اٹھا کر اشارے کر رہے تھے۔ جذبۂ انتقام ابوطالبؓ کے بیٹے کا خون مانگ رہا تھا۔ علیؓ عرب کے تین سرمایۂ افتخار فرزندوں کا قاتل گردانا جا رہا تھا...... مگر کون نکلے۔ عرب کی غیرت اور حمیت کسی منچلے کو نکلنے پر اُبھار رہی تھی...... یہی جذبہ ان کو موت کی طرف کھینچتا تھا۔[1]

ایک لمبا تڑنگا بھرپور بازوؤں والا بہادر زرہ بکتر میں ملبوس نکلا...... اُس کی تلوار آفتاب کی روشنی میں مشعل کی طرح جل رہی تھی...... اس نے سپر پر تلوار بجائی۔ انداز مبارز طلب تھا۔ مسلمان ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے...... علیؓ نے نظر اٹھائی...... حمزہؓ بڑھنے کے لئے پر تول رہے تھے۔ علیؓ کا جوان خون یہ برداشت نہ کر سکا۔ وہ تیزی سے مڑا...... صفوں کے کنارے کنارے بھاگتا ہوا اور ہوا میں اپنی بُرّاق تلوار لہراتا ہوا...... پیغمبرؐ نے محبت سے یہ منظر دیکھا۔۔ حمزہؓ کی نگاہوں میں اشتیاق اُمنڈ رہا تھا۔ پیغمبرؐ کے ذہن میں آیۂ[2] "ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّھِمْ ...... الخ (پ ۱۷ ع ۹)" کا عکس چمک رہا تھا...... بے شک علیؓ اور حمزہؓ اپنے پروردگار کے واسطے مخاصمہ اور معارضہ کرتے ہیں"...... علیؓ سر کو کتنا سستا بیچ رہا تھا...... کسی بھی بھدف تیر کے لئے...... کسی بھی کاری تلوار کے لئے...... کسی بھی سیدھے نیزے کے لئے......

۱ـ ایڈورڈ گبن ۲ـ واقدی۔ بخاری باب المغازی المرتضیٰ ص ۳۱

طعیمہ ابن عدی حیرت سے اس نرالے منچلے بہادر کو دوڑ کر آتا ہوا دیکھ رہا تھا ... موت سے اتنی وارفتہ محبت ... طعیمہ نے کبھی دیکھنا تو کجا سنا بھی نہ تھا ... قریش اشاروں سے ایک دوسرے کو بتا رہے تھے ... یہ سفید شمشیر کے سربند اور جھالردار خود اور پرانی تلوار والا علیؑ کے سوا اور کوئی نہیں ... یہ ولید و شیبہ کا قاتل ہے ... طعیمہ نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی عظیم غلطی کا احساس کیا ... علیؑ نے سامنے رک کر اسے اشارہ کیا کہ وار کرلے ... طعیمہ نے پوری قوت سے وار کیا ... علیؑ نے سپر پر روکا ... اس کی پہلے وار کی حسرت پوری کردی .. "جا اب تجھ کو کسی سے مقابلہ کی نوبت نہیں آئے گی" ... تکبیر کا نعرہ بلند ہوا۔ فضا میں بجلی سی کوندی ... طعیمہ کی شمشیر آئینہ فام دھول اڑ رہی تھی ... نگاہیں تعاقب بھی نہ کرسکیں کہ کب کیسے اور کیونکر ضرب لگائی[1] ... بدر کی ریت پر شیبہ کے پہلو سے پرے ایک بے جان لوتھڑا پڑا ہوا تھا۔ مشرک باور نہ کرسکے کہ یہ ایک لمحہ پہلے کا جنگجو اور شیر مرد طعیمہ ابن عدی تھا ... علیؑ نے نہ جانے کس دل سے اتنی عظیم پیش گوئی کردی تھی۔ واقعی طعیمہ کو کسی اور سے مقابلہ کی نوبت نہ آئی ... اس کا خود۔ زرہ اور گردن کے مہرے چرمرا کر ٹکڑے ہو رہے تھے ... "یہ تلوار کی ضرب نہیں بلکہ کوہ احد کی بوجھل چٹان کا وار معلوم ہوتا ہے" .. کسی نے قریش کے لشکر میں سرگوشی کی ... کئی دلاوروں کے خون میں سنسنی سی دوڑ گئی .. ابوجہل کے جسم میں جھرجھریاں سی ناچنے لگیں ... علیؑ نے نظر غلط انداز سے بھی اس کے سلاح اور زیورات کو نہ دیکھا ... کم از کم پرانی تلوار ہی بدل لیتے ... سپر ہی بدل لیتے .. خنجر ہی لے لیتے ... لمبے تیروں کا ترکش اٹھا لیتے ... مضبوط نیزہ قابو کرلیتے ... مگر مومن ہتھیاروں کے بل پر نہیں لڑتا ... اس کی پرانی تلوار اور دیرینہ زرہ بکتر ہی اسے بہت ہے ... علیؑ دونوں صفوں کے درمیان قیامت تک ایک نہ مٹنے والا سبق پڑھا رہا تھا حمزہؓ فرط انبساط سے تن سے گئے۔ پیغمبرؐ ایک دلپذیر مسکراہٹ بکھیر رہے تھے ... مشرک حوصلہ ہار رہے تھے .. کسی نے علیؑ کی ضرب پر اظہار حیرت کیا ... ابوجہل کے پہلو میں کھڑا عاص بن سعید شعلہ فشاں سا ہوگیا ... اس نے سوچا اب تو علی تھک چکا ہوگا ... دوست کی موت کا بدلہ اور شہرت کا تاج کیوں نہ حاصل کروں ... عاص تیزی سے لپکا اور پوری قوت سے بھاری بھر کم تیغہ علیؑ کے سر پہ مارا ... ابوجہل پہلو بدل کر رہ گیا۔ مسلمان گھبرا سے گئے ... مگر علیؑ کا سر سلامت تھا ... جھنکار کی بلند آہنگ وار کے رکنے کا اعلان کر رہی تھی ... عاص نے دائیں بائیں

---

[1] کامل و واقدی ص ۳۹۵ و الحاف اہل اسلام ص ۴۳

اور سامنے سے کئی وار ہوئے ...... علیؑ کی پرانی تلوار اعلیٰ درجے کے فولادی تیغ کی ضربیں روکتی رہی۔ گویا یہ کسی شہزور کی ضربیں نہ تھیں۔ کسی بچے کے ہاتھ میں چھڑی تھی جسے علیؑ روک رہا تھا۔ پیغمبرؐ حمزہؓ اور مسلمان محض عش عش کرتے رہ گئے ...... کئی لوگوں نے سرگوشی کی ...... علیؑ کو اپنا وار بھی کرنا چاہئے۔ دشمن کو اتنا زیادہ موقع دینا خودکشی ہے ...... اگر تلوار ٹوٹ گئی ...... اگر وار رُک نہ سکا اور اگر وار پھسل کر کہیں لگ گیا تو ......

عاص کے حملے تیز تر تھے ...... علیؑ مسکرایا ...... دشمن کے دل کی حسرت پوری ہو چکی تھی ...... نعرۂ تکبیر بلند ہوا ...... علیؑ نے بھی وار کیا ...... ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے خوشی کا اظہار کیا ...... وار خالی جا چکا تھا ...... مگر عاص کیوں وار نہیں کرتا؟ دوسرے لمحے عقدہ حل ہو گیا ...... عاص پر وار خالی نہ گیا تھا ...... عاص کی لاش خون کی گرمی سے کھڑی تھی ...... زندہ عاص تو دو ٹکڑے ہو چکا تھا ...... کئی مشرکوں کو چکر آ گئے ...... عاص کے دو ٹکڑے کاغذ کے دو صفحوں کی طرح ریت پر پڑے تھے۔ کیا عاص موم کا بنا ہوا تھا؟ مکے کے بُت پرست حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے ...... علیؑ کی تلوار عاص میں سے کس وقت گذری؟

جہالت اسے جادو سمجھ کر غضبناک ہو گئی ...... علیؑ کو سنبھلنے کا موقع نہ دو، اوپر تلے مقابلہ کرو ...... اسے ہر حال میں مار دو ......

علیؑ شمشیر کی ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ مشرک ایک دوسرے کو جنگ پر اُبھار رہے تھے۔ ابوجہل نے بھی اکسایا اور پھر یکے بعد دیگرے کئی معرکہ زن نکلے ...... مگر جس تیزی سے جو نکلتا گیا۔ صرف پہلے وار کا اختیار پا کر مرتا رہا ...... بدر کی ریت پر تین چار مزید لاشوں کا اضافہ ہو گیا۔

ابوجہل بوکھلا گیا ...... اس کا محافظ دستہ اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھا ...... سردار اب کیا کریں؟ ...... علیؑ میدان سے نہیں ٹلتا ...... کوئی تیر اور کوئی سلاح اس پر کارگر نہیں ہوتا۔ مشرک زبانِ حال سے فریاد کر رہے تھے ...... فتنے ابوجہل کے جلو میں چلتے تھے ...... گھبراؤ نہیں ...... "میری زرہ پہن کر جاؤ ...... علیؑ کی تلوار اثر نہ کرے گی ...... آج لات وہبل کی عزت کا دن ہے" ...... عبداللہ ابن منذر ابن ربیعہ رقاصاؤں کے غول کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کی آنکھیں چمک اٹھیں ..... "سردار زرہ مجھے پہنا دو" .... عبداللہ نس حسرت سے میدان کی طرف بڑھا .... میانہ قامت علیؑ کا سر کاٹنے کے لئے .... مگر ایک وار کے بعد دوسرا نصیب نہ ہوا .... اس کا سر دور لڑھکتا ہوا جا رہا تھا .... مغفر اور خود کے ٹکڑے اڑ چکے تھے .... گویا فولاد کے نہیں مٹی کے بنے ہوئے تھے .... علیؑ نے زرہ کے بند ڈھیلے کر کے مشرکوں کی طرف پھینک دی .... لات و ہبل کی عظمت عبداللہ کے خون کے ساتھ مٹی میں مل رہی تھی .... علیؑ ٹہلتا ہوا پرے نکل گیا .... زرہ پھر ابو جہلؑ کے حلقہ میں جا پہنچی .... نہ جانے ابو جہلؑ نے کیا افسوں پھونکا۔ شاید یہ کہا کہ عبداللہ بتوں پر مکمل ایمان نہ رکھتا تھا .... لہٰذا مارا گیا .... حرملہ ابن عمر پورے ایمان کے ساتھ وہی زرہ پہن کر نکلا .... انجام مختلف نہ تھا۔ زرہ پھر خونِ قریش کو علیؓ کی تلوار کی طرف بلا رہی تھی .... کوئی منچلا اتنی جسارت نہ کر سکا۔ قریش کے بانکے اور رستم و اسفندیار ایک دوسرے سے بھی آنکھیں چرا رہے تھے .... انفرادی جنگ موت کا میدان تھی .... مسلے ہوئے مچھروں کی طرح چیدہ بہادروں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ علیؓ کے بازو بے تکان تھے .... عرب اپنی انفرادی شجاعت کی حکایات و روایات بھول چکا تھا .... ہمسر ڈھونڈنے والے خود سر بے سر اور خاک بسر تھے۔

ابو جہلؑ کے ساتھیوں نے سردار سے پھر مشورہ طلب کیا۔ یکایک حملے کا مشورہ دیا گیا اور دوسرے لمحے ٹہلتے ہوئے علیؑ پر سواروں کا غول ٹوٹ پڑا .... حمزہؓ بیقرار ہو کر صف سے نکلے .... مگر ہوشیار و تیز دست علیؑ حمزہؓ کے پہنچنے سے پہلے اس غول کو لوٹا چکا تھا .... دو تین گھوڑے خالی زینیں لے کر بھاگ رہے تھے .... اور پھر حمزہؓ کے دیکھتے ہی دیکھتے علیؑ انہی سواروں کے غول میں جا کر ڈوب گیا .... ابو جہلؑ کی زرہ میں ایک سوار نظر پڑا .... برچھیوں۔ نیزوں۔ تلواروں اور تیروں کے سیلاب میں تیرتا ہوا نوجوان علیؑ اس سوار کے سر پر جا پہنچا .... وہ انتہائی تیز دستی سے وار دیتا۔ روکتا .... لیتا اور ہٹتا چلا گیا .... وہی پرانی تلوار اس مخصوص سوار کے سر پر پڑی .... لوگ چلائے کہ ابو جہلؑ مارا گیا .... ہجوم کائی کی طرح پھٹ گیا .... پرے سرکتا ہوا ابو جہلؑ خدائے ہبل کا شکر بجا لایا کہ اس نے اسے اپنی زرہ خود نہ پہننے کی عقل عطا کی .... بنی مخزوم کے درجنوں جوان حیران تھے کہ یہ علیؑ ہے کیا؟ صفوں کے پرے اسے ہراساں نہیں کرتے۔ سلاحِ جنگ اس کا راستہ نہیں روکتے۔ تکان اس پر غالب نہیں آتی۔ سانس اس کا پھولتا نہیں۔ وار اس کا خالی نہیں جاتا جب تک وہ خود خالی نہ دے۔

.... کئی شانوں اور گردنوں پر اس نے زخم لگائے .... بس یونہی جیسے اس کی تلوار بوسہ لینا چاہتی ہو .... حالانکہ وہ چاہتا تو مار بھی سکتا تھا .... مگر علیؑ کے حملے ہوتے ہیں نپے تلے اور جانچے ہوئے .... وہ پہلے حریف چنتا ہے پھر وار کرتا ہے .... خواہ مخواہ درمیان میں اُلجھنے والوں کو اکثر معاف کر دیتا ہے یا معمولی زخم دے کر ڈرا دیتا ہے .... نہ جانے وہ ایسا کیوں کرتا ہے .... ہاں جسے چن لیتا ہے اس کے لئے جائے فرار نہیں[1] .... وہ مشہور فسادیوں بچوںؐ کے مخالفوں .... اور افواہوں کے شہ زوروں اور لاف زنوں کو الگ کر رکھتا ہے .... وہ جنگ کے ریلوں میں اپنی عقلِ حلیم سے ایک ایک چہرہ کو پرکھتا ہے۔ اور اس کی شرارت کے اعتبار سے اسے سزا دیتا ہے .... اس کی تلوار گھوڑے یا کسی بے زبان جانور پر نہیں پڑتی .... اس کا ایک ایک وار قیمتی۔ فیصلہ کن .... صحیح اندازہ والا .... اور ناقابلِ مدافعت ہوتا ہے .... وہ ایک سے زیادہ وار دینے کا عادی نہیں .... ایک کافر کے لئے صرف ایک وار .... صرف ایک خدا کے نام پر .... اور صرف ایک علیؓ کے ہاتھوں سے۔

بنو مخزوم اپنی کثرت کے باوجود ابوجہل کی حفاظت سے لاچار نظر آتے تھے۔ ابوجہل انہیں کوستا تھا .... اب یہ زرہ کسی اور کو پہنا دو۔ اور اگر علیؑ اسے ابوجہل سمجھ کر حملہ کرے تو اس کا کام تمام کر دو .... اے گروہ قریش شتر مرغ کے پروں والے اور سرخ پشمینہ کے سربند والے کو قتل کرو .... وہ حمزہؓ ہے اور اس بھتیجے پوش سفید پشمینے کے سربند والے کو قتل کرو .... یہ علیؓ ہے یہی کوتاہ قد اور بزرگ شکم سا .... اس نے آج تمہیں بہت ایذا دی ہے .... جنگ کی ابتدا کے ساتھ اسی نے تمہارے لب و رخسار کاٹ لئے ہیں۔ اسے معاف نہ کرو .... قریب ہی زرد اونٹ پر سوار امیہ نے بھی ابوجہل کی تائید کی .... قریش کی عزت کی قسم اس شخص نے اور حمزہ نے مجھے بہت دکھ دئے ہیں اور ابھی دے رہے ہیں .... ابو قیس بن الفاکہ بن المغیرہ طیش میں آگیا .... "لاؤ سردار یہ زرہ میں پہنوں اور دیکھوں کہ علیؑ کیا کرتا ہے .... بنی مخزوم تو خواہ مخواہ ڈرے جاتے ہیں" ....

بائیں صفوں کے قریب عتبہ کی لاش کو روندتے ہوئے گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ قریش رسولؐ کے عریش کی طرف بڑھنا چاہتے تھے .... زرہ پوش اور غرقِ آہن بہادر لمبی گردنوں ہوئی یمنی

---

[1] نہج البلاغۃ .... "میں صرف انہی کو مارتا ہوں جن کے صلب تک ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔
[2] بچوںؐ کے اور کام کے آدمی۔

تیغوں کے سہارے مسلمانوں کے لشکر میں راستہ بنا رہے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ سوار بازوؤں کو کاٹ رہے تھے اور تیر انداز صفوں کو پراگندہ کر رہے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ حملہ بڑا منظم تھا ۔ ۔ ۔ ۔ مسلمانوں کے قدم اُکھڑ رہے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ عبداللہ بن مسعودؓ ۔ بلالؓ اور دوسرے لوگوں کے بس کی بات نہ تھی کہ اس ریلے کو روکتے ۔ ۔ ۔ ۔ ہر کوئی پچھلی صف میں امن ڈھونڈھنا چاہتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ پیغمبرؐ نے سعد بن معاذ کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھے ۔ ۔ ۔ ۔ قریش بڑھے چلے آ رہے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ پیغمبرؐ کی نگاہیں ایسے بہادر کو ڈھونڈھنے لگیں جو سر بیچ کر فریقین کے درمیان دیوار بن جائے اور پسپائی کی لہر کو روک دے ۔ ۔ ۔ ۔ دُور کوئی دو سو گز کے فاصلے پر پیغمبرؐ کو ایک مشتعل ہجوم نظر آیا وہ کسی کو گھیرے ہوئے تھا ۔ ۔ ۔ ۔ پیدل اور سوار چاروں طرف سے نیزے اور برچھیاں مار رہے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ پیغمبرؐ کے چہرے پر تفکر کے آثار ظاہر ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔ اتنے بڑے ہجوم میں کون پھنسا ہوا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ کمک نہیں جا سکتی ۔ ۔ ۔ ۔ خود مرکز اور قلب کی حالت کمزور تھی حملے کا دباؤ ادھر بھی زبردست تھا ۔ ۔ ۔ ۔ اُٹھتے اور سنسناتے تیروں کے سائے میں پیغمبرؐ نے پھر نظر ڈالی وہ دُور کا ہجوم چھٹ رہا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ہجوم کے مرکز سے زخمی سواروں اور پیادوں کی قطاریں نکل نکل کر بھاگ رہی تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ اور یکایک سارا ہجوم منتشر ہو گیا ۔ ۔ ۔ ۔ شتر مرغ کے پروں والا بہادر اور سفید پشمینے والا بہادر ہجوم کے جگر سے باہر آ رہے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ان کی تلواریں بالکل لال ہو رہی تھیں اور بغلوں تک بازو خون میں لتھڑے پڑے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ "کیا دونوں زخمی ہو گئے ؟" مگر نہیں دونوں کی چال صحت مند اور متوازن تھی ۔ ۔ ۔ ۔ پیغمبرؐ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ میرے گرد کھڑے ہونے والے مسلمانو ۔ ۔ ۔ ۔ بیکار وقت کیوں ضائع کر رہے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ تم تو ایسے کھڑے ہو گویا تم بھی جنگ کے بارہ میں میرے منصب پر فائز ہو کہ نہ ہتھیار اٹھاؤ گے نہ زخم لگاؤ گے ۔ ۔ ۔ ۔ جاؤ اور ان تنہا بہادروں کی طرح کچھ کام کر کے دکھاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ تھکے ہوئے ہیں ۔ انہیں ذرا دم لینے کی مہلت تو دو ۔ ۔ ۔ ۔ چند لوگ پیغمبرؐ کے گرد کٹھیاں کمروں پر لٹکائے محض تماشائی بنے رہے ۔ ۔ ۔ ۔ عریش پیغمبرؐ کے پیچھے کھلی جگہ تھی اور فرار کے راستے بہت آسان تھے ۔ ۔ ۔ ۔ جنگ کے گرم شعلہ زار اور مرگ آگیں مقامات پر کون جائے ۔ ۔ ۔ ۔

علیؓ اور حمزہؓ دونوں کی نظریں پیغمبرؐ کے گرد تنگ ہوتے ہوئے گھیرے پر پڑیں ۔ دونوں اپنی تھکان بھول کر تیزی سے ادھر لپکے ۔ ۔ ۔ ۔ ان کو ادھر لپکتا دیکھ کر ابوجہل کا گروہ بے اختیار پکار اٹھا ۔ ۔ ۔ ۔ "ان کو جانے نہ پائیں" ۔ ۔ ۔ ۔ اور کئی سوار اور پیادے ان دونوں کی راہ روکنے کے لئے ٹوٹ پڑے ۔ ۔ ۔ ۔ علیؓ رکے مگر حمزہؓ نے اشارہ کیا ۔ ۔ ۔ ۔ علیؓ سمجھ گئے کہ حمزہؓ کا

مطلب یہی ہے کہ ان نامردوں کے لئے میں کافی ہوں۔ پیغمبرؐ کو تمہاری نصرت کی ضرورت ہے .... تلواروں کی بجلیاں کوندیں اور چند لمحوں میں گھیرا ڈالنے والے سوار جھولتے ہوئے شانے .... ٹوٹی ہوئی ٹانگیں اور دست بریدہ باہیں لے کر منتشر ہوتے ہوئے نظر آرہے تھے .... حمزہؓ اُن کے تعاقب میں شیر کی طرح جھپٹ رہے تھے .... علیؑ گرنے والوں اور مقتولوں کو پھاندتا ہوا سامنے والے گروہ میں جا کر گم ہو گیا .... بالکل اسی طرح جس طرح سرِ شام آفتاب لالہ گوں گھرے دھندلکوں میں ڈوب جاتا ہے تاکہ اگلی صبح پیامِ حیات تازہ دے سکے .... علیؑ پیغمبرؐ کے گرد چھائے ہوئے مشرکوں کے بے پناہ ہجوم میں گم ہو چکا تھا .... مگر پیغمبرؐ کی نظریں اپنے جانباز بھائی کی اداؤں سے غافل نہ تھیں۔

حمزہؓ بنی مخزوم اور اُن کے ساتھیوں کے پیچھے قضا کی طرح لگے ہوئے تھے .... وہ اس گروہ کو ہانکتے ہوئے دُور تک لے آئے .... ابوقیس، ابوجہلؒ کی زرہ میں ملبوس بھاگنے والوں کو رُکنے کی تلقین کر رہا تھا۔ لوگ پھر لوٹنے لگے .... ابوجہلؒ دبک کر پرلی طرف نکل گیا۔ حمزہؓ کی پہچان میں آنا موت کو بلانا تھا .... حمزہؓ کی نظریں ابوقیس کی زرہ پر پڑیں .... تو یہ ابوجہلؒ ہے .... اب کہاں جائے گا"؟ حمزہؓ تندی سے لپکے .... سنبھلنے والی سامنے صف منٹوں میں منتشر ہو گئی .... پے در پے اور بے تکان دائیں بائیں واروں نے کئی بہادروں کو شگافتہ کر دیا .... زخموں کو دبائے ہوئے بنی مخزوم منتشر ہو گئے .... ابوقیس کی آواز گلے میں رُک گئی .... حمزہؓ کا راستہ خالی تھا .... دوسرے لمحے ایک بھاری بھرکم تلوار نے کراری آواز پیدا کی۔ "لے اس ضرب کو میں عبدالمطلبؓ کا بیٹا ہوں"۔ حمزہؓ کی آواز بلند ہوئی .... ابوقیس کا سر کئی قاشوں میں بٹ چکا تھا .... ابوجہلؒ ایک جھرجھری لے کر اور پرے سرک گیا .... بنو مخزوم تتر بتر ہو چکے تھے۔ .... حمزہؓ .... بوڑھا حمزہؓ .... ایمان کی حرارت سے بھرپور اور جوان خون لئے تیزی سے واپس پلٹا .... اس کی تیز عقابی نظروں نے ایک گہرا جائزہ لیا .... وہ اپنے دست و بازو اور محاربات کے ساتھی علیؑ کو دیکھ رہا تھا .... علیؑ نظر نہ آرہا تھا .... پیغمبرؐ کے گرد محاصرہ ابھی تک قائم تھا .... حمزہؓ نے محاصرین کے سرگرم اور جتھہ دار لیڈروں کو تاڑا .... ایک ایک تندجوان کے پیچھے ایک ایک ٹولی یا جتھہ لڑ رہا تھا .... حمزہؓ نے فیصلہ کیا جتھوں سے اُلجھنا بیکار ہے .... وقت اور طاقت دونوں کا بے جا مصرف اور بے جا کشت و خون ہے .... ایک ایک ٹولی کا سرغنہ مار دو .... پوری ٹولی بیکار ہو جائے گی .... وہ سفید گھوڑے والا زرہ پوش .... اور مرصع زین والا نیزہ بردار .... اور زنگین کمر پیٹی

والا شمشیر زن .... حمزہؓ نے سرغنے مار لئے .... دفعتاً اس کی نگاہ پڑی .... پیغمبرؐ
کے عریش کے گرد اگرد سفید پٹکے کے سربند والا میانہ قد دلا اور اسی طرح رُک رُک کر سرغنوں کو تاڑتا
اور پھر جھپٹ کر حملہ کرتا .... لیڈر کی لاش گرتی اور پوری ٹولی اپنے لیڈر کو روندتی ہوئی بھاگ جاتی
.... علیؑ کے لڑنے کا یہ مخصوص انداز تھا .... وہ عوام کے ساتھ مدافعانہ جنگ لڑتا حتی الامکان
ان کی جان سے دریغ کرتا .... صرف وار روکتا یا بھگانے کے لئے زخم دیتا .... مگر سرغنے کو
گہری صفوں میں بھی تلاش کرتا اور اس کی شرارت کی جڑ ہمیشہ کے لئے کاٹ دیتا .... حمزہؓ نے پھر
جائزہ لیا .... علیؑ بیقرار نظر آرہا تھا .... وہ تند نظروں سے دائیں بائیں دیکھتا ....
قریش کے صف بند .... بھڑکانے والے اور سرِ لشکر نمودار وں کو تاڑتا اور پھر صفوں کو چیرتا کاٹتا
گرتا گراتا .... زخم دیتا .... زخم لیتا .... دو بدو ہوتا اور مارتا توڑتا منزل مقصود تک
پہنچتا اور پھر تلواروں کی بے پناہ جھنکار .... زخمیوں کی چیخ پکار .... تیروں اور برچھیوں
کا ہلاکت آفریں سیلاب .... تیروں کی بیدل کرنے والی بوچھاڑ .... کچھ بھی اس کا راستہ
نہ روک سکتا .... اس ہنگامِ محشر میں یکایک شیر کی دھاڑ کی طرح اس کا نعرۂ تکبیر گونجتا
اور پیغمبرؐ کی پُر اشتیاق نظریں اپنے بھائی کا سراغ پا لیتیں .... دہشت سے جھتے تھمتے ....
رُکتے .... سٹپٹاتے .... متذبذب ہوتے .... پلٹتے اور بھاگ جاتے .... حمزہؓ
بھی انہی گہری صفوں میں ڈوب چکے تھے .... پیغمبرؐ کے قلب و جگر باہم مل چکے تھے
اب قریش ان کی لاشوں کو پامال کئے بغیر عریش پیغمبرؐ کے گرد کی ہوا بھی نہ سونگھ سکتے تھے ....
عریش پیغمبرؐ اور قریش کی گھنی صفوں کا درمیانی فاصلہ سرگردہوں اور سرغنوں کی لاشوں سے پٹ گیا تھا۔

منظم گروہ کا زور ٹوٹنے لگا .... سرغنے ہوشیار ہو گئے .... اب وہ سرِ لشکر نہیں
بلکہ پس لشکر رہ کر ابھارتے اور راہ نمائی کرتے .... علیؑ اور حمزہؓ اس صورت حال سے نمٹنے
کے لئے بھی تیار تھے .... علیؓ نے بائیں طرف کی صفوں کے گرد لمبا چکر لیا .... ایک
ہوشیار سرغنہ علیؑ کی تلوار کو اپنے سر کی ترغیب دے رہا تھا .... یہاں میدان کارزار کا ماحول
جنگامہ تھا .... اکثر لوگ تماشائی تھے .... کچھ تکان اتارنے والے .... کچھ پانی
پینے والے .... کچھ رسد گاہوں کو لوٹنے والے اور کچھ دور سے جوش دلانے والے ....
ہوشیار سرغنہ تعاقب میں آتی ہوئی موت کو دیکھ کر ڈر گیا .... وہ پیچھے کھسکنے لگا ....
اس کی راہ سے اس کا دوست عبیدہ بن سعید بن العاص گھوڑے پر سوار نکلا .... زرہ میں ملبوس
تلوار نیام میں لئے ہوئے .... اس کی گود میں ایک چھوٹی سی زرد زرد مگر پیاری بچی تھی....

بچی کا پیٹ غذا بؐ تلی کے بڑھنے سے پھولا ہوا تھا . . . . علیؑ کی نگاہ پڑی . . . . عبیدہ خطرے کو بھانپ گیا . . . . مگر علیؑ کے سینے میں ایک رحم بھرا دل دھڑک رہا تھا۔ عبیدہ نے جنگ سے بریت کا اعلان کیا . . . . انا ابو ذات الکرشؑ . . . . انا ابو ذات الکرش میں چھوٹے بچوں کا باپ ہوں . . . . میں چھوٹے بچوں کا باپ ہوں . . . . گویا وہ زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ میں عیال دار ہوں . . . . عباس ابن عبدالمطلب کی طرح مارا باندھا آیا ہوں . . . . چھوٹے چھوٹے بچوں والا ہوں . . . . کوئی اور میرے بعد ان کی خبرگیری کرنے والا نہیں . . . . دیکھ لوٹنے کی نیت والے بیمار بچیوں کو ان ہولناک مقامات پر نہیں لاتے . . . . میرے بیمار اور محبت کرنے والے بچوں کی خاطر مجھ پر رحم کرو . . . . علیؑ انسان کی مجبوریوں کو دیکھ کر غمناک ہوگیا . . . . لوگ طعنوں . . . . دشنام طرازیوں اور سماج کے تقاضوں سے مجبور ہو کر وہ کچھ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں . . . . جو وہ چاہتے نہیں . . . . علیؑ نے عبیدہ کو راہ دے دی اور اپنے دشمن کی تلاش میں سرگرداں ہوگیا . . . . مگر عبیدہ کو اور کوئی علیؑ نہ مل سکا۔ زبیر بن العوامؓ نے تاک کر آنکھ میں برچھی ماری . . . . انا ابو ذات الکرش کی آواز نے رحم کا کوئی جذبہ بیدار نہ کیا . . . . عبیدہ کے ایک ہاتھ میں بچی اور دوسرے میں گھوڑے کی لگام تھی . . . . وہ برچھی کا وار سپر سے بھی روک نہ سکا . . . . بچی سر کے بل گری اور گھوڑے کے سموں تلے کچلی گئی . . . . زبیرؓ آنکھ کے حلقے سے اس کے سر پر پاؤں رکھ کر برچھی کھینچ رہے تھے . . . . علیؑ نے خشمگیں نظروں سے یہ نظارہ دیکھا . . . . لوگ جنگ میں سب کچھ جائز کر لیتے ہیں . . . . اصولِ جنگ بہت مشکل ہے . . . . لوگ مارنے والوں اور مرنے والوں کا شمار کرتے ہیں . . . . یہ نہیں دیکھتے کیوں۔ کب اور کس اصول کے ساتھ مارا" . . . .

علیؑ چکر کاٹ کر بنی مخزوم کے پاس پہنچ گئے . . . . ابوجہل کی زرہ ایک اور جسم پر چمک رہی تھی . . . . یہ ابوجہل ابھی زندہ ہے . . . . نہ جانے قریش کتنے ابوجہل ساتھ لائے ہیں . . . . بہرحال ہمارا فرض ابوجہلوں سے زمین کو پاک کرنا ہے . . . . زبیرؓ عبیدہ کی زرہ اتار رہے تھے اور کچلی ہوئی بچی دم نزع امید و بیم سے مرے ہوئے باپ کی طرف دیکھ رہی تھی . . . . علیؑ نے زرہ پوش پر حملہ کیا . . . . چند اور جسم زخمی ہوئے . . . . چند حمائتی قتل ہوئے . . . . اور زرہ پوش کا سر فرار ہونے والے گھوڑے کے ٹاپوں میں لڑھک گیا . . . . یہ ابوجہل بھی مارا گیا۔ اب کون ابوجہل کی زرہ پہنے گا . . . . بنو مخزوم ابوجہل کے نام سے بھی بدکنے لگے . . . . جہاں

سلہ واقدی

ابوجہل ہوگا وہاں حمزہؓ و علیؓ کی یورش بار بار اور بے پناہ ہوگی ۔۔۔۔ ابوجہل اگر بچ سکتا ہے تو صرف روپوش ہو کر رہ نہیں ۔۔۔۔ اور روپوش ابوجہل بے ضرر ہے ۔۔۔۔ مقصد ابوجہل کو مارنا نہیں بے ضرر بنانا ہے ۔۔۔۔ ابوجہل اسلام کا اتنا دشمن نہیں جتنا وہ ضرر ہے جو دوسروں کو انگیخت کر کے وہ پہنچا سکتا ہے ۔۔۔۔ مجمع عام میں انگیخت نہ دے تو اسے بھی ابوسفیان کی طرح امان مل سکتی ہے ۔۔۔۔ ابوجہل چھپ رہا تھا۔ اس کا ڈنک بار بار کے حملوں نے نکال دیا تھا ۔۔۔۔ وہ آواز بھی بلند نہ کرتا تھا کہ حمزہؓ و علیؓ کو اس کا سراغ نہ مل جائے ۔۔۔۔ بنو مخزوم اور قریش کی گہری صفیں بھی اس کی زرہ سے ضرر کو دور نہ رکھ سکی تھیں ۔۔۔۔ دبی آواز سے اس نے لمبے اونچے اور قوی ہیکل خالد بن الاعلم کو یہی زرہ پہننے کی درخواست کی ۔۔۔۔ مگر خالد علیؓ و حمزہؓ کی تلواروں سے لکھے ہوئے اصول کو پڑھ چکا تھا ۔۔۔۔ ابوجہل کی نسبت کا نام موت تھا ۔۔۔۔ اور جو جسم اس نسبت کو قبول کرتا تھا اس کا حشر بدر کی ریت پر خون کے بے ترتیب چھینٹوں سے منقش تھا ۔۔۔۔ خالد نے ڈانٹ کر انکار کر دیا ۔۔۔۔ اب لات و ہبل کی پسندیدہ اور متبرک زرہ گھوڑوں کے سموں تلے روندی جا رہی تھی۔ ابوجہل بے مرکز ہو چکا تھا ۔۔۔۔ بنو مخزوم بکھر چکے تھے یا زخمی قتل ہو چکے تھے لے دے کے اس کا بیٹا عکرمہ اور چند اور لوگ رہ گئے تھے ۔۔۔۔ لڑائی بے نظم تھی ۔۔۔۔ قضیہ مرتب تھا ۔۔۔۔ اور ابوجہل کی خوف نے زبان بندی کر دی تھی ۔۔۔۔ بیشتر سرغنے قتل ہو چکے تھے ۔۔۔۔ باقیوں کی تلاش علیؓ و حمزہؓ آزادانہ قریش کے لشکر میں پھر پھر کر رہے تھے ۔۔۔۔ قریش قیادت کے لئے ابوجہل کی طرف دیکھتے تھے ۔ ابوجہل ہر امتیازی نشان سے دستبردار ہو چکا تھا ۔۔۔۔ وہ بھاگنے کی راہیں دیکھ رہا تھا ۔۔۔۔ صرف چند ساتھیوں کی ضرورت تھی ۔۔۔۔ منہ چھپاتا ابوجہل قریش کو نظر نہ آیا ۔۔۔۔ سب کو یہی خیال ہوا کہ قضا نے اسے بھی [illegible] ۔۔۔۔ اور پھر بار بار اس کی زرہ زمین بوس ہو کر یہی پیغام تو دیتی تھی ۔۔۔۔ قریش بے ترتیب ہو رہے تھے ۔۔۔۔ ان کی صفیں منتشر اور بغیر لیڈر کے تھیں ۔۔۔۔

وقت قیمتی تھا ۔۔۔۔ مسلمانوں کے لئے موت و حیات کی کشمکش تھی۔ قریش تین گنا تھے ۔۔۔۔ علیؓ و حمزہؓ کے حملوں نے اگرچہ سرغنوں کو مٹا دیا تھا۔ مگر تعداد کی کثرت تو نہ مٹ سکی تھی وہ اب بھی تین گنا تھے ۔۔۔۔ اگر اب بھی وہ جم جاتے تو مسلمانوں کا حشر خدا معلوم ۔۔۔۔ علیؓ و حمزہؓ کو موقع کی نزاکت کا پورا پورا پاس تھا ۔۔۔۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا ۔۔۔۔ وہ ایک ایک لمحے سے فائدہ اٹھا رہے تھے ۔۔۔۔ علیؓ اور حمزہؓ علمبرداروں اور سرغنوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔

قتلِ عوام کا فائدہ نہ تھا۔ کیونکہ یہ چیز اُن کی کثرت پر اثر انداز نہ ہوتی ۔۔۔ ذرا ایک ٹیلہ
ریت پر ایک تیز دست سردار گھوڑے پر سوار سعد بن خثیمہ کے درپے تھا ۔۔۔ علیؑ دوڑتے
ہوئے اُدھر گئے ۔۔۔ مگر ان کے پہنچنے سے پہلے ہی زرہ پوش سوار کا ایک وار سعد کو قیدِ عناصر
سے آزاد کر چکا تھا ۔۔۔ علیؑ کو دیکھ کر وہ گھوڑے سے اُترا ۔۔۔ علیؑ کی نظروں نے اس
کا جائزہ لیا ۔۔۔ لمبا تڑنگا اور شہزور ۔۔۔ وہ پکارا ۔۔۔ "اے علیؑ آ جنگ
کریں" ۔۔۔ علیؑ کو سب مشرک پہچانتے تھے ۔۔۔ وہ بھی جانتا تھا۔ کہ علیؑ ٹلنے والا نہیں
کیوں نہ اپنی بات رکھی جائے؟ علیؑ ٹیلے پر چڑھنے لگا ۔۔۔ مگر زمین ناہموار اور نرم تھی
۔۔۔ علیؑ ہموار زمین پر بڑھ آیا ۔۔۔ زرہ پوش دیو زاد نے بڑھ کر پوری قوت سے حملہ
کیا ۔۔۔ اُس کی چمکتی تلوار سنسناتی ہوئی آئی ۔۔۔ علیؑ نے سپر پر روکا۔ تلوار نے سپر
پر گہرا گھاؤ دے دیا ۔۔۔ اب علیؑ کی باری تھی ۔۔۔ اُس کی وہی پُرانی تلوار فضا
میں لہرائی اور دوسرے لمحے زرہ کے دُہرے کڑوں ۔۔۔ زنجیروں اور جوڑوں کو کاٹتی
ہوئی شانے میں ڈوب گئی ۔۔۔ دیو زاد زرہ پوش تھرا گیا ۔۔۔ وہ نشۂ مرگ میں
جھوم ہی رہا تھا کہ علیؑ دفعتاً جھک گیا ۔۔۔ اس کے گھٹنے خم ہوئے اور وہ بیٹھ گیا۔ علیؑ
کے سر پر سے ایک چمکتی تلوار سرسراتی ہوئی آئی ۔۔۔ "لے اس ضرب کو کہ میں ابنِ
عبدالمطلب ہوں" ۔۔۔ علیؑ نے تلوار کی زد میں دیکھا ۔۔۔ مشرک کا شانہ تو کٹ ہی
چکا تھا اب کاسۂ سر بھی خود دو ٹکڑے ہو کر اُڑ چکا تھا۔ ۔۔۔
۔۔۔ علیؑ نے مڑ کر دیکھا ۔۔۔ حمزہؓ مسکرا رہے تھے ۔۔۔ حمزہؓ کی نگاہیں
کہہ رہی تھیں ۔۔۔ قریش کے سب بانکے ختم ہو گئے۔ میں نے سوچا آخری جنگ میں بھی حصہ
بٹالوں ۔۔۔ حمزہؓ کی نگاہیں علیؑ کے اس وصف سے متعجب تھیں۔ جس کے باعث اس
نے پیچھے سے آنے والے وار کا بھی بغیر دیکھے سدِّباب کر لیا تھا ۔۔۔ یہ علیؑ کی عجیب و غریب
حِس تھی ۔۔۔ گویا وہ کاسۂ سر کے پیچھے بھی آنکھیں رکھتا تھا ۔۔۔ شاید یہی وجہ تھی
کہ مشرک باوجود کوشش کے اس پر پیچھے سے وار نہ کر سکتے تھے اور شاید یہی وجہ تھی کہ علیؑ
بھی کہا کرتا کہ خدا مجھے باقی نہ رکھے جس دن میں پیچھے سے حملہ کرنے والوں کو زندہ رہنے دوں۔
حمزہؓ نے علیؑ کو آزما لیا تھا ۔۔۔ اس کا برادر زادہ عجیب صفات کا مالک تھا۔ اگر یہ
فطرتاً تھیں تو وہ خاص انعام یافتہ تھا۔ اور اگر کسبی تھیں تو یہ اُس کا کمالِ خاص تھا ۔۔۔

سند واقدی

جس میں کوئی دوسرا شریک نہ تھا۔

علیؓ اور حمزہؓ اکٹھے مڑے .... مشرکوں کا ایک گروہ قریب ہی جا رہا تھا .... اس مشہور اور عجیب جوڑی کو دیکھتے ہی وہ گروہ منتشر ہو کر بھاگ گیا .... علیؓ و حمزہؓ نے ادھر سوگز پرے نگاہ دوڑائی۔ مشرکوں کا ایک بڑا گروہ پیغمبرؐ کی طرف لپک رہا تھا .... پیغمبرؐ کے کئی لڑنے والے ساتھی اب مالِ غنیمت جمع کر رہے تھے .... علیؓ اور حمزہؓ لپکے چلے آئے .... ابو دجانہؓ ایک کونے میں عاصم بن ابی عوف کی لاش پر بیٹھا۔ اس کا سلاح اور زرہ بکتر کھینچ کھینچ اتار رہا تھا۔ علیؓ کے تیور بگڑ گئے۔ تو یہ لوگ پیغمبرؐ کی نسبت مالِ غنیمت زیادہ عزیز رکھتے ہیں .... وقت تنگ تھا۔ کیونکہ مشرک ادھر امنڈے چلے آتے تھے .... ابو دجانہ دنیا و مافیہا سے بے خبر قیمتی زرہ گھسیٹ رہا تھا .... اگر ہم لوگ بھی ان کی مانند ہوتے تو آج کیا ہوتا؟ علیؓ کے ذہن میں خیال چمکا اور دوسرے لمحے وہ مشرکوں کی گہری اور گھنی صفوں میں ڈوب چکا تھا .... عمرؓ نے ابو دجانہ کو کہا کہ یہ کام بعد کو کر لینا .... میں تمہارے مال کا گواہ ہوں گا مگر ابو دجانہ نشیب و فراز کو سوچ بھی نہ سکا .... بھلا معاوضہ کیسے چھوڑ دیا جاتا .... معبد بن وہب چمکدار تلوار لے کر لپکتا چلا آیا .... عمرؓ نے موقع سے ہٹ جانا مناسب سمجھا .... اور دُور پہلی طرف چلا گیا .... معبد کی تلوار ابو دجانہ کے شانے پر لگی .... ابو دجانہ گر پڑا .... معبد آگے بڑھ لیا .... مگر ابو دجانہ پھر اُٹھ بیٹھا اور معبد کا تعاقب کر کے کئی وار کئے .... مگر کوئی بھی کارگر نہ ہوا .... یہ علیؓ کا وار نہ تھا۔ کہ ایک کے بعد دوسرے کی ضرورت نہ پڑتی .... معبد مال کے شائق کی بے بسی پر مسکرایا .... ابو دجانہ اب بھی وار کر رہا تھا .... معبد پیچھے ہٹا مگر پاؤں پھسل گیا اور وہ ایک گڑھے میں جا گرا .... ابو دجانہ نے حریف کو کوئی موقع نہ دیا .... اس نے اس پھسلنے کو غنیمت جانا .... جنگ میں کیوں اصول پوچھے جاتیں؟ معبد سنبھلا بھی نہ تھا کہ ابو دجانہ کی تلوار اس کی شہ رگ پر پھر گئی .... حریف کی بے بسی اور حادثے سے فوری فائدہ اٹھایا گیا .... ابو دجانہ کو اب بھی سبق یاد نہ ہوا .... وہ گڑھے میں ہی بیٹھ کر معبد کی لاش سے زرہ اور ہتھیار اُتارنے لگا .... گویا کہ غنیمت اور جہاد ایک ہی جسم کے دو بازو ہیں جن کا بیک وقت کام کرنا ضروری ہے .... اسلام کا یہ بہادر کتنا قیمتی وقت اتنے گھٹیا کام میں ضائع کر رہا تھا .... مشرکین نے ان کا یہ کام دیکھ کر کیا تاثر لیا ہوگا .... مال کی محبت بھی کتنی عجیب شے ہے .... علیؓ کے تیور بیجا طور پر بگڑے تھے ....

شہ واقدی

ابوجہل کے پاس اس کا بیٹا عکرمہ رہ گیا تھا . . . اور یہ دونوں آہستہ آہستہ سرک کر پیچھے کی
طرف جا رہے تھے . . . . بنی مخزوم کی جمعیت پریشان ہو چکی تھی . . . . قریش کی صفیں بکھر کر
چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بن چکی تھیں . . . . اور محض مدافعانہ جنگ لڑ رہی تھیں . . . . اکّا دکّا لوگ
میدان کے کناروں سے فرار ہو رہے تھے . . . . زخم خوردہ جنگ آزماؤں کی اکثریت فرار ہو چکی
تھی . . . . ابوجہل کا قرب بہادروں کے لئے پیامِ موت تھا . . . . معاذ و معوذ دیر سے
موقع کی تاک میں تھے . . . . عکرمہ ذرا پرے ہٹا تو دونوں نے لپک کر حملہ کیا . . . . معاذ
کی تلوار ابوجہل کے پاؤں کو کاٹ لے گئی . . . . معوذ کا وار شانے پر پڑا . . . . عکرمہ نے
ابوجہل کی آواز سنی . . . . لپکتا ہوا آیا . . . . معاذ فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا . .
. . عکرمہ کا وار بازو پر پڑا اور دایاں بازو کٹ گیا . . . . معاذ نے دور آ کر لٹکتے ہوئے
بازو کا تسمہ پاؤں تلے دبا کر توڑا . . . . ابوجہل لنگڑاتا ہوا گر پڑا . . . . خون بُری
طرح جاری تھا . . . . راز فاش ہو چکا تھا . . . . روپوش ابوجہل کا پتہ چل چکا تھا . .
. . عکرمہ نے باپ کے قریب رہنا خطرے سے خالی نہ سمجھا . . . . علیؓ اور حمزہؓ میدان کا طوفانی
دورہ کرتے ہوئے اِدھر آ رہے تھے . . . . عکرمہ بھاگ کر پچھلی صفوں میں چلا گیا . کسی نے بھی
آگے آنے کی جرأت نہ کی . . . . مسلمانوں کی اکثریت اسی بات پر قانع تھی کہ مشرک ان سے
نہ الجھیں اور وہ مشرکوں سے نہ الجھیں . حملے کا آغاز متکبر قریش نے کیا تھا . . . . اب
پسپائی کا آغاز بھی وہ ہی کر رہے تھے . . . . مگر تعاقب کرنے والے مسلمانوں کا گروہ چھوٹا
سا تھا . اکثریت عریش پیغمبرؐ کے گرد منڈلا رہی تھی . . . . اور عذر محض یہ تھا کہ ہم پیغمبرؐ
کی حفاظت کر رہے ہیں . . . . درحقیقت اکثریت تماشائیوں کی تھی . . . . یہ جنگ محض
چند افرادِ صالح کے کارہائے نمایاں کا نتیجہ تھی یا جنود ملائکہ کے اس لشکر کا جس کا وعدہ
کیا گیا تھا . پیغمبرؐ کو عریش کے قریب کوئی خطرہ نہ تھا . . . . ان کی پشت کی طرف مدینہ تھا .
کیا قریش مدینہ سے چڑھ دوڑتے . . . . تعاقب کرنے والوں کے بعد ایک اور گروہ تھا
. . . یہ لوگ نعشوں سے سلاح و ہتھیار گھسیٹتے پھرتے تھے . . . . کوئی اونٹوں کا تعاقب
کر کے نکیل کی رسیاں قابو کر رہا تھا اور کوئی بے سوار گھوڑے کے پیچھے دوڑ رہا تھا . . . .
میدان میں بکھری ہوئی گری پڑی چیزیں سنبھالی جا رہی تھیں . . . . صرف فی سبیل اللہ
لڑنے والوں کی تعداد بہت کم تھی . . . . باطن کا حال تو پیغمبرؐ کا خدا ہی جانتا ہے . البتہ
ظاہر بہت ملوث ہو رہا تھا . . . . پورا ایک گروہ سامانِ دنیا اور وہ بھی حقیر قیمت
پر لوٹ رہا تھا . . . . علیؓ اور حمزہؓ نے کڑے تیوروں سے ان لوگوں کو اور عریش کے گرد

کھڑے ہونے والوں کو دیکھا اور پھر زخمی مسلمانوں کی تلاش شروع کر دی ۰۰۰۰ چودہ[۱۴] لاشیں برآمد ہوئیں ۰۰۰۰

دُور بھالو کے ٹیلے کے پار اُفق کے ساتھ گرد مل رہی تھی پیغمبرؐ کے گرد آدھے سے زیادہ ساتھیوں کا مجمع تھا۔ دن بھر کے چمکتے آفتاب نے گیلی ریت کو خشک اور بھربھرا کر دیا تھا۔ میدان کے وسط میں ٹیلے کے بائیں اور دائیں طرف سیاہ اور لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ لاشوں کے درمیان اب بھی کچھ لوگ پھر رہے تھے۔ جیسے کوئی گمشدہ شے تلاش کر رہے ہوں۔ اُفق میں اُڑتی گرد کے سائے میں چھوٹے بڑے دھبے محوِ حرکت نظر آ رہے تھے پیغمبرؐ کے بعض ساتھی غور سے اِن دھبوں کو دیکھ رہے تھے۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ یہی دھبے بھاگنے والے اور تعاقب کرنے والے تھے۔ پیغمبرؐ کے دائیں طرف میانہ قامت علیؓ خاموشی سے کھڑا تھا۔ اُس کا خود اور پُرانی تلوار اُس کے بائیں ہاتھ میں تھی۔ دائیں ہاتھ میں بانس کا بنا ہُوا سفید جھنڈا تھا یہی وہ لوا تھا جو پیغمبرؐ جنگ کے موقعوں پر استعمال کرتا تھا۔ علیؓ کے دائیں طرف بوڑھا حمزہؓ اپنے خراش دار ہاتھوں سے پیشانی اور کھچڑی داڑھی میں سے پسینہ نچوڑ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر کئی جگہ چھوٹے بڑے زخموں کے نشان تھے جن میں سے خون کی ننھی ننھی دھاریاں رِس رِس کر شانے اور گردن کی طرف اپنا راستہ بنا رہی تھیں۔ بدر کی گہری مٹیالی ریت اِن دھاریوں پہ جابجا جمی ہوئی تھی۔ پیغمبرؐ کی نظریں رہ رہ کر ان دونوں کے چہروں کا طواف کرنے لگتیں اور پھر محبت۔ ہمدردی اور تحسین کے جذبات پیغمبرؐ کے چہرے پر نمایاں ہو جاتے۔

علیؓ اپنی سیاہ اور گھنیری پلکوں سے خاموش اُفق کی طرف دیکھ رہا تھا اس کی زرہ جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور آہنی حلقے بُری طرح اُلجھے ہوئے تھے۔ خون کے چھوٹے بڑے سوتے زرّہ کے ٹوٹے ہوئے مقامات سے رِس رہے تھے۔ اُس کا چہرہ بھی حمزہؓ کی طرح خون خون، داغ داغ، گرد گرد اور زرد زرد تھا۔ ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے خون ضائع ہونے کے بعد نقاہت کے غماز تھے اُس کے ہونٹ خشک تھے لبوں پر پپڑیاں سی جم رہی تھیں۔ آنکھیں تازہ دم تھیں اور اُن میں اُس کی مخصوص بلا کی چمک قائم تھی۔ اُس کے بازو زخمی ہونے کے باوجود اُسی طرح تنے ہوئے تھے جس طرح ولید کے مقابلے پر جانے سے پہلے تھے۔ پیغمبرؐ کے بائیں طرف صفوں سے ذرا پرے ادھیڑ عمر عمارؓ بن یاسر ریت پر لیٹا ستا رہا تھا۔ صفوں کے کنارے کنارے ابو دجانہؓ سلاحِ جنگ اور زرہوں کا بڑا سا ڈھیر سمیٹ رہا تھا۔ اُس کے قریب ہی عبدالرحمٰن بن عوف لنگڑاتا ہُوا عمرؓ کی طرف جا رہا تھا۔ عبدالرحمٰن کی ٹانگ پر بڑی سی میلی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ یہ وہ زخم تھا جو اُمیہ اور اُس کے بیٹے کو بچاتے ہوئے انصار نے اُسے لگا دیا تھا۔

صفوں کی پچھلی طرف سیاہ رنگ بلالؓ مٹی کے بڑے سے برتن میں آٹا گوندھ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ کہنیوں تک آٹے سے لتھڑے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ پیغمبرؐ سے مالِ غنیمت کے متعلق سوال جواب کر رہے تھے۔

لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹے ہوئے گزشتہ جنگ پر تبصرہ کر رہے تھے اور اُن میں سے بعض قریش کی آئندہ پالیسی کے متعلق خیال آرائی کر رہے تھے۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں کئی لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے اپنی جراحتوں پر مرہم پٹی کروا رہے تھے۔ مگر علیؓ اور حمزہؓ اسی بے نیازی سے بالکل خاموش کھڑے تھے۔ علیؓ کی تلوار کا نیام موجود نہیں تھا شاید وہ بدر کے ہنگامے میں کہیں گر گیا یا ٹوٹ گیا۔ اُس کی تلوار لہو سے کچھ کر مڑ گئی تھی اور اب تلوار کم اور لوہے کی سلاخ زیادہ معلوم ہو رہی تھی۔ تلوار کی نوک ٹوٹ چکی تھی اور جا بجا اُس کی مڑی تڑی دھار میں گہرے دندانے پڑ گئے تھے۔ تلوار کا قبضہ بھی اپنی گرفت سے ڈھیلا ہو چکا تھا۔ نہ جانے علیؓ نے اس تلوار سے کیسے کام لیا اور بدر کے ہنگامے میں اس کو بدلنے کی ضرورت کیوں نہ محسوس کی۔

پیغمبرؐ کے ساتھیوں کی نظریں بھی پیغمبرؐ کی نظر کا تعاقب کرتے ہوئیں سنجیدہ، مطمئن اور دلیر علیؓ پر پڑتیں جو ماحول سے اس طرح لاتعلق کھڑا تھا گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ پیغمبرؐ کے اکثر ساتھی اپنی اپنی لڑائی کی روداد اور کارگزاری کی تفصیلات ایک دوسرے کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہے تھے۔ مگر اُن کے برعکس علیؓ غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھے اُس نے اُن لوگوں کی طرف بھی کان نہ دیا جو کہ اُس کی شمشیر زنی پر تعریف کے پل باندھ رہے تھے جیسے وہ اُن کی توصیف گذاری سے بے نیاز تھے۔ اُس نے پیغمبرؐ سے کسی قسم کا سوال و جواب نہیں کیا۔ یا تو وہ سوال و جواب کو گستاخی اور حدِ ادب سے تجاوز سمجھتا تھا اور یا وہ پیغمبرؐ کے ضمیر کو اتنا پہچانتا تھا۔ کہ سوال وجواب کی ضرورت محسوس ہی نہ ہوئی تھی۔ اُس کے تنے بازو اور کڑے تیور اُس کی جسم کی خستگی کے باوجود بتا رہے تھے کہ وہ ہر نئی آفت اور معرکے کے لئے تیار ہے۔

اُفق سے پرے اکا دکا دھبے اس طرف نمایاں ہونے لگے۔ پیغمبرؐ کے اکثر ساتھی پُراشتیاق نظروں سے اُن دھبوں کا نظارہ کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں اِن دھبوں نے لدے پھندے تعاقب گزاروں کی صورت اختیار کر لی۔ لوگ بھاگنے والے قیدیوں کو گردن۔ ہاتھوں اور کمر میں رسیاں اور پٹکے باندھ کر لا رہے تھے۔ سب قیدیوں کے ہتھیار لے لئے گئے تھے۔ اور انہیں تلوار کی نوکوں اور نیزے کی انیوں سے ہانک کر ایک طرف بٹھایا جا رہا تھا۔ اکثر لوگ بڑی بے صبری سے اپنے قیدیوں کی تلاشی لے رہے تھے اور کھینچ کھینچ کر اُن کے زرہ بکتر اور ملبوس اُتار رہے تھے۔ ایک دو

شخصوں نے جلدی جلدی اپنے پرانے جوتوں کا تبادلہ قیدیوں کے نئے جوتوں سے کر لیا تھا۔ کئی لوگ چھوٹی موٹی قیمتی چیزیں اپنی پرانی اور کم قیمت چیزوں سے بدل رہے تھے۔ چند ایک چہرے ایسے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں لوٹ کی کوئی نہ کوئی چیز تھی اور اُن کی تشویش ظاہر کر رہی تھی کہ وہ انہیں کہیں چھپانا چاہتے ہیں۔ ایک غیر شنجان پتلی پتلی ڈاڑھی والا صحابیؓ کنکھیوں سے پیغمبرؐ اور اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھتا جاتا اور ساتھ ہی ساتھ بغل میں ایک سُرخ چادر کو سمیٹتا جاتا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ پیشاب کے بہانے صفوں کے پرلی طرف ویران جھاڑیوں کے پاس چلا گیا۔ جب واپس آیا تو دو تین باتشویش چہروں نے اُس کا جائزہ لیا۔ چادر کی غیر موجودگی نے اُن کے چہروں پر حسد کے جذبات پیدا کر دیئے۔ اُن کے چہرے اُس دبی دبی کیفیت کا اظہار کرنے لگے جو کسی کو بلا شرکتِ غیرے کسی نفع سے بہرہ یاب ہوتا نہیں دیکھ سکتے ——— لاشوں میں اب بھی کچھ لوگ پھر رہے تھے اور اُن کی کرم فرمائی سے قریباً تمام لاشیں برہنہ ہو چکی تھیں۔ علیؑ نے ایک خشمناک نگاہ تعاقب سے لوٹنے والوں پر برسائی۔ اُس کی نظریں زبانِ حال سے کہہ رہی تھیں کہ یہ کام غیر ضروری اور ناقابلِ قدر ہے۔ اُس کے چہرے کے غضب آلودہ آثار بتا رہے تھے کہ اصولی طور پر وہ تعاقب کو سفلہ پن خیال کرتا تھا۔ معاً علیؑ کی یہی تیز نظریں سامنے سے آتے ہوئے لمبے، دبلے اور غیر متوازن چال والے عبداللہؓ بن مسعود پر پڑیں۔ عبداللہؓ کندھے پر ایک لمبی زرہ ڈالے ہوئے تھا۔ اُس کے دائیں ہاتھ میں ایک خود اور دو تلواریں اور کچھ اور اسلحہ پکڑا ہوا تھا۔ بائیں ہاتھ میں ایک کٹا ہوا سر بالوں سے پکڑ کر لا رہا تھا۔ سر کی ہوا سے ہلتی لمبی ڈاڑھی۔ بڑی بڑی مونچھیں۔ لمبی گردن اور چوڑی اونچی پیشانی اُس کے باحیثیت ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔ عبداللہؓ نے علیؑ کی تیز نظروں کی طرف دیکھا اور گھبرا کر ٹھٹک سا گیا دوسرے لمحہ وہ ابوجہل لعنہ کا سر فخر کے ساتھ پیغمبرؐ کے سامنے پیش کر رہا تھا۔

(باقی آئندہ شمارہ میں)

جناب زینبؑ اور منازل جہاد

(از سید محمد یحییٰ علی شاہ صاحب نقوی البخاری نائب صدر ادارہ معارف اسلام)

(آخری قسط)

تو بس یہ سننا تھا کہ دختر امیر المومنینؑ نے آنکھوں سے آنسو پونچھے گریہ کو ضبط کیا اور اونٹ پر ذرا سنبھل کر بیٹھ گئیں اور اس شیطانی ماحول پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ اور اشارہ انگشت سے خاموش ہونے کا حکم دیا اسی انداز سے جس انداز سے صبح عاشور دشمن کی فوج کے سامنے آخری خطبہ پڑھنے کے لئے بھائی نے فوج کو خاموش ہونے کا حکم دیا تھا وہ اس طرح کہ امامؑ نے عمر سعد سے فرمایا کہ شور و غل کو روک دے مجھے کچھ تجھ سے کہنا ہے اس نے فوج کو خاموش رہنے کا حکم دے دیا آواز طبل بند ہو گئی۔ امامؑ نے فرمایا ان اونٹوں اور گھوڑوں کو بھی روک دے کہ یہ شور نہ مچائیں۔ تو اس نے عرض کی فرزند رسولؐ میری حکومت ان جانوروں پر نہیں ہے۔ تو امامؑ نے اشارہ انگشت سے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ جانور خاموش ہو گئے۔ وہ امامؑ کی انگشت کے اشارہ کا اثر تھا آج بہن اسی اشارۂ انگشت سے اس شیطانی ماحول کو خاموشی کا حکم دے رہی ہے۔ خدا کی قسم وہی اثر ہوا کہ اس شیطانی ماحول میں کامل سناٹا چھا گیا۔ جانور تک خاموش ہو گئے۔ اگر اس اشارۂ انگشت میں معجزہ کا اثر نہ ہوتا تو اس ماحول میں ایک غریب اور بیکس عورت کی نحیف و زار آواز کیا اثر پیدا کر سکتی تھی شہزادی نے مجمع کو مخاطب کیا اور باندازِ عصمت بشانِ امیر المومنینؑ خطبہ ارشاد فرمایا۔

"ایہا الناس جو نہیں جانتا وہ جان لے جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں پیغمبرؐ اسلام کی نواسی ہوں۔ تمہارے خلیفہ امیر المومنینؑ علیؑ کی بیٹی ہوں۔ میری ماں سردار زنانِ عالم ہیں۔ میرے بھائیؑ سردار جوانانِ جنت ہیں۔ میں اس حسینؑ کی بہن ہوں جن کو ہزاروں خطوط لکھ کر تم نے بلایا تھا۔ لیکن جب ہم آئے تو تم نے دغا کی۔ مردوں کو قتل کیا عورتوں کو اسیر کر کے دربدر پھرا رہے ہو۔ تمہارے رسولؐ کے نواسہ کی لاش بے غسل و کفن کربلا کے جلتے ہوئے میدان میں پڑی ہے۔

شہزادی کی طاقت بیان اور کلمۂ حق کی تاثیر تھی کہ بزمِ خوشی مجلسِ غم سے بدل گئی۔ علیؑ کا لب ولہجہ یاد آ گیا۔ در و دیوار کو نرے وا علیا وا محمدا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ لوگ داڑھیں مار مار کر رونے لگے۔ شہزادی نے پھر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور وہ فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جو کتابوں میں یادگار ہے۔ فرمایا :-

"اے اہلِ کوفہ! اے اہلِ مکر و دغا! تم کیا روتے ہو۔ تمہارے آنسوؤں کو رکنا نصیب نہ ہو۔ اور نوحہ و فریاد کی ان آوازوں میں سکون نہ ہونے پائے۔ تمہاری مثال اُس عورت کی سی ہے جو اپنا تاگا مضبوط بٹ کر توڑ ڈالے۔ تم اپنی قسمتوں کو اپنے مکر و فریب کا حیلہ قرار دیتے ہو۔ تم حسد۔ بدی۔ غیبت کے سوا کچھ نہیں رکھتے۔ گویا تم اُس گھاس کی مانند ہو جو گوبر پر اُگی ہو۔ یا اُس چاندی کی شکل ہو جس سے کسی قبر کو سجایا گیا ہو۔ تمہارے نفسوں نے بُرے اعمال پیش کئے۔ جن کے سبب خدا تم پر غضبناک ہے اور تم ہمیشہ عذابِ خدا میں مبتلا رہو گے۔ تم کیا روتے اور نالہ و فریاد کرتے ہو۔ بیشک تم اسی کے مستحق ہو۔ ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔ تمہارے دامنِ عمل پر وہ بدنما داغ ہے جسے تم چھڑا نہیں سکتے۔ اور فرزندِ خاتم الانبیاءؐ کے خون کا دھبہ کیونکر چھڑاؤ گے۔ وہ فرزند جو جوانانِ جنت کا سردار تھا تمہارا جائے پناہ، محلِ امن، تمہارے زخموں کا طبیب، تمہاری ہدایت کے لئے دلیلِ واضح، تمہارا راہ نما۔ خدا تمہیں برباد و ہلاک کرے۔ تم نے رسولِ خدا کے جگر کو چاک کر ڈالا۔ اور اُن کی محترم ذریت کو بے پردہ کر دیا اور کیسی خون ریزی اور بے حرمتی کی۔ کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ آسمان سے خون برسا۔ یہ تو کچھ نہیں۔ آخرت کا عذاب اس سے کہیں شدید ہوگا اور اُس وقت نہ کوئی تمہارا محسن ہوگا نہ مددگار۔ اس چند روزہ مہلت پر مغرور نہ ہو۔ خدا کو جلد بازی کی ضرورت نہیں اس لئے کہ نہ اُس کو موقع کے نکل جانے کا خوف ہے اور نہ جہنم کی عدول حکمی کا اندیشہ۔"

شہزادی یہیں تک کہنے پائی تھیں کہ حالت یہ ہوئی کہ مجمع میں رونے سے کہرام مچ گیا وہ عورتیں جو زرق برق لباس و زیورات پہنے تھیں۔ اُتار اُتار کر پھینکنے لگیں سینکڑوں عورتوں نے اپنے آپ کو کوٹھوں سے گرا کر ہلاک کر لیا۔ ماحول سے متاثر ہو کر شہزادی کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے ——— سر پٹک لیا۔ پیشانی سے خون جاری ہو گیا۔ مجمع میں انقلابی کیفیت رونما ہوئی۔ آثارِ قیامت پیدا ہو چلے۔ سید سجادؑ پھوپھی کے قریب آئے۔ فرمایا۔

"اے پھوپھی اماں۔ انت عالمة غیر معلمة و انت فہیمة غیر مفھمة۔
یعنی اے پھوپھی اماں۔ آپ تو وہ عالمہ ہیں جس کو کسی نے پڑھایا نہیں۔ آپ وہ سب کچھ جانتی ہیں جو کسی نے بتلایا نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتیں کہ آپ کے الفاظ اور آپ کے نالے کیا اثر پیدا کر رہے ہیں۔ اے پھوپھی اماں آپ کی تقریر نے میرے دل کو پاش پاش کر دیا ہے۔ آپ دیکھتی ہیں کہ عرشِ الٰہی ہل رہا ہے۔ ساکنانِ فلک میں کہرام مچا ہوا ہے۔ یہ امامؑ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ کہ جن کا تعلق علمِ امامت سے ہے۔ جب امامؑ نے عالمہ غیر معلمہ کی سند دے دی تو اس کا یہ مطلب ہے کہ شہزادی زمین سے لوحِ محفوظ کا مطالعہ کیا کرتی تھیں شہزادی کی نگاہ حجابوں کو توڑ کر عرشِ الٰہی کو دیکھ رہی ہے۔ جب ہی تو امامؑ فرماتے ہیں کیا آپ نہیں دیکھتیں؟ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ تو خود دیکھ رہی ہیں کہ قیامت کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ شہزادی نے اس کی تصدیق بھی کی کہ ہاں۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ میری ماں بال کھولے ہوئے آسمان پر سر ٹیک رہی ہیں۔ تو میں بیٹا کیوں نہ سر پٹکوں۔ اب معلوم ہوا کہ حسینؑ مظلوم نے بہن کو کیوں منع فرمایا تھا۔ کہ زیادہ آہ۔ نالہ و فریاد نہ کرنا۔ امامؑ حسینؑ زینبؑ کے مرتبہ سے واقف تھے جانتے تھے کہ اس ماں کی بیٹی ہے۔ اور اسی ماں کے کمالات کی حامل ہے جس نے بعد وفاتِ رسولؐ جب مسجدِ نبوی میں بوقت طلبی امیر المومنینؑ بہ اندازِ رسالت خطبہ پڑھا تھا تو در و دیوارِ مدینہ سے وا محمداہ کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں اور جب مصائبِ زمانہ کی فریاد کی تھی تو آثارِ قیامت رونما ہو گئے تھے۔ دریائے قہرِ الٰہی جوش میں آ گیا تھا۔ مگر امیر المومنینؑ نے بازو پکڑ کر معصومہؑ کونین کو ہٹایا تھا کہ سیدہ دیکھو قیامت برپا ہو جائے گی۔ صبر کرو۔ لہٰذا امامؑ نے بہن کو اسی لئے زیادہ نالہ و فریاد آہ و فغاں نہ کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ وہاں امیر المومنینؑ نے آثارِ قیامت ملاحظہ فرما کر سیدۂ عالم کو خاموش کیا تھا۔ یہاں بھتیجے نے جو امامت پر فائز تھا حالاتِ فلک کا شاہد کر کے اپنی پھوپھی ثانیِ زہراؑ سے خاموش رہنے کی استدعا پیش کی اور جب یہ کہا۔ کہ میرا دل پاش پاش ہوا جا رہا ہے تو بھتیجے کی محبت نے جوش مارا۔ اور اپنی تقریر کا سلسلہ ختم کیا۔ یہ ہے کمالات سیدۂ عالم معصومہ کونین فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کا۔ جو بہترین مظاہرہ جو ثانیِ زہراؑ کے ذریعہ منظرِ عام پر آیا جس کی مثال تا قیامت ممکن نہیں۔

بلاغتِ زینبؑ:- آپ معظمہ کے نانا بزرگوار اور پدرِ نامدار کی فصاحت و بلاغت کا سکہ چار دانگ عالم میں رہے گا اور قرآنِ کریم مجموعۂ علم ہے اور آئمہ طاہرینؑ نمونۂ عمل ہیں۔ آپ کا برادرِ والاقدر جناب سید الشہداء علیہ السلام

زینبؑ نے اپنے نسب شریف کو کہ محمدؐ کی نواسی، علیؑ کی بیٹی اور حسنینؑ کی بہن ہیں اپنی بلندیٔ ہمت و شجاعت سے ظاہر کر دیا۔ (ماخوذ از ابوالشہداء ص۲۰ طبع مصر)

فاطمی و علوی دہن سے بلاغت کے کوثر و تسنیم بہہ رہے تھے۔ ان کے بچوں اور عورتوں کی خطابت پر دنیا حیرت سے انگشت بدنداں رہ گئی۔ بشیر بن خذیم اسدی نے جناب زینب صلوات اللہ علیہا کی تقریر پر جو تبصرہ کیا ہے:-

"بخدا میں نے جناب زینبؑ سے زیادہ طلیق اللسان عورت نہیں دیکھی گویا وہ امیرالمومنینؑ کی زبان سے بول رہی تھیں۔" (لہوف ص۳۳)

دربار ابن زیاد میں جب مجبوراً حضرت زینبؑ کو زبان کھولنا پڑی تو ابن زیاد حضرت کی بلاغت سے بوکھلا اٹھا۔ اپنی ناکامی کی شرم دور کرنے کے لیے بکنے لگا۔ یہ بڑی قافیہ باز ہیں۔ زینبؑ تمہارے باپ بھی بڑے قافیہ باز تھے۔ ثانیٔ زہراؑ نے فرمایا۔ بھلا عورت کو قافیہ بندی و شاعری سے کیا تعلق اور میں اس عالم میں ہوں کہ مجھے قافیہ بندی کا ہوش کہاں۔ یہ دل کی آواز تھی جو زبان سے نکل گئی۔ (تاریخ ابن اثیر ۴/۴۲)

جب جناب ام کلثوم کی کوفہ کی تقریر سن کر قبیلہ بنی جعفر کے ایک کہن سال نے آنسو بہاتے ہوئے یہ شعر نہیں پڑھا۔

کھولھم خیر الکھول و نسلھم اذا عُدّ نسل لا یبور ولا یخزی۔ (بلاغات النساء مطبوعہ مصر ص۲۸)	تمہارے ادھیڑ عمر کل ادھیڑ عمر والوں سے بہتر ہیں۔ یہ نسل نہ ہلاک ہو سکتی ہے نہ رسوا ہو سکتی ہے۔

ختم

کا زبانِ حال سے یہ فرمانا سے

ان کان دین محمد لم یستقم
اگر میرے نانا کا دین اس وقت برقرار نہیں رہ سکتا
الا بقتلی یا سیوف خذی
جب تک کہ میرا قتل عمل میں نہ آئے تو اے خون آشام تلوار! آؤ یہ
جسم حاضر ہے۔

آپ کی بہنیں عالمہ غیر معلمہ جناب زینبؑ و ام کلثومؑ نے بازار کوفہ و شام اور دربار ابن زیاد و یزید میں ایسے پُر زور خطبے ارشاد کئے کہ سننے والے یہ کہتے تھے۔ کانما تفرغ عن امیر المومنین "گویا علیؑ کی شمشیر زبان کام کر رہی ہے۔ بازار کوفہ میں جہاں ہزاروں انسانوں کی چیخ پکار، شور و غوغا سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی یہ شریکۃ الحسینؑ ہی کا کام تھا کہ جب اشارہ کر کے آپ نے خاموش ہو جانے کا حکم دیا۔ تمام آوازیں رُک گئیں۔

وقد اومات الی الناس ان اسکتو فارتدت الانفاس وسکنت الاصوات

کسی نے سانس تک نہ لیا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ شہر و بازار نہیں ایک سنسان بیابان ہے۔

اسی خاموشی اور سناٹے کے عالم میں آپ نے فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ الفاظ نہیں بلکہ بجلی شرر بار ہے۔ جو گر گر کر لوگوں کو بے جان بنا رہی ہے۔ لوگ اپنے ہاتھوں سے منہ بند کئے رو رہے تھے۔ حیران و ششدر تھے۔ ادھر آپ نے کلام کو ختم کیا کہ ایک بوڑھے نے بڑھ کر یہ کہا :-

بابی انتم وامی کہولکم خیرا کہول و شبابکم خیر الشباب و نساؤکم خیر النساء و نسلکم خیر النسل لا یخزی ولا یبتزی

اے آلِ محمدؐ میرے ماں باپ فدا ہوں تمہارے بوڑھے بہترین بوڑھے ہیں اور تمہارے جوان بہترین جوان ہیں۔ اور تمہاری عورتیں بہترین زنان ہیں تم کو کوئی ذلیل و رسوا نہیں کر سکتا۔

خطابت پر یہ اقتدار حسینؑ مظلوم نے روزِ عاشور کربلا میں دکھلایا تھا یا اب اُن کی بہن جناب زینبؑ بازار کوفہ میں اسی اقتدار کو دنیا کے سامنے پیش فرما رہی ہیں۔

آفت و مصیبت کے اس دردناک سفر میں جو بڑے بڑے مردوں کی ہمتوں کو پست کر دے جناب

(ذریعۂ معارف کا تعارف)

توحید اور زندہ جاوید
معرفت و عمل

فکرِ مذہب اقبالؔ اور ہم سب

(نتیجۂ فکر محقق لاثانی و مورخ بے بدل ڈاکٹر عسکری بن احمد دام اللہ فیوضہم)

(آخری قسط)

۵۔ حریّت و عبدیّت

:- بندۂ غیر اللہ تحلیل ہو جانے کے بعد انسان مادر پدر آزاد نہیں ہو جاتا۔ بلکہ حدود اللہ کے قیود اور حقوق العباد اللہ کے دائروں میں رہنا پڑتا ہے۔ مکمل تحلیل ناممکن ہے۔ عبدیت کا تقاضا یہی ہے۔ ؎

تا عصائے لا الٰہ داری بدست ہر طلسم خوف را خواہی شکست

جب تک عصائے لا الٰہ ہاتھ میں نہ ہو، طلسم ہوشربا یعنی خوف کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ قوائے مخفیہ اور ملکات خوابیدہ کا نام علامہ اقبال کے ہاں "خودی" ہے۔ اور خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الاّ اللہ ہے۔ ان خوابیدہ قوتوں کو بطریق احسن بیدار و باعمل کرنا عملی توحید کا کام ہے۔ ؎

جہاں کی روحِ رواں لا الٰہ الاّ ھُو
مسیح و شیخ و چلیپا یہ ماجرا کیا ہے

جہاں کی روح رواں اور خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الاّ ھُو ——"ہاں! معرفت و عمل کی جاں —— "بیشک بے گماں"!

جہاں کا سرِ نہاں لا الٰہ الاّ ھُو
زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات

انما ھو اللہ واحد —— یگانہ و یکتا معبود تو وہی اللہ ہی ہے۔ روحِ ایمان ھو اللہ واحد ہی ہے۔

ہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو ترے دل میں لا شریک لہٗ

اور اگر کلمۂ توحید کو ایمان بالتوحید اور عمل نہ بناؤ تو

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لا الٰہ الّا
لغتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

انسانی قوتیں عمل آزاد ہوئے۔ عرفان نفس ہوا۔ سخر لکم ما فی الارض جمیعا نے قوتیِ فطرت کو غلام بنانے میں مدد دی۔ اور جب قوتیٔ بشری اور قوتِ کائناتی غلام بن گئے تو انسان خلیفہ فی الارض ہوگیا۔

۶۔ **مساوات:-** ایمان بالتوحید "من و تو" ختم کر کل مومن اخوۃ (یعنی مومن بھائی بھائی ہیں) کی راہ پر چلاتا ہے۔

کل مومن اخوۃ اندر دلش
حریت سرمایہ آب و گلش

توحید سے موحد کے دل میں مساوات اور آب و گل میں حریت آتی ہے۔ کلمہ گو سب مساوی ہیں۔ کیونکہ کلمہ توحید کے پڑھنے والے ہیں۔

مٹا دیا میرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الٰہ الّا ھُو

نہ مے، نہ شعر، نہ ساقی نہ شورِ چنگ و رباب
سکوتِ کوہ و لبِ جوئے و لالۂ خود رُو

میرا سبو چہ قیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

مسلمانوں نے مساوات کا مطلب غلط لے لیا۔ حتیٰ کہ انا بشرٌ مثلکم کو بھی اپنے جیسا 'بندہ بشر' سمجھ لیا۔ جو خطا کار بھی ہو جاتا ہے اور ہذیان کا شکار بھی۔ ان اللّٰہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔ قدرتِ قادرِ مطلق نے ہر انسان کو قوتیں اور ہوئی ایک جیسی ودیعت کی ہیں۔ لہٰذا استعداد اور بالقوۃ (POTENTIALLY) ہر بشر برابر ہے۔ مگر بالفعل ایک کو دوسرے پر سبقت ضرور حاصل ہو سکتی ہے۔ انظر کیف فضلنا بعضھم علیٰ بعض (پ) خود ہی نظر کرو کہ کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت ہے ـــــــ ختم المرسلینؐ وہ سیّد بشر ہیں جن میں ہوئی نام کو بھی نہیں اور قوتیں 'معراج' پر ہیں۔

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ
از علوم اُمّئے پیغام دہ
اُمّئے پاک از ہوٰی گفتار او
شرح رمز ما غوٰی رفتار او

نکتہ سنجوں کو صلائے عام دے اور ایک اُمّی کے علوم سے پیغام دے۔ وہ اُمّی جس کی گفتار (قرآن و حدیث) ہوٰی سے پاک ہے اور جس کی رفتار ما غوٰی (راست رَو) کی بہترین شرح ہے۔

مسلماں را ہمیں عرفان و ادراک
کہ در خود فاش بیند رمز لولاک
خدا اندر قیاسِ ما نہ گنجد
شناس آں را کہ گوید "ما عرفناک"

مسلمان کے لئے یہی عرفان و ادراک کافی ہے کہ وہ اپنی ذات میں رمزِ لولاک دیکھے۔ خدا تو ہمارے قیاس و قیاد میں آنے سے رہا۔ اس کو ہی پہچان جس نے کہا تھا ما عرفناک۔ خدا نے فرمایا تھا لولاک لما خلقت الافلاک۔ کہ اے محمدؐ۔ اگر میں تم کو پیدا نہ کرتا تو کائنات میں سے کچھ بھی نہ بناتا۔ آنحضورؐ نے فرمایا تھا۔

ما عرفناک حق معرفتک

یا الٰہی میں تجھے اس قدر نہیں پہچان سکا جس قدر کہ تیرے پہچانے جانے کا حق ہے

ما عرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری
قاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری

۷۔ **لا و الّا** :- ماسواء اللہ سے لا یعنی تبرّاء یعنی منہ پھیرنا۔ اور اللہ سے محبت و تولّا یعنی منہ لگانا ـــــــ ہر جذبہ جو جبلّت سے وابستہ حرص و طمع ہے۔ ہوٰی و ہوس کے لات و منات اور لالچ و نیاداری کے سومنات اور بُت خانہ تصوّرات کو ضربِ لا سے توڑ چکنے کے بعد الّا اللہ یعنی تولّا باللہ کا مقام پیدا ہوتا ہے۔

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا یحبونھم کحب اللہ والذین امنو اشد حبا للہ (بقرہ)

بعض لوگ خدا کے شریک بنا لیتے ہیں۔ اور ان شرکاء سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی
خدا تعالیٰ سے رکھنی چاہئے۔ مگر ایمان والے لوگ اشدُّ حُباً للہ بڑی شدت سے
اللہ سے پیار کرتے ہیں۔

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیلؑ
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

میرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

قلندر جز دو حرف لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

ہر "غیر از اللہ" اور سب خرافات عصر سے انکار سراسر کرنے والے کو علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے قلندر کا نام دیا ہے۔ جہان کے صنم کدہ میں شرک، شرکِ عظیم، شرکِ خفی، شرکِ باطنی، شرک فی الاسباب، شرک فی النیات، معاملات میں شرک پائے جاتے ہیں۔ ان کے خلاف شمشیر لا الٰہ کو کھینچ۔ شرک و توحید اور باطل و حق کی حرب و ضرب میں توحید حق کی طرفداری کر ——— ہر قسم کے بند غیر اللہ (شرک) کو لا الٰہ شکست دیتا ہے۔ اور ہر انسانی توحید اصول و نظریہ اور عمل کی غلامی سے نجات دیتا ہے۔

(ب) حرف لا :-

نہادِ زندگی میں ابتداء "لا" انتہاء "الّا"
پیامِ موت ہے جب "لا" ہوا! "الّا" سے بیگانہ

وہ ملّتِ روح جس کی "لا" سے آگے نہیں بڑھتی
یقیں جانو ہُوا لب ریز اس ملّت کا پیمانہ
"پیامِ موت ہے جب "لا" ہوا "الّا" سے بیگانہ

لبالب شیشۂ تہذیبِ حاضر ہے "لا" سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ الّا

دبا رکھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دستی نے
بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا

لا بغیر الّا کے باعث واویلا ہے۔ اس تہذیب و تمدن کا پیمانۂ حیات لبالب ہے۔

(ج)۔ اِلّا :-

کردہ کارِ خداوندان تمام
بگذر از لا جانبِ الّا خرام

اے ہوس تو منکرِ خدا ہو گیا۔ اب لا (نفیِ معبود) سے ہٹ کر جانبِ الّا (اطاعتِ معبودِ حقیقی) رجوع کر۔

از دیرِ مغاں آیم بے گردشِ صہبا مست
در منزلِ لا بودم از بادۂ الّا مست

یعنی میں دیرِ مغاں سے بے گردشِ صہبا مست (بے پئے مست) آیا ہوں میں منزلِ لا (ہوا و ہوس کی نفی) میں شرابِ الّا (توحید و معرفت) سے مست تھا۔

(د)۔ لا اور الّا دونوں :-

لا و الّا احتسابِ کائنات
لا و الّا فتحِ بابِ کائنات
ہر دو تقدیرِ جہانِ کاف و نون
حرکت از لا زاید از الّا سکون

یعنی جہانِ کُن فیکون کی تقدیر لا و الّا ہے۔ تمام اشیاء کی حرکت لا (نفیِ شرک) سے پیدا ہوتی ہے اور ان کا قرار الّا (اثباتِ معبود) پر ہوتا ہے۔

لا و الّا ساز و برگِ اُمتاں
نفی بے اثبات مرگِ اُمتاں

لا اور الّا اُمتوں کا ساز و سامان ہیں۔ اسبابِ حیاتِ اُمت ہیں۔ نفی بے اثبات یعنی الّا کے بغیر لا امتوں کی موت ہے۔

تا دو تیغِ لا و الّا داشتیم
ما سوا اللہ را نشاں نگذاشتیم

یعنی جب تک ہم لا و الّا کی دو تلواریں رکھتے تھے۔ تب تک ماسوا اللہ کے نشان کو مٹاتے تھے۔

(ر) اِلّا اللہ محض :-

خیمہ در میدان اِلّا اللہ زدست
در جہاں شاہد علی الناس آمدست

یعنی مردِ مومن نے میدانِ اِلّا اللہ (اثباتِ توحیدِ الٰہی) میں خیمہ لگا لیا ہے۔ چھاؤنی چھالی ہے۔ اسی لئے وہ شاہد علی الناس بن کر آیا ہے ——
کلمہ شہادت ہی سے مومن شاہد بنتا ہے۔

۸۔ لا شریک لہ کے دشمن :- معرفت و عمل کی روح لا اِلٰہ اِلّا اللہ ہے۔ ایمان بالتوحید مسلمانوں میں کئی وجوہ سے کمزور پڑ گیا۔ چیدہ چیدہ یہ ہیں :-

حریفِ نکتۂ توحید ہو سکا نہ حکیم
نگاہ چاہئے اسرار لا اِلٰہ کیلئے

جوہر میں ہو لا اِلٰہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گر فرنگیانہ

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا اِلٰہ اِلّا اللہ

قلندر جز دو حرفِ لا اِلٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

کھلے ہیں سب کیلئے غربیوں کے میخانے
علومِ تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تیری
تیرے بدن میں اگر سوزِ لا اِلٰہ نہیں

مسلماں ہے توحید میں گرم جوش
مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

بہ بندِ صوفی و ملّا اسیری
حیات از حکمتِ قرآں نہ گیری

یونانی حکمت، فرنگیانہ تعلیم، مدرسہ متکلمین کی تربیت، فقیہہ شہر کی قارونی سحی

نے مل کر توحید سے دل خود ہونے سے روکا۔ اور تقدیر، تصوف، علم کلام اور شریعت سب بتانِ عجم کے پجاری بن گئے۔ سو دلِ مسلم زنار پوش رہا۔ اور حکمت قرآن سے سبق حیات لینے کے قابل نہ رہا۔
اب مسلمان کی حالت یہ ہے :۔

ہے میرے سینۂ بے نور میں اب کیا باقی
لا الہ مردہ و افسردہ و بے ذوقِ نمود

اور "درویش لا غالب اِلّا اللہ نیست" یعنی اس کے دل میں لا غالب اِلّا ھُو نہیں ہے۔ غلبۂ حق اس پر نہیں ہے۔ ؎

مومناں با خوئے و بوئے کافراں
لا الٰہ گویان و از خود منکراں
"امرِ حق" گفتند نقش باطل است
زانکہ او وابستۂ آب و گل است

کافر کی خو بو رکھنے والے مومن دیکھے ہیں جو لا الٰہ تو کہیں مگر خودی سے منکر ہوں۔ خودی کو لا الٰہ سے صیقل نہ کریں۔ امر ربی (روح) کو وہ نقش باطل کہیں۔ کیونکہ وہ آب و گل سے وابستہ ہے۔ اگرچہ یہی روح جب لا الٰہ اِلّا اللہ سے رنگ لے تو مومن بنے۔

۹۔ مقام مسلم :۔ مسلمان کا مقام یہ ہے کہ اس کی ظلمت کردار " ایمان بالتوحید " کی ضو سے روشن ہو۔ اور اس کے ہاتھ میں قل ھو اللہ احد کی شمشیر جگردار ہو۔

ماسوئے اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

مسلمان ماسوا اللہ کا بندہ نہیں ہو سکتا۔ کسی بھی فرعون کے سامنے سرنگوں نہیں ہو سکتا۔

"مرد سپاہی" ہے وہ اس کی زرہ لا اللہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پناہ لا اللہ

مرد مومن مجاہد کی زرہ و پناہ لا الٰہ اِلّا اللہ ہے۔

قلب او را قوت از جذب و سلوک
پیش سلطاں نعرۂ او لا ملوک

دلِ مسلم کی قوت اگر جذبِ حق اور سلوک لا الٰہ اِلّا اللہ سے ہو تو وہ مسلمان سلطانِ وقت

کے منہ پر لا ملوک کا نعرہ لگاتا ہے۔

ہر کہ خنجر بہر غیر اللہ کشید
تیغ او در سینۂ او آرمید

جس کسی نے بھی "غیر اللہ" کے لئے خنجر آزمائی کی۔ اسی کی تیغ اسی کے سینے میں آرپار ہوئی۔
"خودہ لا قیصر و کسریٰ کہ داد؟" کس نے لا قیصر و لا کسریٰ کا مژدہ سنا دیا۔ نعرۂ لا
قیصر و کسریٰ کہ زد؟ کس بزرگ نے یہ نعرہ لگا دیا۔

فتعالی اللہ الملک الحق لا الٰہ الا ھو الخ مومنون
اللہ تعالیٰ ہی ملک برحق ہے۔ وہی لا الٰہ الا ھو ہے۔ لا ملوک الا ھو ہے۔

"پختہ از قالوا بلیٰ پیمانِ او"

مسلمان کا پیمان قالوا بلیٰ سے مستحکم ہے۔ الست بربکم قالوا بلیٰ (پ۹)
خدا نے روحوں سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ جواب ملا۔ بلیٰ۔ بیشک! یوں مسلمان
نے بلیٰ کہہ کر پختہ پیمانِ توحید باندھا ہے۔

یہی دین محکم یہی فتح باب
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

۱۰- قویٰ وھویٰ اور تقویٰ :-

قدرت کی طرف سے قویٰ وھویٰ انسان کو ودیعت کی گئی ہیں بلکہ
ہر فرد بشر میں ہے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ سید البشرؐ میں ھویٰ پر پورا قابو اور قویٰ جبری
کو معراج نصیب۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
یا صاحب معراج و یا سید البشر

ع
لا الٰہ تیغ و دمِ او عبدہٗ
فاش تر خواہی بگو ھو عبدہٗ

لا الٰہ تیغ ہے اور اس کا دم (آب و تاب) بندۂ لا الٰہ الا اللہ ہے۔
(بندۂ حق، بندۂ خدا ہے) اگر فاش کہوں تو یوں ہے کہ ھو عبدہٗ ہی جاتا ہے۔ بندۂ
حق، حق بن جاتا ہے۔

"عشق حق آمد سراپا حق شود"

یعنی عشقِ حق آ موجود سراپا حق بن جاتا ہے ——— عبدیت کا کمال یہی ہے۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً۔ (کہف)

کہہ دے اے رسولؐ کہ میں بھی تم جیسا بشر ہوں (مگر) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود یکتا و واحد ہے۔ پس جو کوئی بھی اپنے رب کے لقاء کا آرزومند ہو تو اسے اعمال صالح کرنے چاہئیں اور اپنے رب کی عبادات میں کسی ایک کو بھی شریک نہ کرے۔

با تقویٰ کمالات کو بالفعل بنا دیا جائے اور ان کو لا و الا ایمانی (زیور ایمانی) سے آراستہ کر دیا جائے اور ھویٰ نفسانی کو قیود لا الٰہ الا اللہ کا پابند بنا لیا جائے تو یہی اخلاق اللہ کا جنہ زیب تن کرنا ہے۔ تخلقو باخلاق اللہ یہی ہے۔ صبغۃ اللہ یعنی خدائی رنگ لے لینا یہی ہے۔ اثبات حیات اور نفی حیات میں علی ایمان بالتوحید کو ہی تقویٰ کہا گیا ہے۔ صاحب تقویٰ ہی مسلم حنیف ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (پ۲۶) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو وہی مکرم ہے۔ جو تم میں سے سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔

عبادات کا احسن وہ جذب و سلوک ہے جس میں ھویٰ (فحشاء و بغی والمنکر) کو ضرب لا الٰہ سے قتل کیا گیا ہو۔ اور قویٰ بشری کو الا اللہ کے قیود و حدود میں از طرف معراج انسانی پرواز دی گئی ہو۔ یہی کیفیت و حالت انسان کو متقی بناتی ہے۔ اور تقویٰ کا اندازہ مرد متقی کے معاملات سے ہوتا ہے۔ کہ وہ معاملات میں عدل پرور ہوتا ہے۔

اصول دین توحید و عدل مومنیت یعنی کردار و سیرت مومن (طہارت و تقویٰ) پر اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور یہی عمل ایمان بالتوحید و عدل ہے۔ عدل معاشری و مساوات مجلسی پہ مجبور کرنے والی کیفیت کی بنا طہارت و تقویٰ ہے۔

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ

عشق حق تبھی نام و ناموس و ننگ والا ہو سکتا ہے جب تو اپنے قلب کو خدائی رنگ میں رنگ لے۔

۱۱۔ امام الموحدین :۔ (شہید و زندۂ جاوید اور توحید)

حیات انسانی دو قوتوں پر مشتمل ہے قویٰ و ھویٰ۔ یعنی قوت حقہ و باطلہ۔ مرد مومن وہی ہے جس کے کردار سے تقویٰ ٹپکے۔ تقویٰ قوت حقہ کا احساس، نمود و نمائش اور نشوونما ہے۔ اسلام

وہ آئین ہے جو انسان کو مردِ حق (مومن و متقی) بناتا ہے۔ اس کے قواعد و ضوابط سے قوتِ حقہ کی پرورش ہوتی ہے اور قوتِ باطلہ (ابلیسیت) کو مٹایا جاتا ہے۔ اسے نیست و نابود کیا جاتا ہے۔ مومنیت یا حیاتِ صالحہ یہی ہے کہ قوتِ باطلہ مغلوب ہو اور قوتِ حقہ غالب ہو۔ یہی "نیابتِ حق" کا حق ہے۔ باطل شکن اور حق پرور ہی حولاصفات ہے۔

محمد عبدالغنی نیازی کا مضمون "اقبال کا تصورِ توحید" مطبوعہ اقبال مجلہ بزمِ اقبال لاہور اپریل ۱۹۵۳ء اس وقت میرے پیشِ نظر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

موسےؑ و فرعون اور شبیرؑ و یزید پلید حیات کی دو قوتیں ہیں۔ قوتِ حقہ حضرت موسےؑ اور حضرت شبیرؑ ہیں۔ اور قوتِ باطلہ ابلیسیت کے پیکر فرعون اور فرعونِ ثانی یزید ہیں ——— زندہ حق از قوتِ شبیری است و قوتِ شبیریؑ "حیاتِ حق" کی بنیاد ہے ——— فرعونِ کربلا یزید ہے اور موسیٰ کربلا حضرت حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں۔

ڈاکٹر اقبال کے نزدیک لا الٰہ الّا اللّٰہ کی تفسیر کتابوں میں نہیں بلکہ "اسوۂ حسینیؑ" میں تلاش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ جناب امام حسین علیہ السلام توحید کی زندہ تفسیر ہیں ——— "رمزِ قرآن از حسینؑ آموختیم" یعنی ہم نے قرآنِ مجید کے رموز کو امام حسینؑ سے سیکھا (عبدالغنی نیازی)

؏ اہلِ حق را رمزِ توحید از بر است
در اتی الرحمٰن عبداً مضمر است

اہلِ حق کو رمزِ توحید از بر یاد ہے۔ جو اتی الرحمٰن عبداً کی آیت میں مضمر ہے ان کل من فی السمٰوٰت والارض الّا اتی الرحمٰن عبداً (پ) زمین و آسمان کی کل مخلوق اللہ کے حضور غلام بے بس و بے کس (عبداً) بن کر آتی ہے۔ توحید ہی سے بندہ و برخوردار بنتا ہے۔ عبدیت کی رمز توحید ہے۔

زانکہ در تکبیر رازِ بود تست
حفظ و نشرِ لا الٰہ مقصود تست

تری بود و ہستی کا راز (SECRET OF LIFE) اللہ اکبر کے نعرہ میں ہے۔ تری ہستی کا مقصود حفظ و نشرِ توحید ہے۔

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت

امام الموحدین و المتقین حضرت امام حسین ابن علی علیہما السلام "بہر حق" خاک و خوں میں لوٹ پوٹ گئے۔ پس لا الٰہ کی بنیاد بن گئے۔ آپ نے صحرائے کربلا میں الا اللہ کا نقش لکھا۔ کشتیٔ اُمت کی نجات کا عنوان لا الٰہ الا اللہ امامؑ نے روشن کیا۔

زندہ قوتِ توحید کو زندگی دینے والا زندہ جاوید ہے۔

ع
درمیانِ اُمت آں کیواں جناب
ہمچو حرفِ قل ھو اللہ در کتاب

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ امتِ محمدیہ میں ایسے ممتاز ہیں جیسے قرآن مجید میں سورۂ قل ھو اللہ احد ہے ——— سورۂ توحید اور اخلاص کی مکمل اور زندہ تفسیر امام حسین علیہ السلام ہیں۔

——— توحید ہی حاصلِ قرآن و آئین اسلام ہے اور روحِ عمل اسلام ہے۔ توحید و اخلاص عمل ——— معرفت اور عمل خالص کے لئے مثالی پیکر (یعنی امامؑ عالی مقام) علامہ اقبالؒ علیہ الرحمہ کی نظر میں امام حسین علیہ السلام ہیں۔ جن کے والد بزرگوار موحدِ کامل کرم اللہ وجہہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ اور جن کا نعرہ انا قرآن ناطق تھا بنو امیہ کہتے تھے کہ نہ کوئی وحی آئی نہ کوئی کتاب اتری۔

ان کے حسینؑ نے ثابت کر دکھایا کہ میں قرآن ناطق ہوں اور سبطِ رسولؐ نے کردار سے ثابت کر دیا قل ھو اللہ احد کی شان کیا ہے۔

حسینی قلندر:- اصل قلندری تو وہی ہے جو معرفت و عمل پر بنیاد رکھتی ہے۔ اور توحید و عدل پر عمل پیرا ہوتی ہے۔

علامہ اقبالؒ کا قلندر ——— "قلندر جز دو حرف لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا" وہ لا الٰہ سے واقف قوتِ باطلہ کے ہر مظہر سے برسرِ پیکار رہتا ہے۔ مگر الا اللہ سے بالکل واقف کار نہیں ہوتا۔

مگر حسینی قلندر قلندری طریقت میں اہم ترین سلسلہ ہیں۔ جو ایک خاص مسلک پر ہیں بس یوں سمجھ لیجئے کہ لا الٰہ سے تعلق کے وقت وہ ظاہر کامل۔ مشرک کے ہر مظہر کا سر پھوڑنے

(باقی صفحہ ۱۰۰ پر)

سالانہ رپورٹ

منجانب :-

جنرل سیکرٹری ادارۂ معارفِ اسلام (رجسٹرڈ) لاہور

بابت سال اختتامی ۳۰ جون سنہ ۱۹۶۱ء

یہ رپورٹ جنرل سیکرٹری صاحب ادارۂ معارفِ اسلام (رجسٹرڈ) پاکستان لاہور نے ممبران ادارہ کے سالانہ جلسۂ عام میں پیش کی جو کہ مورخہ ۲۴ ستمبر سنہ ۱۹۶۱ء بمطابق ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۱ھ بروز اتوار بوقت ۹ بجے دن برمکان علامہ الحاج مرزا احمد علی صاحب سرپرستِ اوّل ادارہ اندرون اکبری گیٹ لاہور منعقد ہُوا۔

محترم سرپرستان ادارہ۔ صاحب صدر و معزز اراکین!

سلام علیکم

ادارہ کا گذشتہ سالانہ جلسہ ۳۱ جولائی سنہ ۱۹۶۰ء بمطابق ۶ صفر المظفر سنہ ۱۳۸۰ھ زیرِ صدارت مولانا ملک مہدی حسن صاحب علوی منعقد ہُوا تھا۔ جس کی کارروائی برائے تصدیق میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں :-

(کارروائی گذشتہ سالانہ جلسہ پڑھ کر سنائی گئی اور تصدیق کرائی گئی)

معزز حاضرین۔ گذشتہ سال پھر مجھے اِس ادارہ کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی چند ماہ کے بعد میرے محترم عزیز غیاث الدین مدیر "معارف اسلام" نے مجھے مجبور کیا کہ ہمیں جو اخبار و رسائل برائے تبادلہ و تبصرہ آتے ہیں۔ اُن پر زیرِ عنوان "بلیاخۃ و بحیثیت" دلچسپ انداز سے تبصرہ و تنقید کی جائے اور یہ ڈیوٹی میرے سپرد کی گئی۔ جس کی وجہ سے ادارہ کے انتظامات۔ دفتر کی دیکھ بھال اور ڈاک کے جوابات و تعمیل کے علاوہ میرا کام اور

زیادہ بڑھ گیا۔ خیر حکم برادران کی تعمیل کر رہا ہوں۔ آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ یہ کوئی امیر ادارہ نہیں ہے۔ باوجود سرمایہ کی کمی اور ذرائع کی قلت کے میں نے اس مفید دینی و ملی ادارہ کے اغراض و مقاصد کے حصول کی پوری پوری کوشش کی ہے۔

ادارہ کا سرمایہ :-

جہاں تک ادارہ کے سرمایہ کا تعلق ہے۔ اس کے متعلق تو مدیر مالیات مفصل روشنی ڈالینگے ہم نے آج تک اپنے حسابات میں کوئی مد پوشیدہ نہیں رکھی۔ معمولی سے معمولی آمد اور معمولی سے معمولی خرچ کو بھی وضاحت سے ظاہر کرکے چھاپ دیا ہے۔ حسب معمول سال گذشتہ ہم نے جو کچھ کارگذاری کی ہے۔ اس میں ادارہ کی آمدن کا خیال کم کیا ہے اور ادارہ کے اغراض و مقاصد کے حاصل کرنے کی کوشش زیادہ کی ہے۔ یہ محض اس لئے کہ آپ کا یہ پر وعزیز ادارہ کوئی تجارتی ادارہ نہیں۔ بلکہ یہ محض ایک اصلاحی و تبلیغی ادارہ ہے جس میں ذاتیات سے بالاتر ہو کر تمام امور صحیح اسلامی نکتۂ نگاہ سے پیش کرنے کی پوری پوری کوشش کی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بغیر سرمایہ کے کوئی نشر و اشاعت کا کام نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے ہم زیادہ افراد کی خدمات حاصل کرنے سے محروم رہے ہیں۔ جن لوگوں نے بھی اس ادارہ کے ذریعے دامے درمے قدمے سخنے اور قلمے خدمت دین کی ہے۔ محض فی سبیل اللہ کی ہے انہوں نے کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ لہٰذا ان کی خدمات خلوص سے پُر اور لائق صد جزا و آفرین ہیں۔ اگرچہ اس سال ادارہ کی بہت ہی کم مالی مدد کی گئی ہے۔ جس سے قومی بے حسی کا کافی ثبوت ملتا ہے اور ممکن ہے اس کی وجہ ہمارا پروپیگنڈا پر زیادہ رقوم نہ صرف کرنا ہو۔ بہر حال جو کچھ رقم آپ صاحبان کی طرف سے حاصل ہوئی ہم نے اس میں سے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ جن مقاصد کے لئے آپ نے ادا فرمائی ہم نے اس پر صرف کر ڈالی۔ گو ہمیں اس میں بعض اوقات سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ آمدنی قلیل اور خرچ زیادہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ سلسلہ فی سبیل اللہ چل رہا ہے۔ لہٰذا مشکلات کو عبور کرنا اور آئندہ مقاصد کے لئے بھی خود خدا تعالیٰ ہی اسباب مہیا کر دیتا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہے گا۔ امید ہے کہ آپ حضرات بھی ادارہ کی مالی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی امداد سے گریز نہ کرینگے۔

اشاعتِ لٹریچر :-

ادارہ کا ضروری اور اہم عمل تعلیماتِ اسلام بموجب فرمودات محمدؐ و آلِ محمدؐ کی اشاعت ہے اگرچہ یہ عمل ہر ماہ ماہنامہ معارف اسلام کے ذریعے بحسن و خوبی سرانجام دیا جا رہا ہے۔ مگر وقتاً فوقتاً

کتب و رسائل شائع کرکے بھی اس مقصد کو تقویت دی جاتی ہے۔ امسال اشاعتِ لٹریچر کے سلسلہ میں اگرچہ ـــــ سالِ گزشتہ کی نسبت کچھ کمی رہی۔ مگر یہ کمی کتاب مظلومۂ کربلا کی اشاعت نے پوری کردی۔ کتاب فتنۂ تفسیر بالرائے۔ اخلاق المعصومینؑ اور اسرارِ توحید کی اشاعتوں کے بعد مظلومۂ کربلا کی اشاعت ادارہ کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ زیادہ ضخامت کی وجہ سے اس کتاب کو ادارہ کی پالیسی کے مطابق مفت تقسیم نہیں کیا گیا۔ اس کتاب کا مسودہ جناب مستطاب سید الاطباء حکیم سید عالم شاہ صاحب کاظمی منٹگمری نے ادارہ کو فی سبیل اللہ مرحمت فرماکر حقوقِ اشاعت بطورِ عطیہ دیدیئے۔ جس کے لئے ادارہ حکیم صاحب موصوف کا تہ دل سے شکرگزار ہے۔ کتاب مذکور حضرت ثانیٔ زہراؑ خواہر سیدالشہداؑ حضرت زینبِؑ کبریٰ سلام اللہ علیہا کی سوانح حیات ہے۔ اور نہ صرف حضرت کی سوانح حیات بلکہ ابتدائی تاریخ اسلام اور واقعاتِ کربلا کی تفصیلات سے مزین ہے۔ واقعاتِ کربلا سے پیشتر ابتدائی تاریخ اسلام کا سمجھ لینا انتہائی ضروری ہے۔ اور حضرت بنتِ امیرالمومنینؑ کی زندگی سے واقعاتِ کربلا کا خاص تعلق ہے۔ یہ تینوں چیزیں یکجا اس کتاب میں جمع کردی گئی ہیں۔ جس کے پڑھنے سے صحیح اسلامی اثر کا دلوں میں پیدا ہوجانا یقینی ہے۔ کتاب بڑی تقطیع کے ۴۲۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ کتاب چھاپ کر بلاشبہ ادارہ نے ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ یہ کتاب کافی مقبول ہوئی ہے اور اگر آپ حضرات نے ذرا زیادہ توجہ فرمائی تو اس کی مانگ اور بڑھ جائے گی۔

ـــــ اس کے علاوہ بازارِ کوفہ ۴۴ صفحات بھی شائع کرکے ممبرانِ ادارہ کو مفت تقسیم کی گئی۔ چونکہ بعد از واقعہ کربلا حالاتِ بازار و دربارِ کوفہ پر مشتمل ہے۔ اور نہایت ہی پُر اثر کتاب ہے۔ اگر ادارہ چاہتا تو اس کے بدل سولہ سولہ صفحہ کے چار پانچ رسالے شائع کرسکتا تھا مگر ادارہ کی یہ پالیسی نہیں کہ رسائل کی تعداد بڑھائی جائے۔ مواد چاہے معیاری ہو یا نہ ہو۔ ادارہ بہرحال معیاری لٹریچر شائع کرنا ہی ضروری سمجھتا ہے۔

ـــــ ادارۂ معارفِ اسلام حلقہ مشرقی پاکستان نے بنگلہ زبان میں اس سال ۴۸ صفحات پر مشتمل کتابچہ "عقائدِ شیعہ" شائع کرکے مفت تقسیم کیا۔ یہ رسالہ ادارہ کے فاضل و قابلقدر سیکرٹری برائے حلقہ مشرقی پاکستان یعنی سید محمد سبطین صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مشرقی پاکستان میں اس رسالہ کی اشاعت سے بہت مفید اور پُرحوصلہ نتائج نکلے ہیں۔ اور اس علاقہ کی پبلک میں سے ملتِ جعفریہ کے متعلق کافی سے زیادہ غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں۔

ـــــ مسلسل کتاب "جمہوریت و امامت" کے ۴۴ صفحات بھی ماہنامہ کے ہمراہ ممبران کو دینا اس سال کی اشاعت میں شامل ہے۔ یہ کتاب ماہِ ستمبر و اکتوبر کے شمارہ میں اپنے ۲۹۲

صفحات پورے کرکے ختم ہو رہی ہے۔ اس کتاب کے علیحدہ فالتو اجزا جو کتاب کو مکمل کتابی صورت میں مجلد شائع کرکے نشر کرنے کے لئے جو ادارہ زائد چھپواتا رہا ہے وہ تیار ہونے پر زمانہ حال کے تقاضوں کے پیشِ نظر یہ ایک اہم کتاب ہوگی جو تمام دنیا کی حکومتوں اور مدبرین زمانہ کے لئے دعوتِ فکر و عمل کا باعث بنے گی۔

بس ادارہ سالِ گذشتہ میں اس سے زیادہ اور کچھ شائع نہیں کرسکا۔ سالِ گذشتہ میں مفید و دلپذیر کتاب "اسرار الصوم و الصلوٰۃ" کا اُردو ترجمہ شائع کرنا طے پایا تھا۔ اور ماہنامہ میں اس کا اعلان بھی کیا گیا۔ اور شاہ پور سے ایک بزرگ نے اس کا ترجمہ کرنے کیلئے بھی اپنی خدمات فی سبیل اللہ پیش کیں۔ لہٰذا وہ اصل کتاب یعنی فارسی کی اُن کی خواہش پر اُن کو برائے ترجمہ بھیج دی گئی۔ بعدازاں وہ حج کو چلے گئے۔ اور آج تک باوجود بار بار یاد دہانی کرانے کے نہ تو اُنہوں نے ترجمہ ارسال فرمایا اور نہ ہی اصل کتاب واپس کی۔ یہ تو حال ہے اپنی قوم کی ذمہ داری کا۔ اگر وہ ترجمہ ہمیں مل جائے جس کے لئے کوشش جاری ہے۔ اور وہ ادارہ کے معیار کے مطابق پایا گیا تو فوراً شائع کیا جائے گا۔

سالِ گذشتہ میں زیادہ لٹریچر شائع نہ کرنے کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ ادارہ کو اس مقصد کے لئے کوئی معیاری مضامین دستیاب نہیں ہوئے۔ ادارہ کی یہ پالیسی ہرگز نہیں کہ جیسا بھی کوئی مضمون یا مسودہ دستیاب ہو جائے فوراً چھاپ دیا جائے بلکہ جو مسودہ بھی جب موصول ہوتا ہے اُسے معیار کے مطابق جانچا جاتا ہے اگر وہ پورا اُترے تو شائع کیا جاتا ہے وگرنہ نہیں۔

دراصل ادارہ کی اشاعتِ کتب کا بار ادارہ کے مدیرِ نشر و اشاعت پر ہوتا ہے۔ سالِ گذشتہ میں بہت اُمیدوں کے ساتھ یہ اہم اور ذمہ دار عہدہ اس کام کے ماہر اور مشہور فرد جناب مستطاب سید حسن علی شاہ صاحب کاظمی کے سپرد کیا گیا تھا۔ مگر مجھے اس امر کا بہت ہی صدمہ ہے کہ میرے دیرینہ دوست یعنی سید صاحب موصوف بوجہ اپنی ذاتی اہم مصروفیتوں کے اس طرف توجہ نہیں دے سکے۔ اور ہم اُن سے وہ فائدہ نہ حاصل کرسکے جو دوسرے کئی ادارہ حاصل کرچکے ہیں اور کر رہے ہیں۔

ماہنامہ معارفِ اسلام :-

ماہنامہ جس مقام پر پہنچ چکا ہے وہ آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ یہ ماہنامہ صرف اراکینِ ادارہ و خریدارانِ ماہنامہ ہی کو نہیں جاتا بلکہ اعزازاً ایک معقول تعداد

میں ملک کے چیدہ چیدہ حضرات کے علاوہ منظور شدہ پبلک ریڈنگ رومز، لائبریریوں، سکولوں کالجوں، کچہریوں کے بار رومز، ہسپتالوں میں مریضوں کے لئے اور یتیم خانوں تک میں جاتا ہے اور ایک ایک ماہنامہ سینکڑوں پڑھنے والوں کی نظر سے گزرتا ہے۔ اس ماہنامے کو بام عروج پر لے جانے کا سہرا میرے عزیز اور محترم شیخ غیاث الدین کے سر ہے جو اپنی لاتعداد کاروباری مصروفیتوں کی موجودگی میں اس کو بڑی دلچسپی اور قالتو وقت کی محنت سے ایڈیٹ بھی کرتے ہیں اور معیار کو بھی قائم رکھے ہوئے ہیں ——— ماہنامہ کے متعلق ادارہ کی طے شدہ پالیسی یہ ہے کہ ہر ماہ ۶۴ صفحات پر شائع کیا جائے۔ مگر ماہنامہ کے گذشتہ سال یعنی اپریل ۱۹۶۴ء سے مارچ ۱۹۶۵ء تک کے ماہنامہ کی ضخامت کو ذرا ملاحظہ فرمایئے:۔

۱۲ ماہ کے کل صفحات ۷۳۴ }

۱۲ ماہ کے کل صفحات } ۶۴ } میزان ۷۹۸ (علاوہ ٹائیٹل)
کتاب جمہوریت و امامت }

ان صفحات سے ادارہ کی منظور شدہ ضخامت سے حساب قدرے زائد ہو جاتا ہے۔ مگر اگر تجارتی مقررہ اصول کی جہت سے ایک روپیہ فی صد صفحات کے حساب سے میزان لگایا جائے۔ تو قیمت -/۸ روپے بن جاتی ہے جو کہ ادارہ پانچ روپے میں دے رہا ہے۔ اور ان پانچ روپوں میں سے کافی رقم ناقابل وصول ہوتی ہے یعنی ادا نہیں کرتے۔ -/۸ کی بجائے -/۳ پیسے کا خسارہ بھی ادارہ برداشت کر رہا ہے۔ خاص چیز جو ماہنامہ کی گوش گذار کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک سال میں ادارہ "معارف اسلام" کے چار نمبر مخصوص مضامین کے قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ یعنی (۱) شہید نینوا نمبر (۲) اربعین نمبر (۳) علیؑ و فاطمہؑ نمبر اور (۴) رسولؐ نمبر۔ یہ چاروں مخصوص ایڈیشن گذشتہ کئی سالوں سے ادارہ شائع کر رہا ہے۔

مفت لٹریچر:۔

سال گذشتہ میں جو لٹریچر مفت ممبران ادارہ کی خدمت میں پیش کیا گیا اس کی تفصیل یہ ہے:

ماہنامہ معارف اسلام = -/۵ روپے
کتاب بازار کوفہ = -/۱ 〃
کتاب جمہوریت و امامت کے اجزاء } -/۱۲/- آنے

میزان -/۱۲/۶ روپے

میزان = -/۱۲/۶ روپے

بنگالی خواندہ حضرات کو عقائد شیعہ بزبان بنگلہ } = -/۸/-

کل میزان -/۴/۷ روپے

یہ رقم تو فرداً فرداً ہر ممبر ادارہ کے لئے مخصوص کی گئی۔ اور تمام رقم جو ممبران کے علاوہ بھی دیگر افراد و مقامات کو لٹریچر روانہ کرنے پر صرف ہوئی وہ آپ کو محترم مدیر مالیات کی رپورٹ سے ظاہر ہو گا کہ اس سال مبلغ ۱۷۳ روپے ۴۲ پیسے کی مالیت کا لٹریچر مفت تقسیم کیا گیا۔ اس رقم میں بنگالی زبان میں شائع شدہ لٹریچر کی رقم بھی شامل ہے۔ سابقہ سال کے حساب میں ۱۲۲/- ۵ روپے کا لٹریچر مفت تقسیم ہوا تھا۔ مگر وہ حساب ۱۵ ماہ کا تھا جس کے حساب کرنے سے بارہ ماہ کے -/۹۷/۴ روپے بنتے ہیں۔ لہٰذا اس حساب سے سال گذشتہ کی نسبت امسال ۷۶ روپے ۴۳ پیسے کی مالیت کا لٹریچر زیادہ تقسیم کیا گیا۔

حضراتِ محترم! میں سالِ گذشتہ میں ادارہ معارفِ اسلام کے دو مزید کارناموں پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ جو بے شک ادارہ کے مقاصد میں خاص توجہ کے مستحق ہیں جو کہ اس ادارہ نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود انجام دیئے :-

انگلستان میں ادارہ کی شاخ کا قیام :-

آپ کو ماہنامہ معارفِ اسلام و دیگر قومی اخبارات مثلاً دُرِّ نجف۔ شیعہ۔ رضا کار اور اسد سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ انگلستان میں ادارہ کی شاخ کھل گئی ہے۔ اور امسال ماہ محرم الحرام میں عشرۂ محرم کی مجالس باقاعدہ وہاں پر ادارہ کی جانب سے منعقد کی گئی ہیں۔ ادارہ نے کچھ لٹریچر انگریزی و اُردو وہاں برائے تقسیم ارسال کیا تھا جو کہ وہاں کے مومنین کے علاوہ وہاں کے انگریز باشندوں میں بھی تقسیم ہوا۔ ان کوششوں کا سہرا وہاں کے سیکرٹری برائے ادارہ معارف اسلام سید منظور حسین جعفری کے سر ہے۔ اللہ تعالےٰ اُن کو خوش رکھے اور اُن کی محنتیں بار آور ہوں۔ مَیں اس سلسلہ میں یہ ضرور کہوں گا۔ کہ وہاں پر انگریزی لٹریچر کی سخت ضرورت ہے۔ اور نہ صرف بیرونی ممالک میں بلکہ خود پاکستان میں جو خاندان اور افراد اور ان کی اولاد دن بدن انگریزی زبان میں ملوث ہو رہی ہے۔ وہ دن بدن اُردو زبان اور مذہب سے دُور جا رہی ہے لہٰذا پاکستان اور بیرون جات دونوں کے لئے انگریزی لٹریچر کی اشد ضرورت ہے جس کی طرف آپ کو فوراً توجہ دینی چاہئے۔

سوالنامہ برائے آئمۂ مساجد و خطباء کا جواب :-

یہ سوالنامہ گورنمنٹ پاکستان کے متعلقہ محکمہ نے جاری کیا تھا۔ اس سوالنامے کے جوابات اسلام اور تعلیمات محمد و آل محمد کی روشنی میں صدرِ محترم جناب علامہ سید امداد حسین صاحب کاظمی کی وساطت سے بحمد للہ اس ادارہ نے بحسن و خوبی دے کر اپنا فرض پورا کیا۔

محترم حضرات! اب میں آپ کا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا آئندہ کے لئے مناسب پروگرام آپ نے طے کرنا ہے۔ یہ میری بڑی لاپرواہی ہوگی اگر میں اپنی سالِ گذشتہ کی محنتوں کے سلسلہ میں اپنے وابستگانِ دامنِ دوست کا شکریہ ادا نہ کروں ——— شیخ نصیر احمد عاقبی میرے جائنٹ سیکرٹری جن کی موجودگی سے میرے دفتر کے کام میں مجھے کافی مدد ملتی ہے۔ اگر ایسے ہی دیگر عہدیداران بھی اپنے اپنے عہدہ کے لحاظ سے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں تو ادارہ کا کام کافی بہتر ہونے کی توقع ہے۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ادارہ کے بعض دیگر محترم عہدیدار بھی منتظمین اپنی ذمہ داریوں کا بہت ہی کم احساس فرماتے ہیں۔ ہمارے نوجوان مدیر ماہنامہ شیخ غیاث الدین صاحب کا دم بھی غنیمت ہے جو کہ پوری توجہ اور انہماک سے ہمارے ماہنامے اور ادارے کو بامِ عروج پر لے جانے کی ہر وقت کوشش فرماتے رہتے ہیں۔ شیخ شریف حسین صاحب جعفری البتہ بڑے شوق سے دفتر کے کام میں مدد فرماتے ہیں۔ اُن کی صحت گذشتہ سال سے خراب رہی مگر وہ برابر کچھ نہ کچھ کام میں حصہ لیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کامل عطا فرمائے۔ میں اپنے ہر دو سرپرستوں یعنی قبلہ مولانا الحاج مرزا احمد علی صاحب و قبلہ رئیس المحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین صاحب صدر محترم سید مولانا امداد حسین صاحب کاظمی اور مولانا سید مرتضےٰ حسین صاحب صدر الافاضل اور مولانا سید اظہر حسن صاحب زیدی کا بہت شکرگزار ہوں۔ جو ہماری رہنمائی فرماتے رہے۔ میں اپنے نائب صدر جناب مستطاب سید محمد یحییٰ علی شاہ صاحب کا بیحد ممنون ہوں جو ادارہ معارف اسلام کو بامِ عروج پر لے جانے میں پورے مددگار ہیں اور جن کی کوششوں اور اعانت سے کتاب مستطاب مظلومِ کربلا زیورِ طبع سے آراستہ ہوسکی۔ میں مکرر شیخ غیاث الدین صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس قدر امداد اس ہستی سے ادارہ کے جملہ کاموں میں مجھے ملتی ہے میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ ان کو شکریے کے لئے پیش کرسکوں۔ شیخ شوکت علی صاحب قسیم مدیر مالیات بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے ادارہ کی مالیات کے سلسلہ میں کافی حصہ لیا ہے۔ اور سید اختر علی شاہ باقری بھی شکریہ کے مستحق ہیں جو ادارہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

آپ دُعا فرماویں کہ خداوند کریم اس ادارہ کو دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ اور یہ دنیا میں دن کو مثل آفتاب اور رات کو مثل بدرِ کامل چمکتا نظر آئے۔ آمین بحق محمد و آلِ الطیبین الطاہرین۔

احقر العباد :- معراج الدین خواجہ جنرل سیکرٹری

سالانہ رپورٹ منجانب فنانشل سیکرٹری ادارۂ معارف اسلام

(جو انہوں نے سالانہ جلسہ میں پڑھ کر سنائی)

صاحب صدر و معزز اراکین ادارہ!

سلام علیکم۔

ایک سال کے بعد ایک بار پھر مجھے آپ کی خدمت میں ادارہ کے مالیات کی رپورٹ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ جہاں تک رپورٹ کا تعلق ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے ادارہ کو ۲۲۳۱ روپے ۸۷ پیسے خالص منافع ہوا اور ادارہ کا سرمایہ ۷۴۶۷/- روپے ۳۰ پیسے سے بڑھ کر ۹۶۹۹/- روپے ۱۷ پیسے ہو گیا ہے۔ جو کہ ہمارے لئے باعث اطمینان و فخر ہے۔ کیونکہ اس سال بھی ہم نے رسائل و کتب کی مفت تقسیم جاری رکھی۔ اور سال کے دوران میں ۳۷۱۴/- روپے ۶۳ پیسے کا لٹریچر مفت تقسیم کیا۔ لیکن اس کے باوجود موجودہ مالی پوزیشن بہتر ہو گئی ہے۔

سال گذشتہ کے مقابلہ میں اگرچہ ہماری آمدن میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ لیکن اس کو تسلی بخش نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ تمام تجاویز پر عمل کرنے کے لئے ہم کو ایک معقول رقم درکار ہے اور روپیہ کی کمی کے باعث ہم نے اپنی سرگرمیوں کو محدود رکھا۔ جس کی وجہ سے سال کے دوران ہم کوئی پمفلٹ یا رسالہ جاری نہ کر سکے۔ مظلومۂ کربلا جیسی ضخیم کتاب کی اشاعت بھی محترم سید یحییٰ علی شاہ صاحب کی رہین منت ہے۔ جنہوں نے اس مقصد کے لئے قرض حسنہ عطا کیا کہ کتاب کی اشاعت و فروخت کے بعد اُن کو اصل رقم واپس کر دی جائے۔

ادارہ کی مالی حالت کو بہتر بنانے کے لئے ہم نے ادارہ کے ریزرو فنڈ کو ذاتی ضمانت پر مشترک کاروبار میں لگایا۔ اگرچہ ہمارا روپیہ بالکل محفوظ ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری امید پوری نہیں ہوئی۔ کاروبار میں موجودہ کساد بازاری اور قیمتوں میں کمی کی وجہ سے ابھی تک کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ کیونکہ ہمارا مقصد ادارہ کی آمدن میں اضافہ تھا

اور اگر یہ مقصد پورا نہ ہؤا تو ہم اپنی رقم معاہدہ کے مطابق ایک سال کی تکمیل کے بعد لے کر کسی اور متبادل انتظام پر غور کیا جائے گا۔ تاکہ ہمارا فنڈ بھی محفوظ رہے۔ اور آمدنی کا کوئی ذریعہ پیدا ہو سکے۔

اگرچہ آمدن میں مجموعی طور پر اضافہ ہی ہؤا ہے۔ لیکن ہم کو اس پر مطمئن نہیں ہونا چاہئے بلکہ اگر ہم سب مل کر تگ و دو کریں ہمارے لئے مزید ترقی کے کئی مواقع موجود ہیں۔ اگر خدا کا فضل و کرم شامل حال رہا اور آپ نے تعاون کیا تو انشاء اللہ سال آئندہ اس رپورٹ سے بہتر رپورٹ پیش کی جا سکے گی۔

عہدہ داروں کا خلوص اور اُن کی محنت صرف اسی بات سے ظاہر ہے کہ ادارہ کے دفتر پر صرف -/990 روپے خرچ کئے گئے۔ جب کہ سال بھر میں -/9176 روپے 43 پیسے کا لین دین کیا گیا۔ جس کے لئے تمام اعزازی عہدہ دار شکریہ کے مستحق ہیں۔

اب میں ادارہ کے مالی نظام کے چند اہم امور کی طرف آپ کی توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اور اُمید رکھتا ہوں کہ آئندہ قائم ہونے والی مجلس نظامت اُن پر غور کرے گی۔

۱۔ ہمارے محصلین کو کمیشن کی ادائیگی میں اکثر تاخیر ہو جاتی ہے۔ اور دفتری کارروائی میں کافی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ جو کہ نامناسب ہے۔ لہٰذا آئندہ کے لئے مدیر مالیات کو اختیار دیا جائے کہ جب وہ کسی محصل سے چندہ عطیہ کی فراہم شدہ رقم وصول کرے اُسی وقت کمیشن کی رقم ادا کر کے رسید حاصل کرے۔ اس سے جہاں وقت کی بچت ہوگی وہاں کارکنوں میں اعتماد پیدا ہوگا۔

۲۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ ادارہ کا کوئی ہمہ وقتی سیکرٹری نہیں ہے۔ بلکہ اعزازی جنرل سیکرٹری صاحب جو سارا دن دفتر کے اوقات میں دفتر میں حاضر رہنے کے پابند نہیں ہیں جس کی وجہ سے بلوں کی ادائیگی میں اکثر تاخیر ہو جاتی ہے۔ جو کہ نامناسب ہے۔ لہٰذا جنرل سیکرٹری صاحب کو ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ اُن کی عدم موجودگی میں بھی دفتر کے سٹاف میں سے کوئی ذمہ دار فرد واجب الادا رقوم کو ادا کر سکے۔

۳۔ ادارہ کی آمدن کے اہم ذرائع زر رکنیت عطیہ چندہ ماہنامہ اشتہارات فروخت کتب ہیں اور مجھے افسوس ہے کہ ہم نے ان ذرائع سے پورا پورا فائدہ نہیں اُٹھایا۔ کیونکہ سال بھر میں نہ تو نئے خریدار بنائے گئے۔ اور نہ ہی ممبروں کی تعداد میں کوئی قابل قدر اضافہ ہؤا۔ اشتہارات کی آمدن میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ اور یہ سب ہماری عدم توجہی کی وجہ سے ہؤا۔ ہم نے اپنے وسائل اور اثر و رسوخ سے پورا فائدہ ہی نہیں اُٹھایا۔ پاکستان

بھر میں ہمارے کاروباری ادارے موجود ہیں۔ اور اگر ہم اُن تک رسائی حاصل کریں تو یقیناً اشتہارات سے ہی ایک معقول آمدن ہو سکتی ہے۔ یہی صورت حال ممبروں کے اضافہ میں ہے ہم نے اس مقصد کے لئے کوئی خاص کوشش ہی نہیں کی۔ اور اگر ہم سال میں دوبار ہفتہ رکنیت منانے کا انتظام کریں تو مجھے یقین ہے کہ ممبروں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکتا ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ تجویز ہے کہ جو رکن ادارہ دو نئے ممبر بنائے اُس کو دو روپے کی کتب مفت دی جائیں۔ اور جو دوامی ممبر بنائے اُس کو ادارہ کی -/۲۵ روپے کی کتب پیش کی جائیں۔ جہاں ہمارے ممبروں اور خریداروں میں اضافہ ہوگا وہاں ہمارا لٹریچر بھی عوام تک پہنچ جائے گا جو کہ ہمارا مقصد ہے۔

ہر شہر میں ادارہ کی شاخیں قائم کی جائیں۔ اور مقامی سیکرٹری صاحبان مقامی طور پر چندہ فراہم کرنے کی کوشش کریں۔ جو کہ ہر ماہ باقاعدہ طور پر صدر دفتر کو روانہ کر دیا جائے۔

میری دلی خواہش ہے کہ ہمارا ادارہ کاروباری خطوط پر کام کرے اور اس مقصد کے لئے ایک خاص فنڈ قائم کیا جائے۔ جس کے حصص ہمارے عوام میں تقسیم کئے جائیں اور سالانہ منافع میں سے ایک معقول حصہ حصہ داروں میں تقسیم کیا جائے۔

اگر مجلس نظامت کوئی قابل عمل تجویز مرتب کر کے قوم کے سامنے پیش کر سکے تو ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔

آخر میں میں تمام عہدہ داروں۔ کارکنوں اور سٹاف کا اُن کے تعاون کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور خاص طور پر محترم شیخ شریف حسن صاحب جعفری اور غیاث الدین صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے حسابات کی تکمیل میں میری اعانت ہی نہیں بلکہ رہنمائی بھی کی

سالانہ ٹریڈنگ اکاؤنٹس از یکم جولائی ۱۹۶۰ء تا ۳۰ جون ۱۹۶۱ء

	پیسے	روپے
فروخت کتب	۱۲	۱۳۳۱
زر ڈکنیت	۵۶	۴۶۹۷
چندہ ماہنامہ	۶۸	۲۹۴۰
عطیہ جات	۵۳	۴۹۱
اشتہارات	-	۳۸۱
قیمت کتب و رسائل مفت تقسیم	۶۳	۴۱۷۳
سٹاک سال آخر	۹۰	۵۱۶۳
میزان	۴۳	۱۹,۱۷۹

	پیسے	روپے
سٹاک سال شروع	۵۶	۳۳۳۸
خرید کاغذ	۱۸	۲۴۲۱
؍ کتب	۲۶	۶۳۲
اخراجات کتابت وطباعت	۳۹	۳۴۶۵
	۳۹	۹,۸۵۷
	۰۴	۹,۳۲۲
میزان	۴۳	۱۹,۱۷۹

نفع نقصان کھاتہ

	پیسے	روپے
کل منافع	۰۴	۹۳۲۲
میزان	۰۴	۹۳۲۲

	پیسے	روپے
ایڈورٹائیزمنٹ	۶۲	۵۶
تنخواہ سٹاف	۰۰	۹۹۰
خرچہ ڈاک	۳۸	۸۱۵
سفر خرچ	۰۰	۱۶
سٹیشنری	۲۳	۴۴
کمیشن فراہمی چندہ	۲۱	۱۹۸
کرایہ دفتر	۰۰	۵۲۸
کمیشن بنک وغیرہ	۶۳	۸
لیبر خرچہ	۳۵	۱۵۳
قیمت کتب رسائل مفت تقسیم	۶۳	۴۱۷۳
خرچہ پیکنگ	۷۴	۳۰
ناقابل وصولی و بٹہ کھاتہ	۳۸	۷۵
	۱۷	۷۰۹۰
خالص نفع	۸۷	۲۲۳۱
میزان	۰۴	۹۳۲۲

بیلنس شیٹ سال اختتام ۳۰ جون سنہ ۱۹۶۱ء

	پیسے	روپے
سٹاک موجود	۹۰	۵۱۶۳
بنام کواپریٹو بنک	۰۸	۴۴۹
فرنیچر	۲۵	۳۸۹
رقم در تحویل سیکرٹری	۰۰	۲۰۰
" نقد موجود	۱۲	۸۰۳
" واجب الوصول	۶۲	۴۲۸۹
ڈاک ٹکٹ	۰۸	۶
میزان	۰۵	۱۱,۳۰۲

	پیسے	روپے
	۳۰	۷۴۶۷
خالص نفع	۸۷	۲۲۳۱
	۱۷	۹۶۹۹
رقم واجب الادا	۸۸	۱۶۰۲
میزان	۰۵	۱۱,۳۰۲

حساب مشرقی پاکستان

	پیسے	روپے
آمدن	۷۷	۲۶۸
اشاعت کتب	۰۰	۱۷۱
بقایا	۷۷	۹۷
میزان	۷۷	۹۷

بقیہ :- گفتنی ھا

اس لئے اس گناہ سے روکنے کے لئے قانون کی ضرورت ہے۔

سوال ۱۱ - کیا طلاق کو رجسٹر کرانا بھی ضروری ہے؟

سوال ۱۲ - طلاق کو رجسٹر کرانے کی کیا سزا ہونی چاہئے؟

جواب ۱۱ و ۱۲ - اگرچہ طلاق و خلع کی رجسٹری شرعاً لازم و ضروری نہیں۔ مگر جیسے یادداشت نکاح کے متعلق رجسٹر میں اندراج تجویز ہوا ہے۔ ویسے ہی طلاق و خلع میں بھی ہو جائے اور اس کے لئے بھی وہی ہدایات ہوں، جو نکاح کے لئے ہیں۔ جب طلاق / خلع پڑھا جائے۔ تو اسی وقت رجسٹر میں طلاق دہندہ اور گواہوں کے دستخط یا نشان انگوٹھا رجسٹر پر لئے جائیں۔ اور یہ بھی عورت کے بیان سے لکھا جائے کہ وہ طہر میں ہے۔ بشرطیکہ فریقین کو جدا ہوئے مدت نہ گزر گئی ہو۔ طلاق خوان باقاعدہ عالم واقف مسائل و عادل ہونا چاہئے۔ اس کے لئے ہر گاؤں کا ملا موزوں نہیں۔ جہاں ان صفات کا عالم ہو، وہ طلاق یا خلع پڑھائیں اور اسی کے رجسٹر طلاق / خلع میں یہ طلاق / خلع درج ہو۔ اور وہ دوسرے مہینے کی بارہ تک اس کی مصدقہ نقل صدر مقام کو بذریعہ رجسٹری بھیج دے۔ اور ڈاکخانہ کی رسید اپنے رجسٹر میں چسپاں کرے۔ طلاق / خلع دہندہ ہی کو عدم رجسٹری کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ اور معلوم ہونے پر اسے تنبیہ کی جائے۔ اور طلاق / خلع کو درج رجسٹر کرایا جائے۔ مجوزہ فارم طلاق / خلع اس کے ساتھ ہے طلاق کیلئے بھی باقاعدہ فارم ہونا چاہئے۔ اور اسے وکیل شوہر / زوجہ طلاق / خلع پڑھنے کے بعد پُر کر کے دستخط کرا کر ایک شوہر کو اور ایک مطلقہ / مختلعہ کو دے۔" (قوانین شرعیہ مطبوعہ ادارہ معارف اسلام)

اسلئے اس گناہ کو روکنے کے لئے قانون کی ضرورت ہے۔ جو "عائلی قوانین" صدر مملکت پاکستان کی صدارت میں ۲، مارچ ۱۹۶۱ء کو منظور ہو کر شائع ہوئے :-

"جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دے وہ ایک تحریری نوٹس چیئرمین کو اور اس کی ایک نقل اپنی بیوی کو بھیجے۔ ورنہ ایک سال قید محض یا پانچ ہزار روپیہ جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائینگی۔ نوٹس ملنے کے بعد چیئرمین ایک ماہ کے اندر اندر ایک ثالثی کونسل قائم کریگا، جو دونوں فریقوں میں مصالحت کی کوشش کریگی۔ اگر مصالحت ہو جائے تو طلاق کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر وہ اپنی طلاق واپس لے سکتا ہے۔ اگر مصالحت نہ ہو سکے اور تین ماہ گزر جائیں تو طلاق واقع ہو جائیگی جس کے بعد اگر دونوں راضی ہوں تو دوبارہ بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ اور یہ ضروری نہ ہوگا کہ سابقہ بیوی پہلے کسی اور شخص سے شادی کرے لیکن اس طریق کار سے اگر تین مختلف دفعہ طلاق کی توثیق ہو جائے۔ تو پھر اس طرح دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ نیز اگر طلاق کے وقت بیوی حاملہ ہو تو تین ماہ اور زچگی میں جو مدت زیادہ ہوگی۔ وہی مدت شمار ہوگی۔" خدا کرے صد مرحبا و - پاکستان زندہ باد - جب تک دنیا کتاب اللہ و عترت رسول اللہ کے بتائے اور سمجھائے ہوئے راستہ پر نہ چلے گی مصیبتوں کا مداوا نہ ہو سکے گا۔

(ادارہ)

اعلانات و اطلاعات

ممبران ادارہ "معارف اسلام" کا سالانہ جلسۂ عام

یہ جلسہ ۱۳ ستمبر ۱۹۶۱ء بمطابق ۳ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ بروز اتوار بوقت ۹ بجے صبح بہ مکان علامہ الحاج مرزا احمد علی صاحب منعقد ہوا۔ ممبران کی حاضری توقع سے بہت زیادہ تھی جلسہ کی صدارت سرپرست اول ادارہ یعنی جناب الحاج علامہ مرزا احمد علی صاحب قبلہ نے فرمائی۔ تلاوت قرآن حکیم کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔

(۱) سابقہ سال کے جلسۂ عام کی کارروائی جنرل سیکرٹری صاحب نے پڑھ کر سنائی جس کی تصدیق کی گئی۔

(۲) جنرل سیکرٹری ادارہ یعنی خواجہ سراج الدین صاحب نے سال گذشتہ کے متعلق اپنی مکمل رپورٹ پیش کی اور پڑھ کر سنائی۔ یہ رپورٹ اسی شمارہ میں درج ہے۔

(۳) فنانشل سیکرٹری صاحب شیخ شوکت علی نسیم بی۔ اے نے اپنی رپورٹ بابت مالیات ادارہ پڑھ کر سنائی۔ یہ رپورٹ بھی اسی شمارہ میں مکمل درج ہے۔

(۴) جناب آڈیٹر ادارہ شیخ شریف حسین صاحب جعفری نے ادارہ کے اکاؤنٹس کے متعلق اپنی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ اور جو سقم بتائے بالاتفاق رائے فیصلہ ہوا۔ کہ وہ آئندہ ادارہ کے اکاؤنٹس میں سے دور کئے جائیں۔ مندرجہ بالا ہر سہ رپورٹوں پر بحث کے بعد اطمینان کا اظہار کیا گیا۔

(۵) ادارہ کا سالانہ چناؤ بالاتفاق طے ہوا۔ اور کسی قسم کا اختلاف پیدا نہیں ہو سکا۔ کیونکہ چناؤ کا طریق کار جمہوری نہیں بلکہ معیاری ہے۔ اور اہلیت و قابلیت کی بنا پر مناسب اشخاص کو خود آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ یہ خدمت سرانجام دیں اور ان کی منظوری پر فیصلہ ہوتا ہے۔ آئندہ سال کے لئے مندرجہ ذیل منتظمین چنے گئے:۔

صدر: علامہ سید امداد حسین صاحب کاظمی
نائب صدر: سید محمد یحییٰ علی شاہ صاحب نقوی البخاری
جنرل سیکرٹری: خواجہ سراج الدین امرتسری
جائنٹ سیکرٹری: شیخ نصیر احمد صاحب عاصی
فنانشل سیکرٹری: شیخ شوکت علی صاحب نسیم
مدیر نشر و اشاعت (اردو): سید حسن علی شاہ صاحب کاظمی
مدیر نشر و اشاعت (انگریزی) سید اقبال حسین رضوی
مدیر ماہنامہ معارف اسلام: شیخ غیاث الدین
نگران ماہنامہ: علامہ سید امداد حسین کاظمی
آڈیٹر حسابات: شیخ شریف حسین جعفری
مجلس نظامت: انتظامیہ کمیٹی میں منتظمین ادارہ کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات ممبران چنے گئے:۔

(۱) الحاج علامہ مرزا احمد علی
(۲) رئیس المحققین علامہ حافظ کفایت حسین
(۳) پروفیسر سید فقیر حسین بخاری ایم۔اے
(۴) مولانا سید اظہر حسن زیدی
(۵) مولانا ملک مہدی حسن علوی
(۶) مولانا سید مرتضےٰ حسین صدر الافاضل
(۷) ملک صادق علی عرفانی (مدیر شیعہ)
(۸) ڈاکٹر مرزا حسن عسکری ایم بی بی ایس
(۹) شیخ محمد صدیق صاحب بی اے (ایڈیٹر رضا کار)
(۱۰) سید محرم علی شاہ صاحب (چوک نواب صاحب)
(۱۱) سید شریف حسین شمسی۔ (سمن آباد)
(۱۲) ڈاکٹر خواجہ الطاف حسین (پنجاب پبلشرز)
(۱۳) خواجہ غلام محمد اصفہانی
(۱۴) شیخ انور علی صاحب (مالک فرم امیر علی انور علی)
(۱۵) سید اختر علی شاہ صاحب باقری

علمی بورڈ :۔

مندرجہ ذیل حضرات ممبران علمی بورڈ ادارہ منتخب ہوئے :۔

(۱) علامہ مرزا احمد علی
(۲) علامہ سید امداد حسین کاظمی
(۳) مولانا سید مرتضےٰ حسین صدر الافاضل
(۴) مولانا ملک مہدی حسن صاحب علوی
(۵) سید محمد یحییٰ علی شاہ صاحب نقوی البخاری

(علمی بورڈ کے کنوینر سید محمد یحییٰ علی شاہ صاحب ہونگے)

لوکل سیکرٹریاں ادارہ مندرجہ ذیل حضرات منتخب ہوئے :۔

(۱) برائے مشرقی پاکستان :۔ سید محمد حسین صاحب تیج گاؤں۔ ڈھاکہ

(۲) جائنٹ سیکرٹری برائے مشرقی پاکستان۔ (سید صاحب خود وہاں کے حالات کے مطابق خود منتخب فرمادیں)

(۳) برائے کراچی :۔ سید محمد مہدی رضوی۔ رضویہ کالونی کراچی۔

(۴) برائے علاقہ سندھ :۔ محترم منظفر حسین سومرو۔ ایم اے ایل ایل بی۔ حیدر آباد

(۵) برائے بہاولپور :۔ ماسٹر عبد الکریم صاحب بہاولنگر

(۶) برائے ملتان :۔ خلیفہ جعفر حسین صاحب

(۷) آزاد کشمیر :۔ کیپٹن سید حسین شاہ صاحب میرپور (آزاد کشمیر کے منظور لوکل سیکرٹری۔ کیپٹن صاحب موصوف خود وہاں کے حالات کے مطابق مقرر فرمادیں)

(۸) برائے حلقہ پھلروان :۔ ڈاکٹر نذیر احمد حیدر

(۹) کویت :۔ سید غلام حسنین حیدری بقیام احمدی

(۱۰) برائے انگلستان :۔ سید منظور حسین جعفری برمنگھم (انگلینڈ)

دیگر لوکل سیکرٹریاں برائے لائلپور، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، سرگودھا، منٹگمری، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ، ڈیرہ جات، اسکردو اور پارہ چنار ——

ادارہ کے منتظمین کا وفد وہاں جاکر یا وہاں کے ممبران سے مشورہ حاصل کرکے بنائیگا۔

(۶) ادارہ کے آئندہ پروگرام و دفتری امور کے متعلق باتفاق رائے مفید اور پسندیدہ فیصلے کئے گئے جلسہ عام بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

لوکل سیکرٹریاں ادارہ کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنے اپنے حلقہ کے ممبران سے وصولی کراکر

رکنیت کی تفصیلات جلد از جلد دفتر ادارہ میں
جناب فنانشل سیکرٹری صاحب کو ارسال کریں۔

بنگالی زبان میں نیا کتابچہ:۔ بنگالی
خواندہ حضرات یا جن کے دوست بنگالی خواندہ
ہوں اُن ممبرانِ ادارہ کی خدمت میں استدعا ہے
کہ ادارہ کا نیا بنگالی کتابچہ "عقائدِ شیعہ"
جناب سید محمد سبطین صاحب ڈی۔ ایل۔ آر۔
آفس۔ تیجگاؤں ڈھاکہ سے فوراً ۵۰ پیسے
کے ٹکٹ ڈاک بھیج کر حاصل کریں۔ (ممبرانِ ادارہ
کو رقم ارسال کرنے کی ضرورت نہیں وہ صرف پوسٹ
کارڈ کے ذریعے ادارہ کا رکنیت نمبر لکھ کر منگوا
سکتے ہیں۔) یہ رسالہ بہت مفید اور غلط فہمیاں
دُور کرنے والا ثابت ہُوا ہے۔

بیساختہ و برجستہ اور استفسارات کے کالم

اس مرتبہ سیکرٹریانِ ادارہ کے رپورٹ ہائے کی اشاعت
کی وجہ سے یہ ہر دو کالم درج نہیں کئے جا سکے۔
انشاءاللہ آئندہ شمارہ میں یہ کسر پوری ہو جائیگی۔

ادارہ کی توسیع رکنیت و خریداری ماہنامہ

جملہ ممبرانِ ادارہ و خریدارانِ ماہنامہ کی خدمت
میں گزارش ہے کہ وہ ایک ایک ممبر ادارہ یا ایک
ایک خریدار ماہنامہ اور بنائیں یعنی صرف ایک
ایک جو بنانا بالکل مشکل نہیں۔ اس عمل سے
ایک تو ادارہ کی بنیادیں زیادہ پختہ ہو جائینگی
اور دوسرے محمدؐ و آلِ محمدؐ کا پیغام زیادہ سے
زیادہ کانوں تک پہنچ سکے گا۔ صرف آپکی معمولی
توجہ کی ضرورت ہے۔

ادارہ کا مشہور علیؑ و فاطمہؑ نمبر:۔

آئندہ شمارہ یعنی ماہ جمادی الثانی کے شمارے کے
بعد جو اگلا شمارہ ماہ رجب کا شائع ہوگا۔ وہ
"علیؑ و فاطمہؑ" نمبر ہوگا۔ جس میں زوجین مقدس
کے حالات اور اُمت کی اُن کی متابعت میں نجاتِ
دنیوی و اُخروی کے متعلق پوری پوری روشنی
ڈالی جائے گی۔ لہٰذا جملہ ذی علم حضرات یعنی علماء
و اہلِ قلم و شعراء کی خدمت میں درخواست ہے کہ
اپنی اپنی تحقیقات و دماغی اثرات اور نظم و نثر
کی صورت میں عقیدت کے پھول جلد از جلد مدیر
اعزازی کو ارسال فرما دیں۔
یقین ہے کہ حضرت سید العلماء۔ حضرت سعید الملت
علامہ کاموں پوری۔ علامہ مرزا صاحب۔ علامہ
کاظمی صاحب۔ حضرت سلطان القلم۔ جناب عقیل الغروی
اور ہمارے مخصوص ڈاکٹر صاحبان یعنی ڈاکٹر احمد حسین
نقوی۔ ڈاکٹر محمود بخاری۔ ڈاکٹر عسکری بن احمد۔ و دیگر
اہلِ فہم و قلم و شعرائے ملت جلد از جلد توجہ فرمادینگے

اعلان بابت کتاب "جمہوریت و امامت"

شمارہ ہذا میں یہ کتاب اختتام کو پہنچا دی گئی۔
۳۰۸ صفحات مکمل کر کے ابتدائی ۱۶ صفحات فہرست
و مقدمات بھی مکمل ہو چکے۔ قارئین کرام جلد کراتے وقت
ابتدائی ۱۶ صفحے ابتدا میں لگائیں اور بقایا آخر کتاب
میں۔ جن حضرات نے مکمل صفحات جمع کئے ہوں وہ کاغذ
لکھ کر دفتر ادارہ سے اُوپر کا ٹائیٹل منگوا لیں جن
کے کوئی اجزا گم ہو گئے ہوں وہ دفتر ادارہ کو اطلاع
دے کر قیمتاً حاصل کریں۔ جو وی۔ پی کئے جائینگے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو ناپسند ہو اور وہی تمہارے لئے اچھی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو [illegible]

وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ (پ ۸ ع الانعام)

اور اگر تم ان لوگوں میں سے جو زمین میں ہیں اکثر کا کہنا مان لو گے تو وہ تم کو راہ خدا سے بھٹکا دیں گے وہ گمان ہی

گمان کی پیروی کرتے ہیں اور جو بات کہتے ہیں اٹکل پچو کہتے ہیں

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَھُمْ اَئِمَّۃً وَّنَجْعَلَھُمُ الْوٰرِثِیْنَ۔ (پ ۲۰ ع القصص)

اور ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو اس زمین میں کمزور کردیئے گئے ہیں احسان کریں اور ان کو امام

بنائیں اور ان کو ہم وارث قرار دیں

ہنوز ایں چرخِ نیلی کج خرام است — ہنوز ایں قافلہ دور از مقام است
زکارِ بے نظامِ او چہ گویم — تو می دانی کہ امت بے امام است
(اقبال علیہ الرحمۃ)

کتاب موسومہ

الجمہوریت والامامت

(اختیاراتِ حکومت منجانب اللہ؟ یا منجانب الناس؟ پر تحقیقی بحث اور ظہورِ امامؑ سے قبل کا طریق کار جمہوریت یا معیاریت؟)

تصنیف و تالیف

شیخ غیاث الدین - مدیر معارف اسلام

ناشر:- ادارۂ معارفِ اسلام (رجسٹرڈ) پاکستان - لاہور

بارِ اوّل

سال طباعت ابتداء ———— ۱۹۵۷ء

〃 〃 اختتام ———— ۱۹۶۱ء

تعداد ———— ۱۶۰۰

کل صفحات ———— ۳۹۲

سائز ———— ۲۰×۲۶/۸

ناشر ———— ادارۂ معارف اسلام (رجسٹرڈ)

مطبع ———— تعلیمی پریس - لاہور

قیمت ———— چار روپے بلا جلد۔
مجلد پانچ روپے ۲۵ پیسے

(ممبرانِ ادارہ و خریداران ماہنامہ معارف اسلام میں مفت تقسیم کی گئی)

مندرجات کتاب "جمہوریت اور امامت"

فہرست ضمنی اعتراضات اور انکے جوابات

فہرست دلچسپ معلوماتی فٹ نوٹ

ماخذِ کتاب ہذا

(۱) قرآنِ حکیم (۰۰۲ آیاتِ مبارکہ کو بطور جواز پیش کیا گیا اور ان سے استدلال کیا گیا)
(۲) تفسیر دُرِ منثور (سیوطی)
(۳) تفسیر ثعلبی
(۴) تفسیر کبیر (رازی)
(۵) تفسیر معدن الجواہر
(۶) تفسیر بہاء (واحدی)
(۷) تفسیر معالم التنزیل
(۸) تفسیر روح المعانی
(۹) تفسیر اتقان (سیوطی)
(۱۰) تفسیر صافی (بحوالہ تفسیر قمی)
(۱۱) تفسیر قمی
(۱۲) تفسیر انوار القرآن (علامہ راحت حسین گوپال پوری)
(۱۳) نہج البلاغۃ (کلام امیر المومنینؑ متفقہ شیعہ و سنی)
(۱۴) کلام سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا
(۱۵) توریتِ موسےٰؑ (عہد نامہ قدیم) کتاب پیدائش
(۱۶) انجیلِ عیسےٰؑ (عہد نامہ جدید) کتاب یوحنا و متی
(۱۷) جامع الترمذی
(۱۸) ابن ماجہ
(۱۹) ابو داؤد

(۲۰) جامع بخاری
(۲۱) جامع بخاری (اردو ترجمہ)
(۲۲) جامع مسلم
(۲۳) مشکوٰۃ (مع اردو ترجمہ موسومہ مظاہر حق)
(۲۴) مشکواۃ المصابیح
(۲۵) مرقاۃ شرح مشکواۃ ملا علی قاری
(۲۶) فتح الباری شرح صحیح البخاری (ابن حجر عسقلانی)
(۲۷) مسند احمد حنبل
(۲۸) جامع النسائیؒ
(۲۹) کتاب الشفاء (قاضی عیاض)
(۳۰) اکمال الدین
(۳۱) عیون الاخبار الرضا
(۳۲) معانی الاخبار
(۳۳) امالی
(۳۴) اصول کافی
(۳۵) بحار الانوار (علامہ مجلسی)
(۳۶) مستدرک علی الصحیحین (حاکم)
(۳۷) جامع صغیر (سیوطی)
(۳۸) مسند (عبد اللہ بن عمر)
(۳۹) زیادات المسند (ابن احمد)
(۴۰) تذکرۃ الحفاظ (علامہ ذہبی)
(۴۱) ما نزل من القرآن (حافظ ابو نعیم)
(۴۲) غریب القرآن
(۴۳) معدن الجواہر
(۴۴) تاریخ الخلفاء (سیوطی)

(۴۵) تاریخ حبیب السیر
(۴۶) تاریخ طبری
(۴۷) تاریخ الکامل (ابن اثیر)
(۴۸) تاریخ ابن خلدون
(۴۹) تاریخ ابن کثیر (شامی)
(۵۰) تاریخ اعثم کوفی
(۵۱) تاریخ خمیس (دیار بکری)
(۵۲) تاریخ ابو الفداء
(۵۳) تاریخ الائمہ (مطبوعہ اصلاح کھجوہ)
(۵۴) وفیات الاعیان (ابن خلکان)
(۵۵) اخبار الدول آثار اول (احمد بن یوسف دمشقی)
(۵۶) روضۃ الصفاء (محمد ابن خاوند شاہ)
(۵۷) فتوحات مکیہ (محی الدین ابن عربی)
(۵۸) معارج النبوۃ (ملا معین)
(۵۹) ریاض النضرہ (محب الدین طبری)
(۶۰) فصول المہمہ
(۶۱) کتاب اربعین (جمال الدین محدث دہلوی)
(۶۲) جامع الکبیر (جلال الدین سیوطی)
(۶۳) تذکرہ خواص الامہ
(۶۴) مفتاح النجا فی مناقب آل عبا
(۶۵) کتاب المناقب (ابن مغازلی)
(۶۶) کتاب الاکتفا (وصابی)
(۶۷) منہاج السنۃ (ابن تیمیہ)
(۶۸) مناقب (ابن شہر آشوب)
(۶۹) الاستیعاب فی معرفت الاصحاب

(۷۰) سرّ العالمین (غزالی)
(۷۱) ربیع الابرار
(۷۲) اسد الغابہ فضائل الصحابہ (ابن الاثیر)
(۷۳) مطالب السئول (محمد ابن طلحہ شافعی)
(۷۴) مودۃ القربیٰ (علی ہمدانی شافعی)
(۷۵) مدارج النبوۃ
(۷۶) وسیلۃ النجات (مُلّا مبین فرنگی محلی)
(۷۷) اکلیل الکرامہ فی بیان مقصد الامامہ (نواب صدیق حسن خان)
(۷۸) مجالس المحربین
(۷۹) نفس رسولؐ (مطبوعہ "اصلاح" کجھوہ)
(۸۰) کنز العمال (علی متقی)
(۸۱) کتاب المناقب (موفق)
(۸۲) فرائد السمطین (حموینی)
(۸۳) منصب امامت (شاہ اسمٰعیلؒ شہید)
(۸۴) شواہد النبوۃ (مُلّا جامیؒ)
(۸۵) کنز البراہین الکسبیہ و الاسرار الوہبیہ الغیبیہ
(۸۶) نور الابصار (علامہ شبلنجی)
(۸۷) کشف الغمہ
(۸۸) ارشاد (شیخ مفید علیہ الرحمۃ)
(۸۹) ہدایت السعدا (شہاب الدین دولت آبادی)
(۹۰) مطالب عالیہ (فخر الدین رازی)
(۹۱) کتاب الاربعین (حافظ ابو نعیم)
(۹۲) عرف الوردی فی اخبار المہدی (سیوطی)
(۹۳) حلیتہ الاولیا (حافظ ابونعیم)
(۹۴) اسعاف الراغبین (الشیخ محمد الصبان)

(۹۵) انتصار الاسلام (علامہ کنتوری)
(۹۶) ملاحم (ابن المنادی)
(۹۷) ارجح المطالب (علامہ عبید اللہ بسمل)
(۹۸) روضۃ الاحباب (جمال الدین محدث)
(۹۹) نصائح کافیہ
(۱۰۰) ینابیع المودۃ (علامہ شیخ سلیمان حنفی قندوزی)
(۱۰۱) صواعق محرقہ (ابن حجر مکی)
(۱۰۲) ازالۃ الخفاء (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)
(۱۰۳) تحفہ اثنا عشریہ (شاہ عبد العزیز محدث دہلوی)
(۱۰۴) ابطال الباطل (فضل ابن روزبہان)
(۱۰۵) احتجاج (شمس العلماء حافظ نذیر احمد دہلوی)
(۱۰۶) مواعظ حسنہ (علامہ شیخ عبد العلی الہروی)
(۱۰۷) صراط السوی فی احوال المہدی (علامہ محمد سبطین)
(۱۰۸) فتنۂ تفسیر بالرائے (امداد الملت علامہ کاظمی)
(۱۰۹) البلاغ المبین (آغا محمد سلطان مرزا ۔ دہلوی)
(۱۱۰) دُرِّ مقصود (اولاد حیدر فوق بلگرامی)
(۱۱۱) ذبح عظیم (〃 〃 〃 〃)
(۱۱۲) دلیل العرفان (علامہ الحاج مرزا احمد علی)
(۱۱۳) نور ایمان (حافظ خیرات احمد)
(۱۱۴) وجودِ حجت (سیّد العلماء علامہ سیّد علی نقی لکھنوی)
(۱۱۵) غمِ حسینؑ (حسن میاں پھلواروی)
(۱۱۶) فتاوئے حائری (شمس العلماء علامہ سیّد علی الحائری)
(۱۱۷) معارف القرآن (چوہدری غلام احمد پرویز)
(۱۱۸) دو اسلام (ڈاکٹر غلام جیلانی برق)
(119) Decline & Fall of Roman Empire (ایڈورڈ گبن)

(۱۲۰) History of Saracens (گلبن)

(۱۲۱) Apology (ڈیون پورٹ)

(۱۲۲) History of Saracens (اسکلے)

(۱۲۳) Successors of Muhammad (واشنگٹن ارونگ)

(۱۲۴) Heroes & Hero's worship (کار لائیل)

(۱۲۵) قرار دادِ مقاصد (حکومت پاکستان)

(۱۲۶) روزنامہ پاکستان ٹائمز (Pakistan Times) لاہور

(۱۲۷) روزنامہ امروز لاہور

(۱۲۸) روزنامہ نوائے وقت لاہور

(۱۲۹) روزنامہ آفاق لاہور

(۱۳۰) ہفت روزہ نسیم جہلم

(۱۳۱) ماہنامہ معارف اسلام لاہور

(۱۳۲) یونیکو فیچر

(۱۳۳) اطلاعات ایران

(۱۳۴) مسدسِ حالی (خواجہ الطاف حسین حالی)

(۱۳۵) کلام مرزا غالب دہلوی

(۱۳۶) کلام مولوی ظفر علی خان لاہور

(۱۳۷) کلام سید الف شاہ سید پاکتھاد لاہور

(۱۳۸) اسرارِ خودی (اقبالؒ)

(۱۳۹) بانگِ درا (اقبالؒ)

(۱۴۰) بالِ جبریلؑ (اقبالؒ)

(۱۴۱) ضربِ کلیمؑ (اقبالؒ)

(۱۴۲) ارمغانِ حجاز (اقبالؒ) وغیرہ وغیرہ

ان کے علاوہ بیسیوں دیگر کتب معتبرہ و مستندہ شیعہ۔ سنی۔ اہلحدیث۔ صوفیائے کرام وغیرہ وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

انتساب

اُس مظلوم کے نام جو کربلا کے میدان میں آخر وقت تک اقتدارِ حکومتِ دنیا کے بغیرحق نیابتِ محمدؐ یہ ادا کرتا رہا جس کا نام حسینؑ تھا جس کی مظلومی اور سچائی سے دُنیا میں کسی کو بھی انکار نہیں جس کی بہتر ۷۲ نفوس کی فوج میں مختلف قبیلوں کے نوجوان بچے اور بوڑھے بھی شامل تھے۔ اور اسلام کی واحد مرکزیت کا ثبوت دے رہے تھے جس حسینؑ نے اجماع شخصی استخلاف شوریٰ اور غلبہ کے چاروں خود ساختہ اصولوں کو غلط ثابت کر دیا کیونکہ یزیدی حکومت کے جواز میں یہ چاروں اصول مشترکہ موجود تھے جس حسینؑ کی سالانہ یادگار کے موقع پر تمام دُنیا میں علم و عرفان کی بارش ہوتی ہے۔ اور کروڑہا انسان اسلامی علوم سے واقف ہوتے ہیں جس کے نعرۂ ھل من ناصرٍ نے کبھی ہمسایہ ملکِ ایران کے اُس سیّد زادے کو کھڑا کیا جو جمال الدینؒ افغانی کے نام سے مشہور ہے تاکہ عالم بھر کے مسلمان تسبیحِ اُخوت میں پروئے جائیں۔ اور کبھی حکیم مشرق ڈاکٹر اقبالؒ میں سوز و گداز پیدا کیا تاکہ مسلمان خودی کا فراموش شدہ درس پھر پڑھیں۔ اور اُس پر عمل کر کے عظمتِ گم گشتہ کو پھر حاصل کریں۔ اور ہمارے دَور میں قائدِ اعظم محمدؐ علی جناح علیہ الرحمۃ میں وہ فراست۔ تدبّر۔ دُور رسی اور رُعبِ حق پیدا کیا۔ جس کے ذریعے ایک قطرہ خون بہے بغیر مسلمانوں کو اُن کی سب سے بڑی سلطنت پاکستان حاصل ہوئی۔ اور جس نے پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم شہیدِ ملت لیاقت علی کو وہ حوصلہ دیا جس سے اُس نے کسی سے دبے بغیر مجلسِ دستور ساز پاکستان میں قرار دادِ مقاصد کو منظور کرایا۔ اور اس عہد میں مُنجی پاکستان محمد ایوب خان میں وہ جرأت پیدا کی جس سے جمہوریت کے بُتوں کو پاش پاش کر کے حیاتیت و قابلیت سے پاکستان کی ڈوبتی کشتی کو ساحلِ نجات تک لے آیا۔

✦

وعدۂ خدا تعالیٰ

جس وقت تمام دُنیا کی واحد حکومت بدستِ امامِ زمانہ آئیگی

★

قرآن پارہ ۲۳ سورۃ صٓ میں ہے :-

(۱) اذ قال ربک للملئکۃ انی خالق بشراً من طین ○ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہٗ سٰجدین ○ فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون ○ الا ابلیس ط .... الاخر

قرآن پارہ ۲۰ سورہ القصص :-

(۲) ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین ○

(۱) ترجمہ :- اُس وقت کو یاد کرو) جبکہ تمہارے پروردگار نے کُل فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں پھر جب میں اُسے بنا چکوں اور اُس میں اپنی (پیدا کی ہوئی) روح پھونک دُوں تو تم اُس کیلئے سجدہ میں گر پڑنا پس سب ہی فرشتوں نے تو سجدہ کیا۔ نہ کیا تو ابلیس نے۔ اُس نے تکبر کیا۔ اور کافروں میں شمار ہو گیا۔ (خدا تعالیٰ نے) سوال کیا اے ابلیس جسے میں نے اپنی قدرتِ خاص سے پیدا کیا اُسے سجدہ کرنے سے تجھے کیا چیز مانع آئی۔ اور تو نے خود سے بڑائی چاہی یا تو اعلےٰ درجے والوں میں سے ہو گیا؟ عرض کرنے لگا۔ میں اُس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اُسے مٹی سے بنایا ہے۔ فرمایا تو یہاں سے نکل جا کہ تو راندۂ درگاہ ہے۔ اور تجھ پر روزِ جزا تک کیلئے میری لعنت ہے۔ عرض کرنے لگا کہ اے میرے پروردگار تو مجھے اُس دن تک کیلئے مہلت دیدے جس دن یہ مبعوث کئے جائینگے فرمایا تجھے وقتِ معلوم کے دن تک کیلئے مہلت دی گئی ہے۔ اُس نے عرض کی اب تیری ہی عزت کی قسم اِن میں سے تیرے خالص بندوں کو چھوڑ کر اور تو میں سب ہی کو بہکاؤں گا۔ فرمایا یہ ٹھیک ہے اور میں بھی ٹھیک ہی کہے دیتا ہوں۔ میں بھی تجھ سے اور اِن میں سے جو جو بھی تیرے پیرو ہو جائینگے ان سب سے جہنم کو پاٹ ہی دونگا۔

(۲) ترجمہ :- اور ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں۔ کہ اُن پر جو اس سرزمین میں کمزور کردیئے گئے ہیں احسان کریں اور اُن کو امام بنائیں اور اُن کو ہم وارث قرار دیں۔

جاننے والوں کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ وہ ہماری طرف سے تم پر حجت ہیں۔ اور ہم حجت خدا تعالٰے ہیں۔" (فرمان امام زمانہ حاضرہ - بحار الانوار)

اور ایسا اعلان صرف حضرت امامؑ دورِ رواں ہی پر موقوف نہیں بلکہ ہر عہد میں چونکہ مختلف ممالک و مقامات کے افرادِ ملت میں سے تمام کی رسائی امامؑ تک نہ ہو سکتی تھی اسلئے دیگر ائمۂ وقت کی جانب سے بھی اسی قسم کے اعلانات جاری ہوئے۔ مثلاً امامِ ششم حضرت جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد :-

"اپنے میں اُس شخص کو دیکھو جو ہماری حدیثیں بیان کرتا ہو۔ اور ہمارے احکام کو جانتا ہو۔ بہ تحقیق کہ میں نے اُس کو تم پر حاکم بنایا ہے۔" (بحار الانوار)

نیز ارشاد فرمایا :-

"جو ہماری احادیث کی روایت کرے۔ اور ہمارے حلال و حرام کو جاننے والا ہو۔ اُس کو میں نے حاکم بنایا۔ پس اگر وہ کوئی حکم دے۔ اور اُس کو کوئی قبول نہ کرے۔ تو یقیناً حکم خدا تعالٰے کی توہین کی گئی۔ اور یہ رد اُس کی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے حکم کو رد کیا گیا اور ہمارے حکم کا رد کرنے والا اللہ تعالٰے کے حکم کا رد کرنے والا ہے۔ اور وہ شرک کی تعریف میں آتا ہے۔" (بحار الانوار)

یا امام یازدہم حضرت حسن عسکری کا ارشاد گرامی :-

"علماء ہمارے اور ہمارے ماننے والوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ اور ہمارے سفیر ہیں۔" (بحار الانوار)

اس قسم کے جملہ احکام و اعلانات کی رو سے جب امام تک رسائی نہ ہو۔ تو اپنے جملہ معاملاتِ زندگی انفرادی و اجتماعی کے لئے علماء کی طرف رجوع کرنا لازمی اور قرینِ عقل ہے۔ اور یہ احکام قرآنی کے بھی عین مطابق ہے۔ جیسا کہ متعدد آیات قرآن پیش کردہ سے ثابت ہے۔ قرآن حکیم کی ایک اور آیہ مجیدہ میں تو اس مطلب کو بالکل ہی صاف صاف الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے :-

"وما کان المومنون لینفروا کافۃ ط فلولا نفر من کل فرقۃٍ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین	اور مومنوں کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ سب کے سب ہی نکل پڑیں۔ پس اُن کے لئے ہر بڑے گروہ میں سے ایک چھوٹا جتھا کیوں نہیں

ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون۔ (پ ۱۱ ع ۴ التوبہ)	نکلتا کہ علم دین حاصل کرے اور جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو اُن کو ڈرائے۔ تاکہ وہ لوگ بھی ڈریں۔

اِس آیہ مجیدہ نے اسلامی حکومت میں نظامِ حکومت چلانے کے لئے جہاں افرادِ ملت سے ووٹ حاصل کرکے حاکم بن جانے یعنی طرزِ جمہوری کی رَد کی وہاں معیاریّت کو قائم کرکے نظامِ حکومت چلانے کا حکم ظاہر کیا۔ چونکہ ایک مُسلم اور مُسلم سے بھی بڑھ کر ایک مومن کی مکمل زندگی ”دین“ کے ماتحت ہے اور اس آیہ مجیدہ میں علمِ دین (یعنی فقہ) کے حاصل کرنے کا حکم چند اشخاص کے لئے ہے (تمام کے لئے نہیں) لٰہذا اپنے ہر امر میں اُن چند اشخاص ہی کی طرف رجوع کرنا حکم خالق کے عین مطابق اور مفید ہے۔ تاکہ افرادِ ملت اپنا ہر عمل خوفِ خدا کے ماتحت کریں جو لاریب صحتِ عمل کی ضمانت ہے۔ نیز اسی آیت کی بنا پر علمِ فقہ و اجتہاد کا حاصل کرنا واجب کفائی قرار دیا گیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ تقلید کا لفظ بعض حضرات کے لئے ناگواری کا باعث ہوگا۔ مگر اگر ٹھنڈے دل سے اِس پر غور و فکر کیا جائے تو ثابت ہوگا بلکہ بعتر روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسان بالفطرت مقلّد پیدا ہوا ہے۔ تقلید انسان کے جسم و ذہن میں پیوست ہو چکی ہے۔ اور یہ کسی کے نکالنے سے نکل نہیں سکتی۔ انسان بالطبع مقلد ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ”اسلام“ دینِ فطرت ہے۔ اِس میں کُھلی چُھٹی نہیں اور نہ ہی مسلمان مادر پدر آزاد ہے۔ بلکہ اسلام میں ایک مکمل ضابطہ حیات کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ ”نظم و ضبط“ بذاتِ خود تقلید کا دوسرا نام ہے۔ تقلید پر اعتراض کرنے والے جو جمہوریت کو جائز ثابت کرنے کے لئے دن رات اسلام میں شورے کا جواز تلاش کرتے رہتے ہیں ذرا بنظرِ غور ملاحظہ فرمادیں کہ یہ ”شورے“ کیا تقلید نہیں؟ اگر یہ تقلید نہیں تو پھر ”شورے“ کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ شورے یعنی کسی دوسرے کے مشورے پر عمل کرنے سے خود بخود کسی دوسرے کی تقلید ہو جاتی ہے۔ اگرچہ تقلید شورے سے انتہائی زیادہ پاکیزہ عمل ہے کیونکہ اِس میں جو مشورہ دیا جاتا ہے۔ اُس کی تائید میں قال اللہ اور قولِ معصوم موجود ہوتا ہے۔ مگر شورے میں یہ چیز نام کو نہیں بلکہ اس میں اپنی اپنی دماغی کیفیت و مقدار (MENTAL - CAPACITY) کے مطابق مشورہ دیا جاتا ہے۔ تقلید بے شک ایک پاکیزہ و مفید عمل ہے۔ جب ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں اُن معاملات کے ماہرین کی طرف رجوع

کرتے ہیں اور اُن کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً امراض کے سلسلہ میں ڈاکٹروں اور اطباء کا مقلد ہونا پڑتا ہے۔ اور مقدمات کے لئے ماہرینِ قانون کی طرف رجوع کرکے اُن کے مقلد بن جاتے ہیں۔ بعینہٖ یہی حالت دیگر معاملات مثلاً تعلیمات و تعمیرات و مصنوعات یہاں تک کہ کھانے پینے، چلنے پھرنے اور رہنے سہنے تک کیلئے دوسروں کی تقلید کرنا پڑتی ہے جب جملہ دنیاوی و جسمانی امور میں تقلید پر کوئی اعتراض نہیں۔ جب ڈاکٹر سے نہیں پوچھا جاتا کہ یہ دوا جو تجویز کی گئی ہے کیوں تجویز کی گئی ہے؟ اس میں کون کون سے اجزا شامل ہیں؟ اس کی تاثیر کیا کیا ہے؟ اس دوا کے لئے کون سی سند اُس کے پاس موجود ہے؟ وغیرہ وغیرہ تو دینی معاملات جو نہ صرف روحانیات ہی سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ تمام دنیوی زندگی پر بھی حاوی ہیں۔ اور جسمانی و دنیاوی معاملات سے کئی گنا زیادہ ذمہ دارانہ اور اہم ہیں اُن کے حل کرنے اور صحیح راستہ اختیار کرنے کے لئے کیوں ہمیں اُن کے ماہرین کی طرف رجوع نہ کرنا چاہیئے جبکہ اُن کے ماہرین ہمیں اپنے مشورہ کے ساتھ قول اللہ کی سند اور تشریحِ معصومؑ سے جواز بھی پیش کرتے ہوں۔ بشرطیکہ یہ ماہرینِ دین اُس کسوٹی پر پورے اترتے ہوں یعنی اُن شرائط کے حامل ہوں جو اُن کو جانچنے کے لئے خدا اور رسولؐ نے مقرر فرمائی ہیں۔ دیکھئے حقائق و واقعات سے عیاں ہے کہ زندگانی رسولؐ میں انفرادی و اجتماعی معاملات کے لئے خود ذاتِ سرورِ عالمین (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی طرف رجوع ہوتا رہا۔ حضورؐ معاملات حل فرماتے رہے۔ حضورؐ کے بعد عوام و خواص نے حضورؐ کے اہلبیتؑ طاہرین اور اصحابؓ اخیار جن کو قربِ رسالت حاصل رہا۔ اُن کی طرف رجوع فرمایا۔ اور خود اصحابؓ کو جب مشکل در پیش آئی تو اہلبیتؑ اطہار بالخصوص باب مدینۃ النبوت امیر المومنینؑ امام اوّل علی المرتضیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف راجع ہوئے۔ اس ضمن میں تاریخ مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ انفرادیت کی مثالوں کے لئے وہ مقدمات پیش کئے جا سکتے ہیں جب کہ حکومتِ وقت تک فیصلہ کرنے سے عاجز آجاتی تھی اور پھر سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوتا تھا کہ امامؑ وقت سے فیصلہ کرایا جائے اور اجتماعی معاملات کی مثالوں کے لئے غزواتِ روم و ایران کے وقت عہدِ حکومت حضرت عمرؓ میں بعض ضروری امور میں امامؑ وقت حضرت علیؑ کی ہدایات پر عمل سے کامیابی کا حصول یا آپ ہی کی ہدایت کے مطابق سن ہجری کا قیام وغیرہ اسی طرح دیگر آئمہؑ کے زمانوں میں بھی ہوتا رہا۔

مطلب ان مثالوں کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ بعد از رسولؐ مسلمانوں کے لئے اپنے جملہ معاملات میں امامؑ کی طرف رجوع کرنا نہ صرف فطرتاً ضروری ہے بلکہ مفید اور عقل کے عین

مطابق بھی ہے۔ بلاشک وشبہ بعد از رسولؐ آئمہ علیہم السلام طاہرین ہی کا صحیح معنوں میں "علماء ملت" تھے لہٰذا انہی کی ہدایات پر عمل کرنا ملت کے لئے مفید ترین عمل تھا اور جب امامؑ ہماری نظر سے اوجھل ہوں تو پھر ان علماء کی طرف رجوع لازمی ٹھہرا جن کے متعلق امامؑ نے ہدایت فرمائی ہو ——— "علماء" کا لفظ سن کر آج کل کے خود رائے پسند انسانوں کا بدکنا کوئی انوکھی بات نہیں کیونکہ فی زمانہ صفِ علماء میں ہر عبا و قبا پوش اور ہر مقرر خوش بیان و اہلِ قلم شامل نظر آتے ہیں بعض علماء نے اپنی جادو بیانی کے زور پر اپنا علیحدہ حلقہ قائم کر لیا ہے اور بعض اہلِ قلم نے جادو نگاری کے بل بوتے پر نئے نئے نظریئے اسلام میں ٹھونس کر اپنی نئی جماعتیں تخلیق کر کے عوام الناس کے ذہنوں کو متاثر کرنا شروع کر دیا ہے عمل خواہ ان کا ان کے اپنے ہی اقوال و علم کے برعکس کیوں نہ ہو۔ چونکہ ان لوگوں پر کوئی کنٹرول نہیں لہٰذا جس کے پاس بھی دولت کے اسباب پیدا ہو گئے اور اس نے اپنے پروپیگنڈے کے ذرائع بنا لئے۔ وہ ہی ایک نئی جماعت کا بانی ہو کر لوگوں کے ایک حصہ کو اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ملت میں دن بدن انتشار بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اور جملہ معاملاتِ ملت بجائے سلجھنے کے روز بروز زیادہ ہی الجھ رہے ہیں۔ لہٰذا "علماء" کا نام سن کر افرادِ ملت کچھ اچھا اثر نہیں لیتے بلکہ "مولوی" سے دن بدن تنفر بڑھتا ہی جا رہا ہے ——— پس ثابت ہوا کہ "علماء" سے یہ لوگ مراد نہیں بلکہ اس سے وہ مخصوصین مراد ہیں جو اس ضمن میں مقررہ شرائط پر پورے اترتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر جو "جامع الشرائط" ہوتے ہیں اور ہر زمانے میں چند گنتی کے افراد ہوتے ہیں جن کی طرف رجوع کرنے کا امامؑ کی طرف سے حکم موجود ہے۔ جس کی تائید آیت مندرجہ قرآن کرتی ہے۔ وہ کون سے شرائط ہیں جن کے مطابق دیکھ کر افرادِ ملت کو اپنا مرجع بنانے کی ضرورت ہے ان شرائط کا ذکر معصومینؑ کے بیانات میں موجود ہے جس سے ہماری رہنمائی ہوتی ہے۔ مثلاً عالم کے لئے ایک کسوٹی یہ بھی ہے جو کہ خود جناب پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمائی ہے:-

قال قال رسولؐ اللہ الفقہاء امناء الرسل ما لم یدخلوا فی الدنیا قیل یا رسولؐ اللہ ما دخولھم فی الدنیا قال اتباع السلطان فاذا فعلوا ذالک فاحذروھم علی ادیانکم (بروایت امام ہفتم حضرت موسےٰ کاظم ابن جعفر صادقؑ ۔ بحار الانوار جلد اول) یعنی فرمایا آنحضرتؐ نے کہ فقہا جب تک دنیا کو اختیار نہ کریں رسولوں کے امانتدار ہیں۔ پوچھا گیا کہ دنیا کو

اختیار کرنے سے کیا مطلب؟ ارشاد فرمایا۔ سلطان کی اتباع کرنا جب فقہاء ایسا کرنے لگیں تو سمجھ لو کہ ان کا دین اور ایمان گیا۔ اور ان سے ڈرو اور بچو۔

تاریخ اسلام سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں بعض ایسے فقہاء بھی گزرے جنہوں نے محض خوشنودی سلاطین کے لئے ان کے حق میں فتاوے دے کر فی الحقیقت اپنے دین و ایمان کو خیر باد کہہ دیا۔ بادشاہوں نے انہیں بڑے بڑے عہدے دے کر ان کو اپنے خیالات کے پرچار کرنے کے لئے کھلی چھٹی دی۔ اس کے برعکس ائمہؑ طاہرین کی مثال دینا تو بہت بڑی جسارت ہوگی کیونکہ حکومتیں تو ہمیشہ ان کو اپنا مدِ مقابل ہی سمجھتی رہیں۔ البتہ علماءِ حق کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ ان کی عزت و تکریم سلاطین سے زیادہ تھی۔ وہ افرادِ ملت کے دلوں پر حکمرانی کرتے رہے۔ اور خود شاہانِ وقت ان کے درِ دولت پر جبہ سائی کرتے دیکھے گئے۔ بہرحال مندرجہ بالا ارشادِ رسولؐ سے ایک شرط یہ بھی قائم ہوئی کہ عالم ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سلطانِ وقت سے دب کر کوئی بھی قدم نہ اٹھائے۔

ایک اور مقام پر جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:۔

العلم ودیعة الله فی ارضنا و العلماء امناؤه و علیه فمن عمل بعلمه ادّی امانته و من لم یعمل بعلمه کتب فی دیوان الخائنین (بحار الانوار جلد ۱)

یعنی علم اللہ کی ایک امانت ہے زمین پر اور علماء اس کے امناء ہیں۔ پس جس نے علم کے ساتھ عمل کیا تو اس نے امانت کو پورا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کا نام خائنوں کے دفتر میں لکھا گیا۔

اس ارشادِ رسولؐ سے یہ شرط قائم ہوئی کہ "عالم" وہی کہلائے گا جو باعمل بھی ہو اور جو صرف علم ہی رکھتا ہو۔ مگر اس پر اس کا اپنا عمل نہ ہو۔ تو وہ "دائرۂ علماء" میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ایک اور قولِ معصومؑ ملاحظہ فرمائیں۔ جناب امیر المومنین امام اول یعنی علی المرتضیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ارشادِ گرامی:۔

قال قال ابوالحسنؑ عن علامات الفقه الحلم والعلم والصمت ان الصمت باب من ابواب الحکمة ان الصمت یکسب المحبة انه دلیل علی کل خیر (بحار الانوار)

یعنی راوی کہتا ہے فرمایا جناب ابوالحسنؑ نے کہ فقیہہ کے علامات تین ہیں۔ علم، حلم، اور خاموشی۔ اور فرمایا کہ خاموشی ایک دروازہ ہے حکمت کے دروازہ میں سے۔ خاموشی کے ذریعہ محبت حاصل ہوتی ہے اور خاموشی باعثِ خیر و عافیت ہے۔

اس قول سے ایک اور شرط علماء کے لئے قائم ہوگئی۔ علم کے علاوہ عالم کا حلیم الطبع ہونا بھی ضروری ہے نیز عالم کے زیادہ گفتگو کرنا اور تقاریر کو اپنا شعار یا ذریعۂ معاش بنانے کی بھی بالکل ممانعت ہے۔ اسی وجہ سے خطباء یعنی تقریر کرنے والے یا مبلغ یا مناظر وغیرہ ان علماء کی صف میں شامل نہیں جو سربراہِ مملکت اسلامیہ بننے کی اہلیت رکھتے ہیں یا جن کی طرف رجوع کرنے کا "ملّت کے سامنے امامؑ کی عدم موجودگی" کے وقت ملّت کو امام کی طرف سے حکم ہے۔ ایک اور جگہ امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے کہ "دس قسم کے لوگ اپنے آپ کو اور دوسروں کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں" ان دس اقسام میں سے بعض اقسام طبقۂ علماء کے متعلق ہیں۔ مثلاً

(۱) وہ مردِ حلیم اور صاحبِ علم کثیر جو عقل و فہم نہیں رکھتا۔

(۲) وہ عالم جو اپنی اصلاح کا ارادہ نہ رکھے۔

(۳) وہ عالم جو دنیا کی محبت رکھتا ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہ وغیرہ

ان اقوال سے بھی "علماء" کے لئے ضروری شرائط مترشح ہوتی ہیں۔ اسی طرح کتبِ مستندہ میں آیاتِ قرآنی کو جو از میں لئے ہوئے متعدد شرائط موجود ہیں یعنی جن کی تائید آیاتِ قرآنی سے بھی ہوتی ہے۔ علماءِ حق نے ان تمام شرائط کو "اعلم جامع الشرائط" کے لئے یکجا جمع کر دیا ہے ہم ان شرائط کی ایک فہرست کتاب فتاوائے حائری سے پیش کرتے ہیں:۔

(۱) تمام عقائدِ اسلامیہ کتاب اللہ و عترتِ رسول اللہؐ کی تعلیمات کے مطابق رکھتا ہو۔

(۲) فقاہت اور تمام احکام آئمہ معصومینؑ میں پوری معرفت اور اُن کے حلال و حرام میں پوری احتیاط کرتا ہو۔ اس شرط کا حاصل ہونا منحصر ہے دس علموں پر۔ علم لغت عرب۔ نحو۔ صرف۔ منطق۔ رجال۔ اصول۔ فقہ۔ تفسیر۔ حدیث اور کلام۔ پس ان علوم پر جب کوئی عارف و حاوی ہو تو اُس کو ایک قسم کی قوتِ قدسیہ من اللہ موہوب اور عطا ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ فروع کو اصول پر رَدّ کر سکتا ہے۔ پس سلیقہ سلیمہ کی استقامت سے اشارات کلماتِ الٰہی اور احادیثِ رسالت پناہی سے مطالب و مسائل و احکام شرعی کا استنباط کر سکتا ہے۔

(۳) لازم ہے کہ مجتہد مطلق نہ ہو نہ مجتہد متجزّی۔
(۴) مجتہد کا عادل ہونا واجب ہے۔ اور عدالت ایک قوۃ موہوبہ خدا تعالیٰ کی جانب سے ہے جو خوفِ خدا اور کمالِ معرفت سے انسان کے قلب میں حاصل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عادل گناہانِ کبائر کا مرتکب نہیں ہوتا اور گناہانِ صغائر پر اصرار نہیں کر سکتا۔
(۵) مجتہد کا بالغ ہونا شرط ہے۔ پس حضرت علامہ حلّی اور فاضلِ ہندی کی مانند اگر کوئی لڑکا نابالغ درجہ اجتہاد تک پہنچے تو بالغ ہونے سے پہلے اُس کی تقلید جائز نہیں ہے۔
(۶) شرطِ ذکوریت یعنی مجتہد مرد ہونا چاہئے۔ پس اگر عورت درجہ اجتہاد تک پہنچے تو اُس کی تقلید جائز نہیں ہے۔ علی الاقوے۔
(۷) حرّیت۔ پس اگر مملوک یعنی غلام کسی کا درجہ اجتہاد تک پہنچے تو اُس کی بھی تقلید جائز نہیں۔ (بالفاظِ دیگر کسی کا ملازم و ماتحت نہ ہو) علی الاقوے
(۸) بعض کے نزدیک مجتہد کا حافظ اور صاحبِ ضبط ہونا چاہئے۔ یعنی کثیر السہو والشک والنسیان نہیں ہونا چاہئے۔
(۹) حیات (یعنی زندہ ہو) جس مجتہد کی ابتداءً تقلید کرنا چاہتا ہے۔ اُس کا زندہ ہونا شرط ہے۔ پس ابتداء میں میّت کی تقلید کرنا جائز نہیں۔ بلکہ بعض کے نزدیک مطلقاً میّت کی تقلید کرنی جائز نہیں۔
(۱۰) یہ کہ مجتہد مقبلِ دنیا پر نہ ہو یعنی ہمت اُس کی اوضاع دنیا کے جمع کرنے میں متعارف سے زیادہ نہ ہو۔ اور حواس اُس کے ایسے امور کی طرف مشغول نہ ہوں جس سے محض دنیا داری سمجھی جاتی ہو۔ اور امورِ معاد و معاش اس کے بین ان کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ اور ایسے امور کی طرف اُس کا دل مائل اور راغب نہ ہو کہ جن میں مصلحتِ دینیہ مرتب نہیں اور محبتِ دنیا اور اس کا عشق من حیث ہی اُس کے قلب میں محکم نہ ہو۔ جس کی علامت یہ ہے کہ اہلِ دُنیا اُس کی نظر میں موقر اور مرغوب ہونگے۔"
(منقول از کتاب قانونِ جانشری جلد اوّل صفحہ ۶۰۵)

ان شرائط کو بغور مطالعہ فرمانے سے ظاہر ہوگا۔ کہ مملکتِ اسلامیہ کا سربراہ یعنی "اعلم جامع الشرائط" اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ بلکہ ملت و مملکت کے ہر امر انفرادی و اجتماعی کے لئے وہ محض "قال اللہ و قال المعصومؑ" کی روشنی میں استنباط کر کے احکام جاری

کرے گا جیسا کہ شرط نمبر ۳ سے ظاہر ہے کہ مجتہد نہ مطلق ہونا چاہئے نہ متجزّی۔ یعنی نہ تو مطلق العنان ہونا چاہئے اور نہ ہی ایسا کہ اپنے استنباط یعنی قال اللہ و قال المعصوم کے سلسلہ میں اپنی تحقیق میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکے۔ یا اگر فیصلہ کرے تو وہ متذبذب ہو۔ پس مجتہد یعنی جامع الشرائط کی صفات و مقام کی بلندی اور اُس کی کوشش و تحقیق کی گرانقدری محض اُس کے اشد استنباط ہی میں مضمر ہے۔ جو اُس نے قال اللہ معلوم کرنے اور اُس قولِ خداؐ کی تشریح قول یا فعلِ معصومؑ سے حاصل کرنے میں کیا۔ پس ایامِ غیبتِ امامؑ میں اسی طریق کار کو قرآنِ حکیم کی اُن ہر ۳ آیاتِ کریمہ کی تائید و حمایت حاصل ہے جو بخیر صفحہ ۳۶۴ سے ۳۶۵ اور ۳۶۷ پر نقل کی جا چکی ہیں۔ جس کی وجہ سے اِس طریق کار سے کسی مسلم و مومن اور کسی عقیل و فہیم انسان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مکرر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام عالم میں جمہوریّت یعنی ووٹنگ سسٹم کو ختم کر کے معیاریّت یعنی اصولِ صفات و قابلیّت کو رائج کیا جائے۔ دیکھئے مملکت پاکستان ہی کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ ووٹنگ سسٹم کو بار بار آزما آزما کر ملک کا کیا حال ہو چکا تھا۔ اور ملٹری کے اس موجودہ پُرامن انقلاب سے قبل ملک پستی کی کیسی عمیق گہرائیوں میں گرنے کو تیار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے معمارِ پاکستان قائداعظم علیہ الرحمۃ کی کوششوں کو ضائع ہونے سے بچا لیا۔ اور ملک کے ہمدرد محافظوں نے ملک میں پُرامن انقلاب کے ذریعے ملک کی بنیادوں کو پھر تقویت پہنچا کر چٹان کی مانند مضبوط کر دیا۔ خاطی انسان کے ووٹوں سے منتخب ہوئے ہوئے نااہل سربراہوں کو علیحدہ کر کے ہر محکمہ اُس مخصوص فن کے بلند معیار اور قابل ترین افراد کے سپرد کر دیا۔ جس سے ملک کی ساکھ پھر قائم ہو گئی۔ محکموں میں بدعنوانیوں کا قلع قمع ہُوا۔ ملک کا خزانہ جو خالی ہونے کے قریب تھا پھر بھر گیا بلکہ اُس میں اضافہ ہُوا۔ کیا یہ جمہور کے منتخب نمائندوں نے کیا؟ یا اُن کی جگہ پر اُن مخصوص علوم و فنون میں ماہرین نے جو تعینات کئے گئے تھے۔ پس اسی سے معیاریّت کا بول بالا ہوتا ہے۔ اور اگر ماہرینِ فن نیک نیت نہ ہوں تو پھر بھی خطرہ۔ لہٰذا قرآنِ حکیم کی اُن ہر ۳ آیات مندرجہ بالا میں سے مندرجہ ذیل اصولوں کے ماتحت یہ معیاریّت قائم ہو سکتی ہے۔ یعنی

(۱) اِتّقا کہ اس سے نیک ہونا لازم ٹھہرا۔

(۲) فیتبعون احسنہ سے قابلیّت ضروری قرار دی گئی۔ اور قابلوں میں سے بھی جو سب سے بالا

(۳) لیتفقّھوا فی الدین سے حصولِ علمِ دین کے بعد سرداری سونپنی ضروری ہوئی نہ کہ جمہوریت کے انتخاب

پس جب تک مصلحتِ خداوندی کے تحت امامؑ دورِ دوراں کا ظہور نہیں ہو جاتا دنیا کی تکلیفوں کا حل اور ممالک عالم کے دستور ہائے حکومت کی صحت اس ضمن میں محض ان تینؔ اصولوں پر عمل کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑ دیا گیا تو مکمل امن عالم کا قیام ناممکن ہوگا اور دنیا بدستور پریشانی و خوف فسق و فجور اور دیگر مصائب میں گرفتار رہے گی اور تباہی کی طرف قدم بڑھاتی ہی جائے گی۔ گوہرِ مقصود یعنی "امن عالم" حاصل نہ ہو سکے گا۔

ظہورِ امامت سے قبل مسلمان کو ہر طریق کا بادلِ ناخواستہ خیر مقدم کرنا پڑتا ہے مگر مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ۔ دنیا میں اس وقت جمہوریت کا دَور دَورہ ہے خواہ یہ کمیونزم کی شکل میں ہو یا سوشیلزم یا نیشنلزم کی شکل میں۔ یہ جمہوریت کہاں سے چلی اور کن دماغوں کی پیداوار ہے؟ اس کے متعلق گذشتہ صفحات میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ یوروپ اپنی صنعت و حرفت اور تجارتی و سائنسی ترقی کی وجہ سے تمام دنیا پر چھا گیا۔ جس کی وجہ سے یورپ کا دماغ مادیّت میں دفن ہو چکا ہے۔ عیسائیت جو وہاں پر رائج تھی اور ہے۔ یورپ کو اس مادیّت کے سیلاب میں ڈوبنے سے نہیں بچا سکی جس وقت یورپ اپنی مادی ترقی حاصل کرنے میں مصروف تھا بدقسمتی سے اُس وقت مسلمان اقتدار حکومت سنبھالنے میں خانہ جنگی میں مصروف رہا۔ وارثانِ دین جن کو حکومت سے علیحدہ رکھنے کی عظیم غلطی مسلم سلاطینِ جور نے روا رکھی وہ حکم خدا تعالےٰ کے تحت دین کی حفاظت کرنے میں مصروف رہے۔ یورپ مادی ترقی کرتا گیا اور اب نوبت بہ ایں جا رسید کہ موجودہ دَور میں تمام دنیا یورپ ہی سے فیضِ تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ ایشیا کے اسلامی اور غیر اسلامی ممالک اعلےٰ تعلیم و تربیت کے لئے یورپ ہی سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ بہترین اُستاد یورپ ہی کا تعلیم یافتہ تصور کیا جاتا ہے۔ حد ہے کہ زبانِ فارسی ایران کی، عربی ملک عرب کی اور سنسکرت پُرانے ہندوستان کی مگر ان زبانوں کی ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں یورپائی تعلیم گاہوں سے ملتی ہیں۔ یہ سلسلہ مدتِ مدید سے جاری ہے اور اس مسلسل ذریعے سے ایشیائی ممالک کے عوام کے دماغوں میں یورپین نظریات و تصورات کی برتری کا عکس دن بدن زیادہ پیوست ہوتا گیا اور ہو رہا ہے۔ جمہوریت کا تخیل بھی یورپ ہی کا تحفہ ہے اور اس کی ایک وجہ عوام کا جذبہ خودپسندی بھی ہے۔ جو ہر فرد انسان کو حکومت میں برسرِ اقتدار آنے کے لئے اُکساتا ہے۔ لہٰذا جمہوریت ہر ایک کو سبز باغ دکھاتی ہے۔ اور یہی اُس کی ہر دلعزیزی میں (POPULARITY) کی وجہ ہے۔ حکیم مشرق اقبالؒ نے اس قبا کو خوب چاک کیا ہے۔ ؎

؎ جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اِس سے ظہورِ امامؑ سے پیشتر کا طریق عمل ظاہر ہوتا ہے کہ ممالک عالم کی حکومتوں کا ہر ایک فرد خواہ وہ حکومت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے عہدے سے کر بڑے سے بڑے عہدہ پر بھی متعین ہو۔ وہ تولا جائے نہ کہ گنتی کے ووٹوں سے منور کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ مختلف محکموں کا کام چلانے کے لئے مختلف مخصوص معیار کے افراد بھرتی کئے جاتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ ذمہ دارانہ عہدہ یعنی نظامِ حکومت کی سربراہی اور مختلف شعبوں کی فرمانروائی کے لئے معیار کو ترک کر دیا جاتا ہے اور اس اہم ذمہ داری کو سونپنے کے لئے لوگوں کے ووٹ حاصل کر کے آنکھیں بند کر کے سب سے اہم عہدہ یا عہدے اُس کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طریقے کو بار بار عمل میں لانے کے باوجود امن عالم قائم نہیں کیا جا سکا۔ لہٰذا مندرجہ بالا پیش کردہ برسہ شرائط کی بنیادوں پر معیاریت کا قیام ہی بد امنیِ عالم کا واحد علاج ہے۔

ختم

مندرجہ بالا حقائق و واقعات مَیں نے مکمل نیک نیتی سے محض مسلمانانِ عالم کی کمزوریوں اور انتشار اور فسادِ عالم کو محسوس کرتے ہوئے اسلامی اصول یعنی قرآن۔ اقوالِ معصومینؑ اور عقلِ عمومی کی روشنی میں لکھے ہیں جن کا تعلق مکمل کرۂ ارض کے مسائل سے ہے کسی مخصوص ملک یا اُس کی حکومت سے ہرگز نہیں ہے۔

عاصی پُر معاصی۔ غیاث الدین
مدیر اعزازی "معارف اسلام"
لاہور (پاکستان)

ادارۂ معارفِ اسلام (رجسٹرڈ) پاکستان میں ایک باضابطہ رجسٹرڈ قومی ادارہ ہے۔ اس کا مقصد تجارتی لین دین۔ منافع کمانا یا ذاتی نام و نمود پیدا کرنا نہیں۔ یہ نہ ہی کوئی حصّہ داروں کی کمپنی ہے نہ ہی کسی کی ذاتی ملکیت بلکہ جملہ اراکینِ ادارہ ضابطہ کے ماتحت اس کے صرف منتظم ہیں اندریں حالات ادارہ کے اغراض و مقاصد کے تحت جو بھی لٹریچر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ محض نیک نیتی سے فائدہ عامۃ المسلمین کے لئے بالخصوص اور عامۃ الناس کیلئے بالعموم۔ صحیح اسلامیات کو روشناس کرانے کے لئے تاکہ دنیا جو اسلام کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہے یہ غلط فہمیاں دُور ہو سکیں اور مُسلم جو موجودہ تعلیم اور یورپائی رَو میں بہہ کر غلط تخیّل کو دماغوں میں پیوست کر لیتے ہیں اُن کی اصلاح ہو سکے محض اسی جذبہ کے ماتحت کتاب زیرِ نظر کو دیکھا جائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

شیخ غیاث الدین پرنٹر و پبلشر نے ... پریس ... لاہور میں چھپوا کر دفتر ادارہ معارف اسلام ... شاہ عالم مارکیٹ ... سے شائع کیا۔

ماہنامہ

معارف اسلام

جون ۱۹۵۸ء — ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ

نگران اعلیٰ
(اعزازی)
علامہ سید امداد حسین کاظمی المشہدی

ناشر
ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ)

لاہور

چندہ سالانہ للعہ — قیمت فی پرچہ ۸ر

"راستی و درستی بہترین سیاست است"

ماہنامہ

معارف اسلام لاہور

مدیر اعزازی: غیاث الدین

جلد ۴	ماہ ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ مطابق جون ۱۹۵۸ء	شمارہ ۳

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گفتنی ھا

وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝

وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝

ماہِ ذوالحجہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اس ماہ میں جدِ پیغمبرِ اسلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی راہ خدا میں اپنے بیٹے کی قربانی منظور ہوئی۔ گو حضرت اسمٰعیل ذبح نہ ہوئے مگر نیت وعمل ابراہیم علیہ السلام کی مقبولیت کی وجہ سے ذبیح اللہ کہلائے۔ اسی خوشی کی وجہ سے وہ دن یوم عید کہلایا۔ خدائے رحمٰن نے قربانی کو قبول فرماتے ہوئے اسے ذبح عظیم سے بدل دیا۔ اور اس ذبح کو عہد آخرین یعنی آخری نبی کے عہد میں واقع ہونا قرار دیا چنانچہ اس ماہ کے ٹھیک ایک ماہ بعد (ماہ محرم میں) اُسی تاریخ کو (یعنی ۱۰ تاریخ کو) عین اس وقت (یعنی بوقت عصر) یوم ذبح عظیم مقرر ہوا جس کی تائید کتب انبیائے سلف میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ توریت یرمیاہ باب ۴۶ آیت ۱۰ یوں ہے

"کیونکہ یہ خداوند رب الافواج کا دن ہے اور انتقام کا دن۔ تاکہ وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے۔ اور تلوار کھا جائیگی۔ اور سیر ہوگی اور ان کا لہو پی کے مست ہوگی۔ کیونکہ خداوند رب الافواج کیلئے اُتر کی سرزمین میں دریائے فرات کے کنارے ذبیحہ مقرر ہے"

روح انسانی اور روح حیوانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے **مثال**۔ چند یوم ہوئے راقم الحروف ایک تانگہ میں اپنے بچے کے ہمراہ کہیں جا رہا تھا۔ راستہ میں کوچوان گھوڑے کو چلانے کیلئے چھڑی استعمال کرتا رہا۔ بچے نے کوچوان کے اس فعل پر مجھے متوجہ کیا کہ بے زبان کو مارتا ہے۔ میں نے حقیقت الامر سے اس کو آگاہ کیا۔ گھوڑے کی جسامت ہماری جسامت سے بڑی۔ اس کا دل اور دیگر اعضاء انسانی اعضاء سے کہیں بڑے۔ اُس کی خوراک زیادہ اُس کی طاقت زیادہ مگر کمزور و ناتواں انسان اُسے اپنی مرضی کے مطابق لئے پھرتا ہے اور وہ یعنی گھوڑا دن سے لیکر رات تک اسی طرح مار کھاتا

لہ اسی ماہِ مبارک کی ۱۵ تاریخ ۲۱۲ھ یوم جمعہ کو مسلمانوں کے دسویں امام حضرت علی نقی ابن امام محمد تقی کی ولادت اور ۷ تاریخ ۱۱۴ھ بروز دوشنبہ کو پانچویں امام حضرت محمد باقر ابن زین العابدینؑ کی شہادت واقع ہوئی نیز

ماہ رجب کی بڑی خصوصیات میں ماہ ذوالحجہ یوم تکمیل دین بھی ہے جس کا ذکر گفتنی ۱ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں یعنی عید غدیر کی

بھا اپنی تمام زندگی گزار رہا ہے۔ اسے انسانوں کی طرح اپنی ترقی کا احساس نہیں۔ پھر گیا اتنے بڑے جاندار پر بظاہر جو ظلم ہو رہا ہے یہ خدا کی ناانصافی ہے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا "قائم بالقسط" ہے۔ وہ عادلِ مطلق ہے۔ اصل چیز احساس ہے۔ اگر خدا نے اُسے انسانوں کی طرح شعور عطا کیا تو یقیناً ظلم ہے۔ اور اگر ایسی قوت خدا نے اس میں ودیعت نہیں فرمائی تو یقیناً یہ انسان کے فائدے کیلئے خلق کیا گیا۔

انسان اور حیوان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ عام انسان اور نبی یا امام میں ہے پس روح انسانی اور روح حیوانی میں کس قدر بُعد ہے۔ اور پھر روح حیوانی اور روحِ نبوتی میں تو اس سے بھی کہیں زیادہ علی الترتیب کمی و بیشی ہے۔ لہذا ایک نبی اللہ کی ذبح کے مقابلہ میں ایک حیوان کی ذبح کیونکر عظیم کہلائی جا سکتی ہے جبکہ کروڑہا حیوانی روحیں بھی ایک انسانی روح کے ہم پلہ نہیں، —— تو ایک حیوان کو ایک نبی پر کیونکر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

بیشک راحتِ جانِ و نورِ عینِ نبیِ اعظم کی ذبح حقیقت میں ذبح عظیم ہے۔ حکیم امت اقبال نے خوب تشریح فرمائی ہے ؎

سرِ ابراہیم و اسمٰعیل بود　　یعنی آں اجمال را تفصیل بود

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر　　معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر

ماہ ذوالحجہ غم کا مہینہ ہے۔ اسے ماہِ محرم کا مقدمہ کہیں تو عین حقیقت ہے۔ کون ایسا مسلمان ہے کہ واقعات ذبح اسمٰعیلؑ سن کر اُس کا دل نہ بھر آتا ہو۔ اور آنکھوں سے آنسو نہ ڈھلتے ہوں۔ یہی آنسو جذبہ محبت اسلام پیدا کرتے ہیں اور یہی داستان اسلام تحریر کرنے کیلئے روشنی کا کام دیتے ہیں ؎

غریب وسادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم　　نہایت اس کی حسینؑ ابتداء ہے اسمٰعیلؑ

اسلامی جماعتوں کا متحدہ محاذ

چوہدری محمد علی صاحب بالقابہ (سابق وزیر اعظم حکومت پاکستان) نے ۲۵ مئی کو چشتیاں (بہاولپور) میں اپنی انتخابی تقریر کے دوران میں ارشاد فرمایا کہ:۔

"سب اسلامی جماعتوں کا متحدہ محاذ قائم ہونا چاہیے۔ تاکہ پاکستان کو لادینی بنانے کی کوششوں کو ناکام بنایا جائے۔ آپ نے یہ بھی مطلع فرمایا کہ متحدہ محاذ قائم کرنے کیلئے بات چیت بھی شروع ہو چکی ہے۔ اور اگر یہ بات چیت ناکام بھی

رہی تو بھی وہ اور ان کی پارٹی پاکستان میں لادینی مملکت قائم کرنے کے منصوبوں کو ناکام بنانے کی پوری کوششیں جاری رکھیں گے"۔ (نوائے وقت ۴ مئی ۱۹۶۸ء)

ہمیں تعجب ہے کہ ملک میں جبکہ طرزِ جمہوریت رائج ہے (جو کہ خالص مغربیت کی پیداوار ہے اور اسلام سے اس کا دور سے بھی تعلق نہیں) اور آپ بھی اسی کے موید ہیں۔ تو دینی حکومت کیونکر قائم ہو سکتی ہے۔ جب قابلیت اور عملِ صالح کی بجائے عوام کالانعام کے ووٹوں کی گنتی سے اپنے امرا چننے کا قانون رائج ہو تو اس صورت میں دینی حکومت کا قیام کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ بقول اقبالؒ ؎ جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اور کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

اپنے ہی عہدِ وزارت میں دستورِ مملکت جو آپ نے پاس کرایا اس میں تو اسلام کے ساتھ جمہوریت کی دُم لگی ہوئی ہے۔ وہاں کہاں لکھا ہے کہ یہ مملکت خالص اسلامی ہو گی۔ وہاں تو "جمہوریہ اسلامیہ" ہے۔ آپ نے خالص دودھ کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ پانی ڈال کر دودھ کو قبول کیا ہے۔ "جمہوریہ" پہلے ہے اور "اسلامیہ" بعد میں گویا کہ دودھ میں بھی پانی نہیں ڈالا گیا۔ بلکہ پانی میں تھوڑا دودھ بعد ازاں ملایا گیا۔ اگر جمہوریت دینِ اسلام میں شامل ہوتی تو اس کا علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اب آئندہ الیکشن سے پیشتر آپ کو لادینی کوششوں کو مٹانے کی سوجھی ہے۔ درانحالیکہ آپ خود اسی حکومت کی گاڑی کو چلاتے رہے ہیں بہرحال چوہدری صاحب کی کوششیں سر آنکھوں پر ——— مگر کوششیں ایسی ہونا چاہئیں جن سے ملک میں فرقہ وارانہ منافرت بھی ختم ہو سکے۔ نہ کہ زیادہ بڑھے۔ کم از کم آپ کو قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ کے نقشِ قدم کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ انھوں نے حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں تمام اسلامی فرقوں کو ایک محاذ اور ایک ہی سٹیج پر اکٹھا کر دیا تھا۔ اس لئے آپ بھی تمام اسلامی فرقوں کی جماعتوں کا متحدہ محاذ قائم کریں۔ اور کسی مخصوص فرقہ ہی میں اُلجھ کر نہ رہ جائیں۔ کیونکہ آپ اس سے انکار نہ کر سکیں گے کہ تمام اسلامی فرقے اُمتِ رسولؐ میں شامل ہیں۔ اگر آپ کسی مخصوص فرقہ ہی میں اُلجھے رہے تو آپ ہرگز ہرگز کامیاب نہ ہو سکیں گے یہ تاریخ کا تجربہ شدہ فیصلہ ہے ؎

"شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا" یہ وہ پھل ہے۔ کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

"معارف اسلام" کی پالیسی ملکی سیاسیات میں الجھنا نہیں۔ معارفِ اسلام یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ آئندہ الیکشنز کے سلسلہ میں ہر پارٹی حصولِ اقتدار کیلئے دوڑ دھوپ کر رہی ہے۔

اور عوام کے ووٹ حاصل کرنے کیلئے پاکستانی مسلمانوں کے مذہبی ذوق کی بنا پر قسم قسم کے دلکش مقاصد لوگوں کے سامنے پیش کر رہی ہے چلئے ہم شک نہیں کرتے کہ چوہدری صاحب کا پروگرام بھی اسی مسلسل کی ایک کڑی ہے۔ مگر جہاں تک اسلامی جماعتوں کے متحدہ محاذ کا تخیل ہے۔ اس پروگرام میں اگر واقعی نیک نیتی ہے۔ تو اس نیت کا ٹھیک ہونا بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور جب ہی یہ پروگرام کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ جب ہم سیاسی طور پر قائد اعظم مرحوم کے نقش قدم پر چلیں۔ اور تمام فرقوں کو بالخصوص اسلام کے دو بڑے فرقوں یعنی سنی و شیعہ کو ایک محاذ پر اکٹھا کریں ۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ موجودہ لادینی رو کی تمامتر ذمہ داری اُن مذہبی رہنماؤں کے سر پر عائد ہوتی ہے۔ جو پاکستان بن جانے کے بعد یہی سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ بس ایک ہی فرقہ کی ملکیت ہے۔ سیاں بھلے کوتوال اب ڈر کاہے کا۔ ایک ہی فرقے کو تمام مسلمانوں پر مسلط کر دیا جائے۔ تاکہ پاکستان بلاشرکت غیرے صرف انہی مولویوں کے ہاتھوں میں آجائے۔ ان مولویوں کے علاوہ اس لادینی رو کے بہنے کی ذمہ داری اُن سیاسی لیڈروں کے سر بھی ہے۔ جو کرسی اقتدار پر قبضہ کرنے کیلئے فرقہ وارانہ فضا کو ہوا دیتے رہے اور دے رہے ہیں۔ اور دشمن اسلام مولویوں کو آلۂ کار بنا رہے ہیں۔ یا اُن متعصب وغیر دیانتدار اہلکاروں کے سر جن کو بعض اختیارات ملے ہوئے ہیں۔ اور وہ اپنے اپنے عقائد کے مطابق ملک میں حکومت دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں جب تک یہ ناپاک جذبہ ایسے افراد کے دل و دماغ پر مسلط رہیگا۔ لادینی دن بدن بڑھتی جائیگی کیونکہ پڑھا لکھا طبقہ ایسے کردار سے متنفر ہو کر دن بدن مذہب سے کنارہ کشی اختیار کر رہا ہے۔ ملک میں تاوقتیکہ شیعہ اور سنی مسلمان ایک محاذ پر اکٹھے نہ ہو جائیں اسلامی حکومت کا قیام —— خیال است و محال است و جنوں ۔

مسلم فلسفہ کی تاریخ

اخبارات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حکومت پاکستان ایک بورڈ مرتب کر رہی ہے جس کی نگرانی میں ایک ادارہ قائم کیا جائیگا۔ جو مسلم فلسفہ کی تاریخ مرتب کریگا۔ اس بورڈ کے مجوزہ اراکین کا اعلان بھی ہو چکا ہے جو مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ہے :-

(۱) سیکرٹری وزیر مالیات (۲) ڈائریکٹر تعلیمات مشرقی بنگال

(۳) ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامی (۴) صدر شعبہ عربی ڈھاکہ یونیورسٹی

(۵) پروفیسر پنجاب یونیورسٹی لاہور (۶) پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی

حکومت کا یہ اقدام نہایت مستحسن ہے۔ اور ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن اراکین بورڈ کے اسمائے گرامی پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا۔ کہ ان میں سب وہی حضرات ہیں جو حکومت کی اعلیٰ اعلیٰ گدیوں اور کرسیوں پر براجمان ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسی ہستی نہیں جو تاریخ تعلیم و تعلم علمی اور مذہبی معلومات سے واقف ہو۔ ان میں کوئی جید عالم یا اسکالر نہیں۔ ایسے لوگ جن کا رول بھی [illegible]ی اور مذہبی شعبوں میں تقریباً صفر ہو بھلا مسلم فلسفہ کی تاریخ کیا مرتب کریں گے۔ کیونکہ یہ ان کے بس کا روگ نہیں

ادارۂ ثقافت اسلامیہ جس نے آج تک کوئی تعمیری کام نہیں کیا۔ بلکہ حکومت کا لاکھوں روپیہ اس پر ضائع ہوا ہے اور آج تک جتنا لٹریچر اس نے شائع کیا ہے۔ تمام میں نفاق بین المسلمین کے اسباب پیدا کئے۔ اتحاد بین المسلمین کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ کتب مخصوص فرقہ وارانہ بنیادوں پر لکھی گئی ہیں۔ اس کے ڈائرکٹر کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ جس کو علم عربی سے بہت کم واقفیت ہے۔

بقول مدیر نقاد کراچی اس مسلم فلسفہ کی تاریخ جمع کرنے والوں کی نگرانی کیلئے جو اراکین ہماری حکومت جمہوریہ پاکستان مقرر کر رہی ہے ان میں سے ایک محترم رکن کا بیان یہ ہے کہ مسلمانوں کا فلسفہ میں کوئی کام (WORK AND CONTRIBUTION) نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے محض قدیم فلسفہ یونان اور اہل مغرب کے علم و تحقیق سے استنباط کیا ہے۔

انہیں اراکین میں سے ایک رکن ایسے ہیں جو ثقافت اسلامیہ کی انفرادیت اور اس کے امتیاز کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام کے احکام اور قرآن کی نصوص قطعی میں بھی اپنے مغربی علم واستدراک کے بل بوتے پر اجتہادی تحقیق کرتے ہیں۔ اور علیہ تحریریں لکھ کر اسلام کی بنیادی روح تعلیم کو مردہ کر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ اس بورڈ کے معزز اراکین میں ایک بزرگ ایسے بھی ہیں۔ جو قرآن و حدیث کی تعلیمات کے اس حد تک قائل ہیں کہ قرآن و حدیث کو علامہ اقبال مرحوم نے سپورٹ کیا ہے۔ الا ماشاء اللہ

مسلم فلسفہ کی تاریخ کیا بنے گی اور اسکی نگرانی کیا ہوگی۔ ہم حکومت پاکستان سے درخواست کریں گے کہ اس مسلم فلسفہ کی تاریخ مرتب اور نگرانی کرنے والوں میں ایسے لوگوں کے نام شامل کریں۔ جن کا درجہ علمی و ذہنی اور جن کی فکری بلندی درجۂ استنادی حاصل ہو۔ اور جن کے مدارج علمی پاکستان کیلئے باعث فخر ہوں مسلم فلسفہ کی تاریخ اس وقت تک کما حقہ مرتب نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اسکی

نگرانی کرنے والے بورڈ میں عربی - فارسی - فلسفہ اور قانون کے جید اور متبحر عالم شامل نہ کئے جائیں اور پاکستان میں ایسے علما کی کمی نہیں - بشرطیکہ انہیں غیر سرکاری کرسیوں میں نہ تلاش کیا جائے۔

سیالکوٹ کا ایک فسادی مُلّا

گذشتہ ماہ ہم نے —— ایک شیعہ ذاکر کا تذکرہ کیا تھا - آج ہم سیالکوٹ کے ایک ایسے فسادی مُلّا کا ذکر کرتے ہیں جس نے مسلمانوں میں فساد پھیلانا اپنا جزو زندگی بنایا ہوا ہے ممکن ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں اس قسم کی مفسدہ پردازی کیلئے ایسے لوگوں کو دشمنانِ پاکستان کی طرف سے کچھ جلب منفعت بھی ہوتی ہو جس کی تحقیق تو گورنمنٹ کا متعلقہ محکمہ ہی کر سکتا ہے بہرحال ایسے آدمیوں کی سخت نگرانی رکھنا گورنمنٹ عالیہ کا فرض ہے - اور یہ پاکستان کے مفاد کیلئے ضروری ہے - یہ شخص مسمی خالد محمود سیالکوٹ کی کسی تعلیم گاہ میں مدرس ہے یا رہ چکا ہے ہم کہتے ہیں کہ اس ذات شریف کا طلباء پر کیا اثر پڑتا ہوگا - اور تعلیم گاہ میں جہاں کہ مختلف عقائد کے طلباء زیر تعلیم ہوتے ہیں - ان میں کیا کیا گل نئے کھلاتا ہوگا - گذشتہ سال اس نے کرشن نگر لاہور میں بزرگان دین اسلام پر گستاخانہ حملے کر کے عہد بنو امیہ کی یاد کو تازہ کیا تھا - اب حافظ آباد میں اس نے جامع اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں سخت زہریلی تقریر کی ہے جسے کوئی بھی باغیرت مسلمان شیعہ ہو یا سنّی برداشت نہیں کر سکتا جس جلسہ میں یہ تقریر کی گئی - اُس کے صدر بھی برداشت نہ کر سکے اور کرسی صدارت سے اُٹھ کر چلے گئے - مولویوں کے سامنے ان کی پیش نہیں گئی اور جلسہ کو درہم برہم کرنا انہوں نے مناسب نہ سمجھا - ورنہ چاہئے تھا کہ بحیثیت صدر جلسہ ایسی تقریر کو فوراً بند کرا دیتے - کیونکہ ایک درسگاہ کے سالانہ جلسہ سے اس تقریر کا کوئی ربط نہ تھا - یہ مُلّا خدا جانے کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے نہ سنی ہے نہ شیعہ - اگرچہ لبادہ سنیت کا اوڑھے ہوئے ہے نہ صرف مذہب اہلسنت میں بلکہ تمام مسلمانوں میں اہلبیت نبوت کی توہین کرنا سراسر گناہ وہ لاداری کا باعث ہے اور ناقابل برداشت فعل ہے - یہ شخص بظاہر تنظیم اہلسنت کا دھنڈورہ پیٹتا ہے - مگر یہ نہیں جانتا کہ اہلسنت کوئی غیر منظم فرقہ نہیں - پھر یہ نئی تنظیم کیسی - بھولے بھالے مسلمانوں کو تنظیم اہلسنت کے لفظ سے دھوکہ دینا اور پھر ایک فرقے کو دوسرے کے خلاف آمادہ فساد کرنا کونسی مسلمانوں کی خدمت ہے - عالم وہ ہیں کی تقریر سن کر مسلمانوں میں آپس میں محبت اور پیار بڑھے نہ کہ اس کی تقریر سن کر ایک دوسرے کے خلاف جذبات نفرت و حقارت لیکر اٹھیں - اس دریدہ دہن نے پاکستانی مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے - جو کہ اس کی حالیہ تقریر حافظ آباد

کے اقتباسات جو اخباروں میں چھپے ہیں اُن سے ظاہر ہے ہم یہ اقتباسات شائع کر کے مسلمانوں کی دلآزاری نہیں کرنا چاہتے۔ اس نے شیعہ مسلمانوں کو اور اُن کے معتقدات پر انتہائی دلآزار اور بازاری لب و لہجہ میں مذاق اڑا کر اپنے مبلغ علم کی مٹی پلید کی ہے۔ اور تان یہاں آکر توڑی ہے کہ شیعہ مسلمان پاکستان چھوڑ کر ایران چلے جائیں۔ کیا یہ مطالبہ دستور پاکستان کی دفعات کے مطابق اور ملک کو طاقتور بنانے کے موافق ہے؟ اگر کل شیعوں کا کوئی ایسا ہی مولوی یہ مطالبہ کرے کہ سُنی مسلمان پاکستان چھوڑ کر افغانستان چلے جائیں جس طرح کہ تحریک خلافت میں ہجرت کر گئے تھے تو کیا یہ مطالبہ عقلمندی کہلائیگا؟ خدارا ہمیں مذہبی جنون میں اتنے اندھے نہ ہو جائیے شیعہ اور سُنی بھائی بھائی ہیں۔ یہ ایک ہی جگہ پیدا ہوئے۔ ایک ہی جگہ پلے اور ایک ہی جگہ انہوں نے مرنا ہے۔ ایک گھر میں ایک بھائی شیعہ ہے تو دوسرا سُنی۔ بیٹا شیعہ ہے تو باپ سُنی۔ ایک بہن سُنی سے بیاہی گئی ہے تو دوسری شیعہ سے۔ کیا تقسیم ملک کی ہجرت کے بعد یہ فسادی مُلا ایک اور ہجرت جاری کر کے ملک کو کمزور اور مزید مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے؟ اگر تمام شیعہ ایران چلے جائیں اور تمام سُنی افغانستان چلے جائیں۔ تو کیا پاکستان کو رام کے حوالے کر جائیں یا نہرو کی نہر میں ڈبو جائیں۔ مالکم کیف تحکمون ہ

معارف اسلام۔ گورنمنٹ عالیہ پاکستان سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے۔ اور یہ ہر امن پسند مسلمان کے دل کی آواز ہے کہ اس مولوی کے منہ میں دائمی لگام دی جائے۔ صرف ضلع لاہور کیلئے پابندی لگانے سے معاملہ حل نہیں ہو جاتا۔ تمام پاکستان کیلئے اور ہمیشہ کیلئے پابندی ہونا چاہئے۔ اور اس کی تخریبی کارروائیوں پر ہمیشہ کیلئے نگرانی ہونی چاہئے۔ کیونکہ اگر خود زبان سے خاموش رہا تو اپنے چیلے چانٹوں کے ذریعے ملک میں انتشار پیدا کر سکتا ہے۔ تمام فسادی خواہ وہ شیعہ ہوں یا سُنی تحقیق کرنے کے بعد ان کی ہمیشہ کیلئے تمام پاکستان میں زباں بندی ہونی چاہئے۔ مگر توازن کو برقرار رکھنے کیلئے بے قصوروں پر (خواہ وہ شیعہ ہوں یا سُنی) عتاب نہ لایا جائے۔

بھارت کے تاریخ دان پنڈت

پنڈت دیوی دیال بھارت (انڈیا) کے ایک مشہور جوتشی ہیں۔ جو تقسیم ہند سے قبل لاہور میں اپنا کاروبار کرتے تھے۔ اب شرنارتھی ہو کر بھارت چلے گئے ہیں اور وہاں سے ہی اپنی مفید عام جنتری نکالتے ہیں۔ آپ اپنی جنتری بابت سال رواں یعنی ۱۹۵۵ء کے صفحہ ہ "اہل اسلام کے مشہور تیوہاروں کے مختصر حالات" کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

محرم ۔ یہ دن حسین کے فوت ہونے کی یادگار میں منایا جاتا ہے۔ حسین علی کا لڑکا تھا اور اس کی والدہ کا نام فاطمہ تھا جو حضرت محمدؐ کی بیٹی تھی حسین کو ۴۹ A.H. میں بادشاہ خلیفہ یزید کے حکم سے زہر دیا گیا مگر وہ بچ گئے۔ پھر ۶۱ A.H. ۹ / ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء یعنی ۱۰ محرم کے دن کربلا میں شہید کر دیا گیا اسی کی یادگار میں یہ دن منایا جاتا ہے۔

معارف اسلام ۔ پنڈت دیوی دیال صاحب کی تاریخ دانی ملاحظہ ہو۔ یہ خلیفہ یزید کہاں کا بادشاہ تھا۔ اور اس نے کون سے "حسین" کو زہر دیا تھا؟ غالباً پنڈت صاحب نے تاریخ کا یہ انکشاف اپنے علم جوتش کی بنا پر کیا ہوگا۔ اور یہ تاریخی انکشاف اسی طرح سچ ہوگا جس طرح آپ نے اسی جنتری کے "شت پر پاکستان" کے ذیل میں جوتش لگا کر لکھا ہے کہ

"بھادوں میں ڈاکٹر خان صاحب کے پھر برسر اقتدار آنے کا یوگ ہے۔"

حالانکہ ڈاکٹر خان صاحب لاہور میں بروز جمعہ بتاریخ ۹ مئی سنہ رواں صبح ۷ بجے قتل کر دئے گئے اور بھادوں کا مہینہ پنڈت صاحب کی جنتری کے مطابق ۱۷ اگست کو شروع ہوگا۔

لطیفہ ۔ یہیں پنڈت صاحب کی تاریخ دانی سے ایک شامی کا واقعہ یاد آ گیا۔ تاریخ مروج الذہب جلد ۲ ص ۳۳۳ میں لکھا ہے۔ کہ اہل افراد میں سے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ جہالت ان لوگوں کی اس حد تک پہنچ گئی تھی۔ کہ ہم لوگ ایک دن حضرات ابوبکر و عمر و علی و معاویہ کا ذکر کر رہے تھے کچھ عوام شامی لوگ ہماری باتیں سننے کو آ گئے۔ تو ان میں سے ایک جو ان میں زیادہ عقلمند اور دراز ریش تھا کہنے لگا کہ تم لوگ علی اور معاویہ کی بہت باتیں کرتے ہو۔ اور فلاں و فلاں کی۔ میں نے کہا تم اس میں کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا کس کی نسبت پوچھتا ہے؟ میں نے کہا۔ علی کی نسبت۔ اس نے کہا علی تو وہی نہیں جو فاطمہ کا باپ ہے؟ میں نے کہا فاطمہ کونسی؟ کہا جو نبی کی بیوی اور حضرت عائشہ ہمشیرہ معاویہ کی بیٹی ہے اور کون؟ میں نے کہا۔ پھر علی کا قصہ کیا ہے؟ اس نے کہا۔ کہ وہ جنگ حنین کے اندر بیچارہ قتل ہو چکا ہے۔ انتہی۔ غالباً اس شامی کے پاس بھی پنڈت صاحب کی جنتری ہوگی جسے دیکھ کر اس نے جوتش کے ذریعہ یہ شجرہ نسب بیان کیا ہوگا۔

در اصل یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ حضرت علی علیہ السلام کا نام لینا بھی جرم سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۹۵ طبع مصر میں ہے کہ حضرت حسن بصری سے پوچھا گیا کہ آپ قال رسول اللہ بیان کرتے ہیں حالانکہ آپ نے زمانہ رسولؐ کو نہیں پایا۔ پھر رسولؐ سے کیسے حدیث بیان کرتے ہو؟ حسن بصری نے جواب دیا جو کچھ میں اس طرح بیان کرتا ہوں وہ جناب علی بن ابیطالب سے بیان کرتا ہوں۔ مگر ایسے زمانہ میں ہوں

کہیں علی کا نام نہیں لے سکتا یعنی حجاج کے خوف سے۔ انتہیٰ

لطیفہ ۲ اسی سلسلہ میں ایک اور لطیفہ بھی سن لیجئے۔ مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۳ میں ہے

ذکر بعض الاخباریین انہ قال رجل من اھل الشام من زعماء ئھم و اھل الرای والعقل منھم من ابوتراب ھذا الذی یلعنہ الامام علی المنبر قال اراہ لصا من لصوص الفتن یعنی معاویہ کے انتظام کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ لوگ علیؓ کے مرتبہ اور شان سے اتنے نا آشنا ہوگئے۔ کہ شامیوں کے عقلمند آدمی سے ابوتراب کی شخصیت پوچھی گئی کہ جس ابوتراب کو امام معاویہ لعنت کرتا ہے۔ کون آدمی ہے؟ شامی نے کہا۔ کہ میرے علم کے مطابق وہ کوئی فتنہ باز، چور اور ڈاکو آدمی ہے۔

(نعوذ باللہ من ذالک)

حقیقت میں یہ دشمنان اہلبیت رسولؐ کی ایک گہری سیاسی چال تھی۔ تاکہ آنے والی نسلیں اہلبیت کی شان و منزلت بلکہ ان کے رسول اللہ صلعم سے نسبی تعلقات وغیرہ سب بھول جائیں۔ استغفراللہ

واضح رہے کہ پنڈت دیوی دیال صاحب نے اپنی جنتری ۱۹۵۸ء میں جو کچھ لکھا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی نہیں ہے۔ بلکہ سالہا سال سے آپ یہی "تاریخی انکشاف" حرف بحرف اپنی جنتریوں میں لکھ رہے ہیں۔ تصدیق کیلئے سال ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۷ء کی جنتریاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ افسوس ہے کہ جو شخص تاریخ سے ذرہ بھر بھی مس نہیں رکھتا وہ اسلامی تاریخ لکھنے بیٹھ جاتا ہے۔ کیا بھارت میں کوئی مسلمان ایسا نہیں جو پنڈت صاحب کے اس "تاریخی بیان" پر نوٹس لے۔ اور انہیں کوئی ادنیٰ سی تاریخ کی کتاب دکھا کر صحیح واقعات سمجھائے۔

چوری کی انوکھی سزا

ویانا (آسٹریا) سے ۱۷ اپریل کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ نے مندرجہ ذیل اطلاع دی:

"پولینڈ کی ایک عدالت نے مقامی ہسپتال کی ایک نرس کو اس بنا پر سزائے موت تجویز کی ہے کہ مجرمہ نے ہسپتال سے اسٹریپٹو مائی سین اور دوسری دوائیں چرا کر کہیں فروخت کردی تھیں۔ عدالت نے مجرمہ کو سزا دینے کے اسباب میں لکھا ہے کہ ہسپتال میں ان ادویات کی عدم موجودگی کے باعث متعدد زیر علاج مریض جان سے جاتے رہے۔ اور اگر وہ دوائیں جو اس نرس نے سرقہ کرلی تھیں وقت پر مل جاتیں تو زندہ رہ سکتے تھے۔"

یہ وہ سزا ہے جو ایک غیر اسلامی عدالت نے دی ہے۔ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس سزا میں

وہی اصول مضمر ہے جو اسلام نے مقرر کیا ہے یعنی من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فسادٍ فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً ۵ ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً (پ ۶ مائدہ ع ۵)
ترجمہ: جو شخص کسی نفس کو بغیر دوسرے نفس کے قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد کے قتل کر ڈالے پس ایسا ہے گویا کہ اس نے کل آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے ایک نفس کو زندہ کر دیا۔ تو گویا اس نے کل آدمیوں کو زندہ کیا۔

اس نرس نے اتنی ضروری ادویات جن پر لاکھوں انسانوں کی زندگی کا انحصار تھا چرا کر بے شمار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا ذریعہ بنی لیکن حکومت پولینڈ نے اس نرس کو موت کی سزا دیکر احیا الناس جمیعا کے تحت لاکھوں انسانوں کو زندگی بخشی۔ اگر اس نرس کی اس حرکت پر مستقد احتساب نہ کیا جاتا۔ تو خدا جانے وہ اس طرح کے اور کتنے انسانوں کو موت سے ہمکنار کرتی۔ حکومت پولینڈ کا یہ اقدام اسلامی اصول " ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب (پ ۲ بقرع ۲۲) کے مصداق ہے۔

کیا ہماری پاکستان گورنمنٹ یا عدالتیں اس مثال سے سبق لینگی؟

حیرت کا مقام ہے کہ مسلمان دوکاندار ہر شے میں کھوٹ ملا کر بیچ رہے ہیں۔ دوائیاں جن پر انسانوں کی زندگی کا دارومدار ہے۔ بلیک مارکیٹ میں فروخت ہو رہی ہیں۔ ہسپتالوں میں سوائے ایکوا پیورا (ACQUA PURA) (خالص پانی) کے کوئی مکسچر صحیح نہیں ملتا کیونکہ جس قدر دوائیاں مریضوں کے استعمال کیلئے مہیا کی جاتی ہیں۔ وہ ان پر استعمال کرنے کی بجائے بلیک مارکیٹ میں پہنچ جاتی ہیں۔ روزانہ اخبارات میں اس ظلم کے خلاف آوازیں اٹھائی جا رہی ہیں۔ لیکن ؎

صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں

فاعتبروا یا اولی الابصار

دم نزع آخری خواہش

اہلحدیث فرقہ کا مذہبی آرگن "الاعتصام" اپنی اشاعت مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۵۵ء میں رقمطراز ہے "۳۰ مئی ۱۹۵۵ء کو لائل پور ڈسٹرکٹ جیل میں گوجرہ کے ایک شخص مسمی محمد شفیع کو قتل کے سلسلہ میں پھانسی دی گئی۔ اس سلسلہ میں یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ملزم کی آخری خواہش کی تعمیل کیلئے کل اتوار کے دن فرمائشی گانوں کا پروگرام سنوایا گیا۔ مسلمانوں کے نزدیک انسان کا خاتمہ بالخیر اور اس کے آخری لمحات زندگی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن ان حالات میں اگر ایک انسان رجوع الی اللہ حسنات کی طرف رغبت اور سیئات سے تائب ہونے کی توفیق سے محروم رہتا ہے۔ اور اس کے آخری لمحات

زندگی کی تمام حقیقی اور علمی کاوشوں کی تمنا پر جا کر ٹوٹتی ہے۔ تو اس کی بدنصیبی پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ یہ کسی ایک فرد کی موت نہیں۔ بلکہ صحت مند معاشرہ کی دردناک موت ہے۔

سینما بینی کا یہ ترقی پذیر ذوق فکر و نظر کی ضیافت طبع کی حدود سے نکل کر انسان کے ایمان اور خاتمہ کے گریبان اور دامن پر ہاتھ ڈال چکا ہے۔ خدا خیر کرے"۔

معارف اسلام۔ ہر انسان خواہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کی یہ دلی دعا بھی ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو۔ لیکن مسلمان کیلئے یہ دعا اور خواہش یومیہ وظیفہ کا حکم رکھتی ہے۔ اس سے بُری موت کیا ہوگی کہ ایک مسلمان بے ایمان مرے۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ عدو بلاء ایک شیطان ہے۔ جو انسان کا بدترین دشمن ہے۔ اور مرتے وقت صدہا وسوسے دے کر مرنے والے کا دھیان دنیا اور اس کے لہو و لعب کی طرف لگا دیتا ہے۔ اور مختلف صورتوں میں آ کر محتضر کو بہکاتا ہے۔ اور جبراً ایمان چھین کر لے جاتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ المرء یموت علی ما عاش و یحشر علی ما مات یعنی جس حالت پر آدمی دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے اسی حال پر مرتا ہے اور جس حال پر مرتا ہے۔ اسی حال پر اس کا حشر ہوگا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر آدمی کے حالات مختلف ہوتے ہیں مگر مرتے وقت وہ حال غالب ہوتا ہے جو زیادہ تر دل میں سمایا ہوتا ہے۔ اسی شغل اور خیال میں اس کا حشر ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ من احب حجراً حشرہ اللہ معہ یعنی جس نے کسی پتھر کو بھی دوست رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے ساتھ محشور کریگا۔

تختہ دار پر جان دینے والے محمد شفیع کی آخری خواہش برائے سماع غنا مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہے۔

آیئے۔ فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے سبق حاصل کریں۔ شب عاشورہ آپ نے عمر ابن سعد سپہ سالار لشکر یزید سے صرف ایک رات کی مہلت طلب کی۔ کیوں؟ کیا راگ رنگ اور عیش و عشرت کیلئے؟ نہیں۔ بلکہ خوب جی کھول کر عبادت الٰہی کرنے کیلئے۔ چنانچہ یہ سب رات آپ نے بیدار رہ کر اپنے اصحاب کے ساتھ عبادت الٰہیہ میں گذار دی۔ اللہ اللہ تبھی آپ نفس مطمئنہ کہلائے۔

تحفظ شعائر اللہ ایمان میں داخل ہے

مکرمی کپتان سید حسین شاہ صاحب صدر انجمن امامیہ بھیرپور (آزاد کشمیر) کی جانب سے مندرجہ ذیل تجاویز موصول ہوئی ہیں:-

"عزاداری سید الشہداء علیہ السلام کے لوازمات یعنی ذوالجناح۔ علم۔ تعزیہ و دیگر سامان بکا شعائر اللہ میں سے ہیں۔ کیونکہ یہ مہیج بکا ہیں۔ اور بکا علی الحسینؑ عبادت ہے اور عبادت کا مقدمہ بھی عبادت ہوتا ہے۔ اہلبیت رسولؐ چونکہ حرمات اللہ میں داخل ہیں۔ ان کی یاد اور ان کا ذکر بھی اللہ کو یاد دلاتا ہے۔ اور یہ کارِ ثواب ہے۔ مرسلین اور ان کی اہلبیت اور دیگر مومنین کا ذکر موعظہ میں شامل ہے ان کے حالات اور قصص کے پڑھنے کو خدا موعظہ و ذکر للمومنین و ذکر لاولی الالباب سے تعبیر کرتا ہے۔ اور ان کے حالات سے استفادہ اٹھانا علامت ایمان اور اتقا ہے۔

مانعانِ مراسم عزا حسینؑ قرآن اور حدیث کی روشنی میں تعصب کی عینک کو اُتار کر اگر دیکھیں تو کوئی وجہ نزاع ہی نہیں پیدا ہوتی۔ وہ ذرا تابوت سکینہ میں بقیہ ترکہ آل موسیٰ و ہارون مندرجہ تفسیر جلالین و روضۃ الصفا و دیگر تفاسیر کو دیکھیں اور عداوتِ آل محمدؐ کو کم کریں۔

تماثیل و محاریب اور ناقہ صالح علیہ السلام مندرجہ قرآن شعائر اللہ میں داخل ہیں۔ خدا غازیوں کے گھوڑوں کی قسم سورہ والعادیات میں کھاتا ہے۔ تو کیا حضرت حسین علیہ السلام کے گھوڑے مرتجز یا ناقہ قصویٰ جو زیر ران رسول اکرم صلعم اکثر رہے ہیں۔ میدان کربلا میں بھی زیر ران حسینؑ تھا۔ باعث عزت و احترام نہ سمجھنا شقاوت نہیں تو اور کیا ہے؟

جبکہ فضیلت نسبتی اور اضافی سے کسی کو بھی انکار نہیں علم رسولؐ یعنی علم عباسؑ کی توہین کرنے والے تعزیہ اور ذوالجناح کی تذلیل کرنے والے اُس نسبت کی توہین کرنے والے ہیں جن کی طرف یہ منسوب ہیں۔ مرکب رسول صلعم اور نعلین مبارک رسول صلعم جبکہ اُن کا بوسہ دینا اور نقش نعل نبوی کو چہرے پر برکت کیلئے ملنا درود شریف و کلمہ طیبہ پڑھنا۔ برکات شفا کیلئے پُرتاثیر نقل کیا گیا ہے۔ تو راکب دوشِ رسولؐ کی منسوبات کو بنظر تذلیل دیکھنا اور اُن کا ترقہ توہین چڑانا اور جلانا دعوائے اسلام اور ایمان کی تصدیق کا کس حد تک ضامن ہوسکتا ہے؟

اہلسنت حضرات اہل شیعہ و دیگر حضرات متوطنان پاکستان کی طرح مراسم عزاداری حضرت

حسینؑ کو سرمایہ ایمان جان کر اور مجالس جلوس۔ ماتم۔ نوحہ خوانی۔ تعزیہ ذوالجناح و علم کو کیفیت
شعائر اسلامی محمدؐ و آل محمدؐ کی محبت میں سرمایۂ ایمان سمجھکر بڑے انہماک اور اشتیاق سے آباؤ و اجداد
مناتے چلے آتے ہیں۔ اور پیغمبر اسلام کو نوری سمجھنا۔ انبیاء و شہداء علیہم السلام کو زندہ جاننا۔ انبیاء
اولیا اور اہلبیتؑ کو ذریعہ نجات و وسیلہ سمجھکر ندا کرنا۔ مزارات اولیاء کی تعظیم تحفظ و عرس
و نقل نعلین رسول کریمؐ کو محبت سے بوسہ دینا۔ عید میلاد و عرس بزرگان دین کو اہتمام سے منانا
نذر و نیاز اللہ برائے ثواب بزرگان دین کو جائز جاننا حنفی عقیدہ کے مسلمانوں و علما اہلسنت
میں مراسم مذہبی عملی ہر سال ہمیشہ سے رائج ہیں۔ اور یہ اعمال مباح۔ برکت اور ثواب میں داخل ہیں
پس ایسے مذہبی رسومات کے مجمع و جلوس کو درہم برہم کرنا اور مذہبی خیالات کی خباثت نیت سے
توہین لکھکر یا تلفظ سے کرنا۔ مذہب کی توہین کرنا دفعات ۲۹۵ الف۔ ۲۹۶ و ۲۹۸ تعزیرات
پاکستان کی رو سے موجب سزا اور جرمانہ ہے۔ اس لئے ان امورات کی تحفظ اور بقا کیلئے نہ صرف شیعہ
حضرات کی تنظیم بنائی جائے۔ بلکہ ان عقائد مذہبی کو شعائر و آثار جاننے والے حضرات اہلسنت حنفی
مسلمانوں کی بھی ہر شہر و قصبہ و علاقہ تحصیل و اضلاع پاکستان میں مشترکہ اور متحدہ کمیٹیاں اور
انجمنیں بناکر ایک تحفظ مرکزی بورڈ بنایا جائے۔ اور بڑے بڑے شہروں میں اس تنظیم کو محرم ۱۳۷۸ھ
سے پہلے مکمل کر لیا جائے۔ تاکہ مذہبی مراسم میں خلل اندازی کرنے والے مجرمین کو قانون پاکستان کے مطابق
عدالتوں سے سزائیں دلاکر ان جرائم کا سدباب کیا جا سکے"۔

معارف اسلام: ہمیں ان تجاویز سے کلی طور پر اتفاق ہے۔ عزائے امام حسین علیہ السلام سب
مسلمانوں کی مشترکہ ہے۔ اسلئے اس کے انتظام کیلئے سنی و شیعہ کی مشترکہ کمیٹیاں بننا چاہئیں۔ اس
ضمن میں محترم ڈپٹی کمشنر صاحب لاہور مستحق مبارکباد ہیں۔ یکم فروری کے روزنامہ اخبارات پاکستان ٹائمز
وغیرہ میں یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ شیعہ و سنی علما و لیڈران کی مشترکہ میٹنگ بلائی گئی اور اتحاد بین
الفریقین کیلئے مشترکہ جلسے کرنے کی تجاویز پاس ہوئی۔ اور عوام سے اپیل کی گئی کہ ایک دوسرے سے
تعاون کریں۔ اور کسی فرقے کے مذہبی رسوم کی مخالفت میں ہڑتال یا روشنی بند کریں۔ یہ جذبہ بجائے اتحاد
کے مخالفت پیدا کرتا ہے۔ ہماری حکومت عالیہ و عامہ مسلمین سے دلی طور پر درخواست ہے۔ کہ
انتظامات عزاداری امام مظلوم کیلئے بھی سنی و شیعہ کی مشترکہ کمیٹیاں بنائی جائیں۔ شیعہ صاحبان اپنی مجالس
و جلوسوں کے پروگرام شرکت کیلئے سنیوں کو اور سنی اپنے جلوسوں اور محافل کے پروگراموں میں شیعوں کو شریک
کریں۔ تاکہ جذبہ تعاون سے اتحاد و اتفاق و محبت بڑھے اور بصدقہ مولا رب العالمین آپ پر اپنی رحمت برسائے

(بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

اختلافِ احادیث کے وجوہ و اسباب

اور محدثین کی اقسام

(بزبانِ امیرالمومنینؑ)

وقد سالہ سائل عن احادیث البدع وعما فی ایدی الناس من اختلاف الخبر فقال علیہ السلام ان فی ایدی الناس حقاً و باطلاً، وصدقاً وکذباً، وناسخاً ومنسوخاً وعاماً وخاصاً ومحکماً ومتشابھاً، وحفظاً ووھماً۔ ولقد کذب علیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم علیٰ عھدہٖ حتی قام خطیباً فقال من کذب علیّ متعمداً فلیتبوّء مقعدہ من النار۔ وانما اتاک بالحدیث اربعۃ رجال لیس لھم خامس رجل منافق مظھر للایمان متصنع بالاسلام لا یتاثم ولا یتحرج، یکذب علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ متعمداً فلو علم الناس انہ منافق کاذب لم یقبلوا منہ ولم یصدقوا قولہ، ولکنھم قالوا صاحب رسول اللہ

ایک شخص نے آپ سے من گھڑت اور متعارض حدیثوں کے متعلق دریافت کیا جو (عام طور سے) لوگوں کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے ہاتھوں میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ اور منسوخ، عام اور خاص، واضح اور مبہم، صحیح اور غلط سب ہی کچھ ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور میں آپ پر بہتان لگائے گئے یہاں تک کہ آپ کو کھڑے ہو کر خطبہ میں کہنا پڑا کہ "جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر بہتان باندھے گا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے"۔ تمہارے پاس چار طرح کے لوگ حدیث لانے والے ہیں کہ جن کا پانچواں نہیں۔ ایک تو وہ کہ جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ، وہ ایمان کی نمائش کرتا ہے اور مسلمانوں کی سی وضع قطع بنا لیتا ہے، نہ گناہ کرنے سے گھبراتا ہے اور نہ کسی افتاد میں پڑنے سے جھجکتا ہے، وہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ پر جھوٹ باندھتا ہے اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے تو اس سے نہ کوئی حدیث قبول کرتے اور نہ اس کی بات کی تصدیق کرتے۔ لیکن وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ کا صحابی ہے اس نے آنحضرتؐ

صلى الله عليه وآله مرآه، وسمع منه ولقف عنه فيأخذون بقوله، وقد اخبرك الله عن المنافقين بما اخبرك، ووصفهم بما وصفهم به لك، ثم بقوا بعده عليه وآله السلام فتقربوا الى ائمة الضلالة والدعاة الى النار بالزور والبهتان، فولوهم الاعمال وجعلوهم حكاما على رقاب الناس، فاكلوا بهم الدنيا وانما الناس مع الملوك والدنيا الا من عصم الله فهو احد الاربعة

ورجل سمع من الله شيئاً لم يحفظه على وجهه فوهم فيه ولم يتعمد كذبا فهو في يديه ويرويه ويعمل به ويقول انا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وآله فلو علم المسلمون انه وهم فيه لم يقبلوه منه، ولو علم هو انه كذلك لرفضه

ورجل ثالث سمع من رسول الله

کو دیکھا بھی اور اُن سے حدیثیں بھی سنی ہیں اور ان سے تحصیل علم بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ (بے سوچے سمجھے) اُس کی بات کو قبول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے تمہیں منافقوں کے متعلق خبر دے رکھی ہے اور ان کے رنگ ڈھنگ سے بھی آگاہ کر دیا ہے پھر وہ (رحلت) کے بعد بھی باقی و برقرار رہے اور کذب و بہتان کے ذریعہ گمراہی کے پیشواؤں اور جہنم کا بلاوا دینے والوں کے یہاں اثر و رسوخ پیدا کیا۔ چنانچہ انہوں نے اُن کو اچھے اچھے) عہدوں پر لگایا اور حاکم بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا اور اُنکے ذریعے سے اچھی طرح دُنیا کو حلق میں اُتارا اور لوگوں کا تو یہ قاعدہ ہے ہی کہ وہ بادشاہوں اور دنیا (والوں) کا ساتھ دیا کرتے ہیں مگر سوا اُن (محدودے چند افراد) کے جنہیں اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

چار میں سے ایک تو یہ ہوا اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے (ثقہ ثابت) رسول اللہ سے سنا لیکن جوں کا توں اسے یاد نہ رکھ سکا اور اس میں اسے سہو ہو گیا یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا یہی کچھ اس کے دفتر میں ہے اسے ہی دوسروں سے بیان کرتا ہے اور اسی پر خود بھی عمل پیرا ہوتا ہے اور کہتا بھی یہی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے سنا ہے اگر مسلمانوں کو یہ خبر ہو جاتی کہ اس کی یادداشت میں بھول چوک ہو گئی ہے تو وہ اسکی بات کو نہ مانتے اور اگر خود بھی اسے اس کا علم ہو جاتا تو اسے چھوڑ دیتا۔

تیسرا شخص وہ ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

صلی اللہ علیہ وآلہ شیئاً یأمر بہ
ثم نہی عنہ وہو لا یعلم، او سمعہ
ینہی عن شیٔ ثم امر بہ وہو لا
یعلم فحفظ المنسوخ ولم یحفظ الناسخ
فلو علم انہ منسوخ لرفضہ، ولو
علم المسلمون اذ سمعوہ منہ انہ
منسوخ لرفضوہ

کی زبان سے سنا کہ آپ نے ایک چیز کے بجا لانے کا حکم
دیا ہے پھر پیغمبر نے تو روک دیا لیکن یہ اسے معلوم نہ ہو
سکا یا یوں کہ اس نے پیغمبر کو ایک چیز سے منع کرتے ہوئے
سنا پھر آپ نے اس کی اجازت دیدی لیکن اسکے علم
میں یہ چیز نہ آسکی اس نے (قول) منسوخ کو یاد رکھا
اور حدیث ناسخ کو محفوظ نہ رکھ سکا اگر اسے خود معلوم
ہو جاتا کہ یہ منسوخ ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا اور مسلمانوں
کو بھی اگر اسکے منسوخ ہو جانے کی خبر ہوتی تو وہ بھی اسے نظر انداز کردیتے

وآخر رابع لم یکذب علی اللہ ولا علی
رسولہ، مبغض للکذب خوفاً من اللہ
وتعظیماً لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و
آلہ ولم یہم بل حفظ ما سمع علی
وجہہ فجاء بہ علی ما سمعہ لم
یزد فیہ، ولم ینقص منہ، فحفظ
الناسخ فعمل بہ، وحفظ المنسوخ
فجنب عنہ وعرف الخاص والعام
فوضع کل شی موضعہ وعرف
المتشابہ ومحکمہ

اور چوتھا شخص وہ ہے کہ جو اللہ اور اسکے رسولؐ
پر جھوٹ نہیں باندھتا وہ خوف خدا اور عظمت رسولؐ کے
پیش نظر کذب سے نفرت کرتا ہے اسکی یاد داشت میں غلطی
واقع نہیں ہوتی بلکہ جس طرح سنا اسی طرح اسے یاد رکھا
اور اسی طرح اسے یاد رکھا اور اسی طرح اسے بیان کیا۔
نہ اس میں کچھ بڑھایا نہ اس میں سے کچھ گھٹایا حدیث
ناسخ کو یاد رکھا تو اس پر عمل بھی کیا۔ حدیث منسوخ
کو بھی اپنی نظر میں رکھا۔ اور اس سے اجتناب برتا وہ
اس حدیث کو بھی جانتا ہے جس کا دائرہ محدود اور اسے
بھی جو ہمہ گیر اور سب کو شامل ہے اور ہر حدیث کو اس کے
محل و مقام پر رکھتا ہے اور یونہی واضح اور مبہم حدیثوں کو پہچانتا ہے

وقد کان یکون من رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ الکلام لہ وجہان:
فکلام خاص وکلام عام فیسمعہ
من لا یعرف ما عنی اللہ بہ ولا
ما عنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم، فیحملہ السامع و

کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کا کلام دو رخ لئے ہوتا
تھا کچھ کلام وہ جو کسی وقت یا افراد سے مخصوص ہوتا
تھا اور کچھ وہ جو تمام اوقات اور تمام افراد کو شامل ہوتا
تھا اور ایسے افراد بھی سن لیا کرتے تھے کہ جو سمجھ ہی نہ
سکتے تھے کہ اللہ نے اس سے کیا مراد لیا ہے اور پیغمبر
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے مقصد کیا ہے تو یہ

يوجهه على غير معرفة بمعناه وما قصد به وما خرج من اجله. وليس كل اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان يسأله ويستفهمه حتى ان كانوا ليحبون ان يجيء الاعرابي والطاري فيسأله عليه السلام حتى يسمعوا. وكان لا يمر بي من ذالك شيء الا سألت عنه وحفظته فهذه وجوه ما عليه الناس في اختلافهم وعللهم في رواياتهم (نهج البلاغة)

سمجھنے والے آپ سے سن تو لیتے تھے اور کچھ اس کا مفہوم بھی قرار دے لیتے تھے۔ مگر اس کے حقیقی معنی اور مقصد اور وجہ سے ناواقف ہوتے تھے اور نہ اصحاب پیغمبر میں سب ایسے تھے کہ جنہیں آپ سے سوال کرنے کی ہمت ہو بلکہ وہ تو یہ چاہا کرتے تھے کہ کوئی صحرائی بدو یا پردیسی آجائے اور وہ کچھ پوچھے تو یہ بھی سن سنا لیں۔ مگر میرے سامنے سے کوئی چیز نہ گزرتی تھی مگر یہ کہ میں اس کے متعلق پوچھتا تھا اور پھر اسے یاد رکھتا تھا یہ ہیں لوگوں کے احادیث و روایات میں اختلاف کے وجوہ و اسباب۔

(ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ)

(بقیہ صفحہ ۱۴)

(گفتنی ہا)

یومِ تکمیلِ دین

یہ شرف محض اسلام ہی کو حاصل ہے۔ کہ اسے دین کامل کہا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ گزشتہ انبیا کے ادیان بھی خدا ہی کی طرف سے تھے مگر وہ کامل نہ تھے کیونکہ وقتی تھے "اسلام خدا کا آخری پیغام ہے اور قیامت تک کیلئے انسانوں کی ضروریات کا کفیل ہے۔ لہٰذا اسے دین کامل کہا گیا۔ اور قرآن میں الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (مائدہ پ ۶) فرما کر اسے وہ عزت بخشی جو اور کسی دین کو حاصل نہیں۔ ہم عموماً قسم قسم کے یوم مناتے رہتے ہیں۔ مگر یہ وہ مخصوص دن ہے جسے خود خداوند تعالیٰ نے قرآن میں "الیوم" کہکر پکارا ہے۔ دین کیلئے اسکے کامل اور اکمل ہونے سے بڑھ کر اور کیا شرف ہو سکتا ہے۔ کاش کہ تمام مسلمان مل کر ۱۸ ذوالحجہ کو یہ یوم منائیں۔ اور اسلام کی برتری سب پر ثابت کریں۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۸ ذوالحجہ کو اس آیت کے نزول سے قبل پیغمبر رسول نے غدیر خم کے مقام پر حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بعد کیلئے من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ فرما کر تمام مسلمانوں کا مولا یعنی امیر بنایا (علی مولا ہے ان سب کا جن کا پیغمبر ہو مولا) جسکے فوراً بعد آیت تکمیل دین نازل ہوئی۔ قریباً تمام مستند کتب تفسیر اس پر گواہ ہیں۔ کیا شیعہ مسلمانوں کے اس دن عید غدیر منانے کی وجہ سے بقایا تمام مسلمان "یوم تکمیل دین" کی اہمیت کو نظر انداز کر دیں؟ (ادارہ)

(معاشرہ سازی)

اقامت صلوٰۃ

(از قلم سید جواد حسین شاہ نقوی (اسلامک ریسرچ سنٹر) بھکر ضلع میانوالی)

قرآن حکیم میں بار بار ارشاد ہوتا ہے یا ایھا الذین امنوا اقیموا الصلوٰۃ اے پیروان دعوت ایمانی صلوٰۃ کو قائم کرو قرآنی اسلوب بیان سے ذرا سا واقف انسان اس امر سے واقف ہے کہ جب قرآن کسی قانون یا عبادت کو نافذ کرتا ہے تو وہ اس کے مقاصد یعنی (THE WAY OF IT) کو بھی ساتھ ساتھ دہرا دیتا ہے۔ تاکہ یہ مقاصد پیش نظر رہیں۔ اور اس نہج پر زندگی گزارنے والے انسان کم از کم یہ تو دیکھ لیا کریں کہ قرآن نے جس نظام کی نشاندہی کی ہے کیا ان فرائض کو انجام دینے سے اسی قسم کے نتائج مترتب بھی ہو رہے ہیں۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو ہم قرآنی نقطہ نگاہ سے بہت دور اور اگر اثبات میں ہے تو قرآنی مقاصد سے بہت قریب ہوتے ہیں۔ چنانچہ بار بار ارشاد ہوتا ہے ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر بے شک فریضہ صلوٰۃ فحاشی اور منکرات سے بچاتا ہے۔ دیکھا آپ نے اس مختصر سے جملے میں اقامت صلوٰۃ کی غرض کس خوبی سے سمو دی گئی۔ تاکہ پیروان دعوت ایمانی جب بھی اس فریضہ کو ادا کریں۔ اُن کے پیش نظر یہ مقاصد ہر وقت رہیں۔ اگر آپ غور کریں تو آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ قیام الصلوٰۃ قرآن کی ایک نہایت جامع اور بلیغ اصطلاح ہے جس کا مقصود درحقیقت اس معاشرے کا قیام ہے جس میں قانون خداوندی عملاً نافذ ہو اور اس طرح ہر فرد معاشرہ کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہوتی چلی جائے۔ تاکہ وہ اس زندگی کی سرفرازیوں سے بہرہ یاب ہوتا ہوا اپنے ارتقائی منازل طے کرتا چلا جائے۔ لہٰذا نظام الصلوٰۃ ایک مرد مومن یا جماعت مومنین کی پوری کی پوری زندگی کو محیط ہوگا۔ ان کا ایک ایک سانس اس حقیقت کبریٰ کا شاہد ہوگا کہ وہ مصلی (فریضہ صلوٰۃ کو انجام دینے والے ہیں) ان کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اور ایک ایک شعبہ عبادت کا مظہر ہوگا۔ ان کے کاروبار حیات کا فلم سامنے آ جائے تو وہ منشائے خداوندی کی جیتی جاگتی تصویر دکھائی دیگا۔ اس اجتماعی نظام سے وابستگی بلکہ یوں کہیے کہ خود ان کے لاینفک اجزا اور کارفرما ہونے کی بنا پر ان کی حیات ارضی از ابتدا تا انتہائے اسلام کی جامع تفسیر ہوگی۔ بہرحال قرآن کے اس اہم نظام سے واقفیت کی خاطر "نظام صلوٰۃ" کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا حصہ نظریاتی بحث کے تحت میں اور دوسرا

حصہ عملی بحث کے سلسلہ سے متعلق ہوگا۔ کیونکہ قرآنی اسلوب بیان بھی اس امر کا متقضی ہے کہ اس پر نظریاتی (IDIOLOGY) اور عملی (PRACTICAL) دو طریقوں سے بحث کی جائے۔

۱۔ نظریاتی بحث

جہاں تک نظام الصلوٰۃ کی نظریاتی بحث کا تعلق ہے اس کو ہم مندرجہ ذیل تنقیحات کے تحت شروع کرتے ہیں۔

(پہلی تنقیح)

۱۔ "صلوٰۃ سے کیا مراد ہے"۔

اس سے قبل بتلا چکے ہیں کہ "قیام الصلوٰۃ" ایک نہایت جامع نظام ہے اور اس نظام کا مقصد معاشرہ کو پاک و پاکیزہ بنانا ہے۔ لہذا نظریاتی طور پر وہ تمام چیزیں اس نظام میں شامل ہونگی جو اس کے بلند مقاصد کو پورا کر سکیں۔ بقول صاحبان تفسیر بالرائے اس نظام کے مندرجہ ذیل اجزا ممکن ہو سکتے ہیں

۱۔ قرآن۔ یعنی ضابطہ آئین اسلام } اور اسکی عملی تشکیل کے اصول و مبانی
۲۔ مرکز۔ یعنی ضابطہ خداوندی کی قوت نافذہ اور } (۱) افراد معاشرہ جن سے یہ نظام متشکل ہوگا ان میں کامل اتحاد۔ یکدلی و یک جہتی و یک قدمی اور
۳۔ جماعت۔ افراد معاشرہ جن سے یہ نظام متشکل ہوگا } (ب) مرکز کی اطلاعات

(قرآنی فیصلے محترم پرویز صفحہ ۳۰ پر اس کی تائید موجود ہے)

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ یہ نظام جماعت مومنین کی پوری کی پوری زندگی پر چھایا ہوتا ہے۔ اور دن رات ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں وہ اس کے احاطے سے باہر ہوں۔ یہ ان کی حیات انسانی کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو ان کی طبعی حیات کیلئے ہوا کی حیثیت ہے۔ ہوا پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں جو اس کی ضرورت اور اہمیت کا معترف نہ ہو لیکن بایں ہمہ ڈاکٹروں کو اکثر و بیشتر یہ فقرہ دہرانا پڑتا ہے کہ صحت اور زندگی کے لئے کھلی اور تازہ ہوا کی اشد ضرورت ہے دہرانا اس لئے پڑتا ہے کہ کسی شے کی یاد دہانی (ذکر) سے اس کی اہمیت ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ آئین خداوندی نے اس کا انتظام کر رکھا ہے کہ اس نظام کی بار بار یاد دہانی کرائی جائے۔ تاکہ اس کے اصول و مبانی اجاگر ہوتے رہیں اور اس کی اہمیت نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس یاد دہانی کا نام صلوٰۃ کا فریضہ موقت ہے۔ یعنی خاص اوقات کا اجتماع صلوٰۃ۔

دین کے نظام اسلامی معاشرہ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ تورہ فلاح کی زندگی انفرادی

نہیں۔ اجتماعی ہے۔ اجتماعِ صلوٰۃ کی ابتدا اسی اصول سے ہوتی ہے کہ ایک دعوت پر بکھرے ہوئے افراد کا جمع ہونا۔ دین کے نظام میں اگلا قدم اطاعت مرکز ہے، اجتماعِ صلوٰۃ میں اسکی مظاہرہ عملی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ جب یہ اجتماع اپنے میں سے سب سے بہتر افراد کو بحیثیت امام چن لیتا ہے یہی امام اس اجتماع کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس ایک کی آواز پر سب کو اٹھنا ہوتا ہے اور اسی کی آواز پر جھکنا اور یہ جھکنا اور اٹھنا ایک ساتھ ہوتا ہے جو شہادت دیتا ہے اس حقیقت کبریٰ کی کہ اس جماعت کے افراد میں کامل ہم آہنگی اور فکر وعمل رہے۔ اس سے معاشرے کی ناہمواریاں مٹتی ہیں۔ دین کے نظام کا اگلا اصول یہ ہے کہ نظام عالمگیر حیثیت رکھتا ہے اس کا مرکز محسوس بیت اللہ ہے۔ لہذا اجتماعِ صلوٰۃ میں اس حقیقت کی یاد دہانی کے لئے جماعت کا رُخ قبلے کی طرف رکھا جاتا ہے یعنی ساری دنیا کے مسلمانوں کا سطح نگاہ اور نصب العین ایک ہوگا۔ اسلامی معاشرے کا قیام قانون خداوندی کی رُو سے ہوتا ہے اور اجتماعِ صلوٰۃ سے مقصود اس اصل الاصول کی یاد دہانی ہے۔ اس لئے قرآن کے بغیر صلوٰۃ کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ اس کی غائت ہی افراد معاشرہ کی توجہات کو قرآن پر مرکوز کرنا ہے۔ اس مقصد کی یاد دہانی کے لئے یہ اجتماعات رکھے گئے ہیں اس لئے ان میں قرآن دہرایا جاتا ہے تاکہ ایمان کی تجدید ہوتی رہے کہ ہم نے غیر اسلامی نظام کی مخالفت میں سینہ سپر ہو کر قائم رہنا ہے اور جھکنا ہے تو صرف اسی کے فیصلوں کے سامنے جھکنا ہے۔ قرآن کا یہ مقام اس لئے ہے کہ انسانی ذہن کا وضع کردہ قانون نہیں بلکہ اس خدا کا متعین فرمودہ ہے ضابطہ حیات ہے۔ جو زندگی کے سرچشمہ اور ربوبیت کا کفیل ہے جس کی ذات زندگی کے تمام متنوع گوشوں میں کامل توازن احسن کی مظہر اتم ہے۔ لہذا وہی معاشرہ بہترین توازن احسن کامل کا آئینہ دار ہو سکتا ہے جس میں اس کی صفات منعکس ہوں۔ اجتماعِ صلوٰۃ میں قرآن کو سامنے لانے سے یہ تمام تصورات ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ ایک ایک کر کے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

عملی بحث

قصہ مختصر کہ اتنی تشریح کے بعد جس کی ہم نے نشاندہی کی ہے۔ یہ سمجھنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے کہ اس نظام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مندرجہ انتظامات کرنے ہونگے۔

(۱) تعلیم قرآن
(۲) اطاعت مرکز کا تعارف
(۳) جماعت کی تیاری
(۴) معاشرہ کا تزکیہ اخلاق

"نظام صلوٰۃ سے متعلق رسول خدا کے ممکن عملی اقدامات"

اب آپ غور کریں کہ ایسا نظام جو دین کی ایک مختصر جوئی شکل (MINIATUE REFORM) تھا۔ کیا قرآن کی مرکزی اتھارٹی (رسول اکرمؐ) اس بارہ میں بالکل خاموش رہی ہوگی۔ ہرگز نہیں! آپ سورہ جمعہ کو پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مرکزی اتھارٹی کے ذمے کیا فرائض تھے۔ ارشاد ربانی ہے

هو الذی ارسل فی الامیین رسولاً منهم یتلو علیهم ایٰته ویزکیهم ویعلمهم الکتٰب والحکمة ... الخ (القرآن)

وہ ذات جس نے اُمیّین میں ایک رسولؐ (مرکزی اتھارٹی) کو مبعوث کیا (اور اس کے ذمے یہ فرائض لگائے) کہ وہ آیات الٰہی کی تلاوت کرے اور تزکیہ اخلاق کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔

اس آیت سے اُن ہی عملی اقدامات کی نشاندہی ہوتی ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا۔ کہ اگر قرآنی مرکزی اتھارٹی اس نظام کو نافذ کرنا چاہے تو وہ کیا اقدامات اختیار کرے گی۔ اب ہم باری باری ان فرائض کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ تعلیم قرآنی

نظام الصلوٰۃ کے لئے پہلا عملی قدم قرآن حکیم کی تعلیم تھی۔ آپ نے اسکو اس حد تک پورا کیا۔ جس حد تک ممکن تھا۔ حتیٰ کہ قرآن نے کہہ دیا۔ یتلو علیهم۔ اس میں "یتلو" کا لفظ خاص اہمیت کا حامل ہے اور اس کا مترادف لفظ "تلاوت" ہے۔ تلاوت غیر کے کلام کی امانت ہے اور اُن ہی الفاظ کو دہرانا تلاوت ہے۔ اس سرٹیفیکیٹ کے بعد مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۱۱) اطاعت مرکز کا تعارف

نظام الصلوٰۃ کے سلسلے قرآنی فکر کی روشنی میں دوسرا اہم عملی قدم اطاعت مرکز کا ہو سکتا تھا۔ رسول اکرمؐ نے اس کو بھی پورا کیا۔ دبستان اسلام کے اس گل سرسبد کا تعارف مختلف طرائق سے کرایا گیا۔ مثلاً علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی [۱] جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے [۲] اور غدیر خم پر تو علیٰ روس الاشہاد اس کا تعارف کرایا گیا۔ ہمارا مقصد تجزیہ احوال نہیں۔ ورنہ اس نظام پر کھول کر بتلا دیتے کہ مرکزی اتھارٹی کا تعارف کس طریقہ سے ہوا۔ شوق تحقیق رکھنے والے علامہ سید حامد حسین صاحب لکھنوی کی کتاب عبقات الانوار ملاحظہ فرما سکتے ہیں جو ہمارے تحقیقی مساعی کا ایک شاہکار ہے۔

---

[۱] علی منی بمنزلة هارون من موسیٰ [۲] من کنت مولاہ فهذا علیٌ مولاہ۔

III معاشرہ کا تزکیہ اخلاق

رسول کریمؐ کے اہم عملی اقدامات سے معاشرہ کا تزکیہ اخلاق تھا اور قرآنی نقطہ نگاہ سے اُن پر فرض۔ تجدد پسند اصحاب بھی شاید آپ سے یہ سُوئے ظن تو نہ رکھتے ہوں گے کہ انہوں نے اس فرض کو پورا نہیں کیا +

IV جماعت کی تیاری

رسولِ خدا نے اس نظام کو مزید مضبوطی سے چلانے کی خاطر جماعت کی تیاری کی تاکہ آپؐ کی وفات کے بعد یہ جماعت بھی آپ کے فرائض کو بوجہ احسن پُورا کر سکے۔

یہ عملی اقدامات جن کو ہم نے مختصر طور پر اوپر بیان کیا۔ قرآن بصیرت کے موافق ممکن اقدامات تھے۔ اب ہم صلوٰۃ کے مفہوم کو ذرا تنگ کر کے موقت صلوٰۃ پر اپنی بحث کو محدود کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اقدامات صلوٰۃ کی بے پناہ وسعت کے تحت تھے۔ ہم دکھلا رہے ہیں کہ اگر صلوٰۃ کی نظریاتی بحث کو جتنا وسیع کیا جائے اُتنا ہم پر آشکارا ہوتا چلا جائیگا کہ نبی اکرمؐ نے ہر ممکن قدم اُٹھایا۔

نماز اور صلوٰۃ میں فرق کیا ہے؟ (ایک ذیلی مقیع کا جواب)

صلوٰۃ کے ذکر میں بیان ہو چکا کہ صلوٰۃ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ لیکن اُسی کو جب محدود کیا جائے تو وہی نماز ہوتی ہے۔ کیونکہ ابھی صلوٰۃ کے مفہوم میں نظریاتی طور پر ہم نے جن اجزا کو لیا وہ قرآن کی تعلیم، اطاعت مرکز کا تعارف، جماعت کی تیاری معاشرہ کا تزکیہ اخلاق تھا۔ وہیں "موقت نماز" بھی صلوٰۃ کے مفہوم میں داخل ہے۔ ہمارے بعض تجدد پسند اصحاب نے صلوٰۃ کی نظریاتی بحث چھیڑ کر "نماز" کو اُس سے الگ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے وہ رقمطراز ہیں:۔

"چنانچہ اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ اقیمو الصلوٰۃ سے ذہن نماز پڑھنے کے علاوہ کسی اور طرف منتقل ہی نہیں ہوتا۔ اور نماز پڑھنے سے مراد ہے ——— خدا کی پرستش کرنا۔"

(اسباب زوال امت محترم پرویز)

چنانچہ قوم کوش براہ ترقی پر ڈالنے کے درپے یہ حضرات چاہتے ہیں کہ نماز کا خاتمہ کیا جائے۔ ہمارا ایک باب اسی مضمون میں ہو گا کہ "کیا نماز مسلمانوں کی راہ ترقی میں حائل ہے؟"۔ اس میں ہم ان تجدد پسند اصحاب کے عزائم کی قلعی کھولیں گے۔ یہ فرماتے ہیں:۔

"صلوٰۃ ——— نظام دین کی سمٹی ہوئی شکل جس سے مقصود اس نظام خداوندی کے خدوخال اور اغراض وغایات کو بار بار ذہن میں نمایاں اور دل میں منقوش کرنا تھا تاکہ جماعت مومنین اپنی

زندگی کے مقصود و مطلوب کو ہر وقت سامنے رکھے۔ اور اسکے حصول و قیام میں ہر ممکن کوشش کرے۔ اس کے برعکس نماز۔۔ خدا کی پرستش کی رسم جو ہر مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ اور پارسیوں کے ہاں اس کا نام تک یہی ہے"۔ نبی اکرمؐ نے قرآن کے ارشادات کے مطابق نظام الصلوٰۃ کو قائم فرمایا تھا جس میں موقت اجتماعات کو خاص اہمیت حاصل تھی ہم اس رسم پرستش کو پورا کرتے ہیں جس کا تصور عجمی اثرات کے تحت وجود میں آیا تھا۔ ہمیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

(قرآنی فیصلے محترم پرویز)

محترم پرویز نے غیر شعوری طور پر یہاں "موقت اجتماعیات" کا ذکر کیا ہے اور جانتے بھی کہ نماز اسی چیز کا نام ہے۔ لیکن انہیں جو چیز جو یہاں پر نفرت دلا رہی ہے اور ذہنی اکراہ کا موجب بن رہی ہے وہ یہ ہے کہ:۔

(۱) قوم کا نظام صلوٰۃ سے رویہ (ا) نظام الصلوٰۃ کے مفہوم میں عجمی اثرات کا پرتو

یہ دونوں سبب تو ان کی اس تحریر میں نمایاں ہیں۔ لیکن ذہنی اکراہ کا ایک اور سبب بھی ہے اور وہ یہ کہ "صلوٰۃ ایک رسم بن کر رہ گئی" ظاہر ہے کہ اس صلوٰۃ کی رسم کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا۔ (نہیں آسکتا تھا) اس لئے کہ جس نظام کی یاد دہانی کے لئے یہ اجتماع ہوتا تھا وہ نظام ہی گم ہو چکا تھا اب اگر ملت کا مقصود زندہ رہتا تو نگاہ کا رخ اس طرح ملتا کہ اس نظام کو دوبارہ قائم کرنا چاہیے جس کی یاد دہانی کے لئے یہ اجتماع مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن ہمارے جرائم کی سزا کی مدت چونکہ ختم نہیں ہوگی۔ اس لئے توجہ اس طرف نہیں دی گئی۔ بلکہ یہ سمجھ لیا گیا کہ یہی رسم مقصود بالذات ہے۔ اگر۔۔۔ اس کا کوئی نتیجہ اس وقت ہمارے سامنے نہیں آتا تو نہ سہی اس کا ثواب ضرور ہوتا ہے۔ جو قیامت تک ہمارے سامنے آجائیگا"۔

(قرآنی فیصلے محترم پرویز ص ۲۵، ۲۶)

اس حوالے سے یہ ثابت ہو گیا کہ ذہنی کراہت کا تیسرا سبب ابھی قوم کا رویہ ہی ہے جسے دوسرے لفظوں میں یوں ادا کیا گیا کہ اس کا کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ اب ان تجدد پسند احباب سے کوئی پوچھے کہ صاحب اسلام کے اصولوں کا تمام قوموں کو اعتراف ہے۔ لیکن مسلمانوں کی بے عملی ان کو جچتا نہیں سکتی۔ اگر آپ کو اس سے کراہت آتی ہے۔ تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ نماز کی اہمیت کو سرے ہی سے ختم کر دیا جائے۔ سر درد کا علاج سر کٹنا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا علاج ہوتا ہے۔

(باقی آئندہ)

(فضائل قرآن) از علامہ سید امداد حسین کاظمی صدر ادارہ معارف اسلام

ثقلین یعنی قرآن اور تالیِ قرآن

گزشتہ شماروں میں بتایا جا چکا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث ثقلین بیان فرما کر اپنے اہلبیتؑ کرام کو "تالیِ قرآن" قرار دیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آنحضورؐ نے انہیں ثقلین بصیغہ تثنیہ یعنی دو وزنی چیزیں کیوں کہا ہے؟ حالانکہ بظاہر نہ قرآن کوئی خاص وزن رکھتا ہے نہ اہلبیتؑ کرام۔ قرآن جو بین الدفتین ہمارے پاس موجود ہے۔ اس قدر ہلکا پھلکا ہے کہ اسے دو انگلیوں پر اٹھایا جا سکتا ہے۔ کوئی بڑا وزن محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح اہلبیت عظام علیہم السلام بھی گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں وغیرہ پر سوار ہوتے رہے۔ پھر انہیں ثقلین کیوں کہا گیا؟ کیا ثقل اور گرانی تھی ان دونوں میں؟ جو انہیں ثقلین سے تعبیر کیا گیا۔ آیئے اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

پہلے اس بات کو سمجھ لیں کہ ثقل یا وزن کی تعریف کیا ہے۔ سو واضح ہو کہ قدیم فلاسفروں کے نزدیک "وزن" نام ہے کسی جسم کے "اپنے مرکز کی طرف میل کرنے کا"۔ پس اگر اس جسم کا مرکز بلند یا علوی ہے۔ جیسے کرۂ نار اور کرۂ ہوا۔ تو اس کے میلان کا نام "خفت" ہے۔ اور اگر اس کا مرکز سفلی ہے۔ جیسے مٹی اور پانی۔ تو اس کے میلان کا نام "ثقل" ہے۔ مشہور سائنسدان سر اسحاق نیوٹن نے جب درخت سے سیب کو زمین پر گرتے دیکھا تو سوچنے لگا کہ یہ سیب زمین پر کیوں گرا؟ آسمان کی طرف کیوں نہیں گیا؟ دائیں بائیں کیوں نہیں چلا گیا؟ آخر یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ ہر شے کا میلان اس کے مرکز کی طرف ہے۔ آپ ایک پتھر یا مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر اپنے ہاتھ کی پوری قوت سے آسمان کی طرف پھینکیں، جب تک آپ کی قوتِ قسری کا اثر رہیگا۔ پتھر یا ڈھیلا اوپر جائیگا جونہی اثر کم ہوگا۔ زمین کی طرف گرنا شروع ہوگا۔ اور بالآخر زمین پر گر کر دم لیگا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زمین اس کا مرکز ہے۔

پانی کا مرکز جوفِ زمین ہے۔ آپ کچھ پانی ایک لوہے کے گھڑے میں بند کر دیجئے۔ پانی مرکز کی طرف جانے کی کوشش کریگا۔ لیکن چونکہ گھڑے میں بند ہے۔ اسکی کوشش رائیگاں ہے اب وہ گھڑے کے لوہے کو کھانا شروع کر دیگا جس سے اسے زنگ لگنا شروع ہوگا۔ اور آخر کار زنگ لگتے لگتے ایک دن اس میں سوراخ ہو جائیگا۔ اس سوراخ سے پانی نکل کر زمین پر بہہ جائیگا۔ اور آخر کار

اپنے مرکز سے جا ملیگا۔

آگ کا مرکز بلند ہے۔ آپ لاکھ کوشش کریں شعلہ آسمان ہی کی طرف جائیگا۔

ہوا کا مرکز بھی بلند ہے۔ ایک غبارہ میں ہوا بھر کر چھوڑ دیجئے وہ بلندی میں اُڑ جائیگا۔

ثابت ہوا کہ عناصر اربعہ میں سے ہر ایک اپنے مرکز کی طرف میلان طبعی رکھتا ہے۔ اور فلاسفہ جب "وزن" بولتے ہیں تو اس سے یہی "میلان طبعی" مراد لیتے ہیں +

جدید فلاسفروں کے نزدیک جو ایک ہزار ہجری سے بعد ہوئے ہیں۔ "وزن" نام ہے قوت جذب کا۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ تمام اجسام عالم میں جاذبیت پائی جاتی ہے یعنی ہر ایک شے میں قوت کشش ہے۔ یہ شے خواہ فلکی ہو یا عنصری یعنی آگ پانی۔ مٹی اور ہوا۔ ان کے نزدیک "وزن" یا "ثقل" نام ہے اس بات کا کہ جسم ماتحت فوقانی جسم کو اپنی طرف جذب کرتا ہے۔ اور "خفت" نام ہے اس امر کا کہ فوقانی جسم تحتانی جسم کو جذب کرتا ہے۔

اب جدید فلاسفروں کا یہ نظریہ بھی ہے کہ ہر بڑا جسم اپنے سے چھوٹے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ وہ جسم خواہ باعتبار حجم کے بڑا ہو یا باعتبار جوہر ذات کے یا باعتبار کثافت کے۔ بشرطیکہ کوئی اور قوی جسم اس کوشش سے مانع نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کل ارضی چیزیں زمین کی طرف کھینچتی ہیں۔ اور بادل کے ٹکڑوں کی کشش کرۂ قمر کی طرف نہیں ہوتی۔ بلکہ قمر وغیرہ بھی زمین ہی کی طرف کھنچتے ہیں کیونکہ تحقیق جدید کی روشنی میں قمر یا چاند زمین ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔ اسی کشش کا نام "ثقل" یا "وزن" ہے +

جب "وزن" یا "ثقل" سمجھ میں آگیا۔ تو اب اسکی مزید وضاحت سنئے۔ عناصر اربعہ کی جو مثالیں اوپر دی گئی ہیں انہیں ذہن میں رکھئے۔ اور دیکھئے۔ کہ اگر ایک پتھر یا ڈھیلہ زمین سے اٹھایا جائے تو زمین سے الگ ہوتے ہی اس میں وزن پیدا ہو جائیگا۔ کیوں؟ اس لئے کہ مرکز سے الگ کیا جا رہا ہے +

ایک گھڑا پانی سے بھر لیجئے۔ جب تک وہ پانی کے اندر ہے۔ اس کا کچھ وزن نہیں ہوگا۔ ایک انگلی سے اٹھا لیجئے۔ اور پانی کی تہ تک لے آئیے لیکن جب یہ گھڑا پانی سے باہر نکالا جائیگا۔ تو اس میں وزن پیدا ہو جائیگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی اپنے مرکز سے جدا کیا جا رہا ہے۔

ایک مشک میں ہوا بھر لیجئے۔ وہ اس قدر ہلکی پھلکی ہوگی۔ کہ اسے بلا تکلف ادھر ادھر اُڑائیے لیکن اگر اس مشک کو پانی کے اندر لے جانا چاہیئے۔ تو زور لگانے کی ضرورت ہوگی۔ جب تک کافی زور اور دباؤ نہ ڈالا جائیگا۔ ہوا سے بھری ہوئی مشک پانی کے اندر نہیں جائیگی۔ اسلئے کہ اس مشک میں ہوا ہے جس کا مرکز بلند ہے۔ مرکز سے جدا کرتے وقت اس میں ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح آگ کے شعلہ کو قیاس کر لیجئے، شعلہ ہمیشہ اوپر ہی جاتا ہے۔ نیچے لے جانے میں دقت اور دشواری پیش آئیگی۔

اس امثلہ سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی چیز مرکز سے جدا کی جائے اس میں وزن یا ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ قرآن یا اہلبیت کا مرکز بلند ہے۔ یہ دونوں چیزیں فرشی نہیں۔ بلکہ عرشی ہیں جب مرکز سے جدا کر کے فرش زمین پر لائی گئیں۔ تو ان میں "ثقل" پیدا ہو گیا۔ قرآن کے مرکز کی نسبت ارشاد ہے۔ بل ھو قرآنٌ مجیدٌ ۞ فی لوحٍ محفوظٍ (پ البروج ع) یہ قرآن مجید لوح محفوظ میں ہے۔ گویا قرآن مجید کا مرکز عرش پہ لوح محفوظ ہے نہ کہ زمین۔

اسی طرح اہلبیت رسولؐ کا مرکز عرش ہے۔ جہاں خلقت ظاہر سے قبل لاکھوں برس تسبیح کرتے رہے بلکہ فرشتوں کو تسبیح انہوں نے سکھلائی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ سبحنا فسبحت الملائکۃ بتسبیحنا کہ ہم نے تسبیح کی۔ تو ہماری تسبیح دیکھ کر فرشتوں نے بھی تسبیح کی۔ لہذا جب قرآن اور اہلبیت جن کا مرکز زمین نہیں۔ بلکہ عرشی بلند ہے۔ اپنے مرکز سے ہٹا کر زمین پر لائے گئے۔ تو ان میں "ثقل" پیدا ہو گیا۔ لہذا "ثقلین" کہلائے۔ قاعدہ کلیہ ہے۔ کہ کل شیء یرجع الی اصلہٖ یعنی ہر چیز اپنے مرکز کی طرف جاتی ہے۔ عناصر اربعہ کی امثلہ پر پھر غور کریں مٹی کا ڈھیلا جب اس کے مرکز یعنی زمین سے دور لے جا کر بلندی میں چھوڑا گیا۔ تو وہ سیدھا اپنے مرکز پر آگرا جب تک ہاتھ کی قوت قسری کا اثر تھا مرکز سے الگ رہا۔ جب یہ اثر جاتا رہا۔ اپنے مرکز پر پہنچا۔ ہوا سے مشک بھر کر پانی کے اندر لے جاؤ۔ جب تک ہاتھ کا دباؤ ہے۔ مشک پانی کے اندر ٹھہری رہیگی۔ ذرا ہاتھ کا دباؤ ہٹا کر دیکھو۔ مشک فوراً اوپر ہوا میں آجائیگی۔ جب تک مانع رہا۔ دبی رہی۔ مانع ہٹا۔ مشک ابھری اور اپنے مرکز پر پہنچ کر دم لیا۔ اسی طرح آنحضور صلعم کا مرکز عرش تھا۔ فرش نہیں تھا جب تک ثقل انما انا بشر مثلکم کا مانع اور دباؤ رہا۔ فرش زمین پر رہے۔ جب قدرت نے مانع اور دباؤ اٹھا لیا فرش زمین چھوڑا۔ ساتوں آسمان پار کئے اور عرش معلیٰ پر پہنچ کر دم لیا۔ کیونکہ یہی آپ کا مرکز تھا۔ اسی جگہ لاکھوں برس عالم نور میں آپ نے تسبیح باری تعالیٰ کی ہوئی تھی۔ دروازہ کی زنجیر الٹنے سے ہلتی رہی بستر گرم رہا۔ وضو کا پانی اسی طرح رہا۔ اور آپ فرش سے عرش تک پہنچ بھی گئے اور وہاں کی سیر و سیاحت کر کے واپس بھی آگئے۔ کسی نبی کا مرکز پہلا آسمان تھا کسی کا دوسرا کسی کا تیسرا یا چوتھا۔ چوتھا کس کا؟ حضرت عیسےٰ کا۔ لہذا جب حضرت عیسےٰ کو فرش زمین سے اٹھایا گیا تو بل رفعہ اللہ الیہ کہکر انہیں ان کے مرکز چوتھے آسمان تک پہنچا دیا گیا۔ (بقیہ صفحہ ۳۲ پر)

(تاریخ اسلام پر تبصرہ) (از فاضل مورخ عسکری بن احمد)

قیصر و کسریٰ کے استبداد کو مٹانے والے {قسط دوم}

(سلسلے کیلئے دیکھئے معارف اسلام ماہ مئی ۱۹۸۵ء ص ۳۴)

شاعرِ مشرق نے سنایا ہے مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ۔ فقرِ ابوذرؓ۔ صدقِ سلمانیؓ (کلیات اقبال)

علامہ اقبال ایران کے ہم فکر مکتب کا یقین محکم ہے کہ قیصریت اور کسرویت (ملوکیتی استبداد) کے کردار کو میٹ و نابود کرنے والی "اقبالی تکون" ہے اور اسکے سہ پہلو کردار زورِ حیدری۔ فقرِ ابوذری اور صدقِ سلمانی ہیں۔ مگر مولوی شبلی نعمانی آنجہانی کے مدرسۂ فکر کا خیال ہے کہ قیصر و کسریٰ کے ملکوں کو جن حاکموں اور جرنیلوں نے "سپاہی اور تلوار" کے بوتے پر فتح کیا وہی فاتحین قیصر و کسریٰ ہیں۔ دو مکتبہ ہائے فکر —— ایک فاتحین استبدادیت ملوکیت قیصر و کسریٰ کو بندگی ماننا ہے اور دوسرا فاتحین ظاہری ملوکِ قیصر و کسریٰ کو اعلیٰ جانتا ہے۔

ہم نے شمارہ ماہ مئی میں حضرات علیؑ۔ ابوذرؓ اور سلمانؓ کی "اقبالی تکون" کی ان خدمات کا جائزہ لیا جو انہوں نے غزوۂ خندق اور مہمات روم و ایران کے میدان میں سرانجام دیں۔ یوم الخندق تو کامیابی کا سہرا ہر رنگ انہیں کے سر رہا۔ اور یہی وہ دن ہے جس دن آنحضرت صلعم نے قیصر و کسریٰ کی فتوحات کی خبرِ غیب کا اعلان فرمایا۔ اور پھر دورانِ فتوحاتِ ملکی (اقالیم روم و ایران) میں بھی اس اقبالی تکون کی قوتِ شمشیر۔ قوتِ تدبیر اور قوتِ تقریر کے مظاہرے دیکھے

شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ناموس صحابہ کے ساتھ ساتھ خصائص صحابہ کا سب سے بڑا پاسبان ہے

اب ہم فتوحاتِ ملکی کا جائزہ لیتے ہیں۔ اور مولوی شبلی کے مکتبۂ فکر کے فاتحین کو ایک نظر جانچتے ہیں۔ خدا ہم سب کو حق دیکھنے کی توفیق عطا کرے۔ پہلی نگاہ تو اسی سیاست دان پر پڑتی ہے۔ جو ان مہمات کے زمانے میں منتظم مملکت (ADMINISTRATOR) بن چکا ہے۔ جسے اگرچہ دوسرے درجہ پر رکھا گیا ہے۔ مگر اس دور میں وہی مملکت کے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے جس نے پہلے اور پچھلے کو سنبھالا

اور جس کا دورِ حکومت وسعت رقبہ کے لحاظ سے ظفریاب گنا جاتا ہے۔ اور اسی لئے اس مکتبۂ خیال کی رو سے وہی اول ہے۔

یوم الخندق پہ چلے چلتے ہیں کہ یہیں سے تصدِ قیصر و کسریٰ چلتا ہے۔ خندق پھاند کر جب عمرو ابن عبدود مسلمانوں کے میدان میں آگیا۔ تو مسلمان جو ٹڈی دل فوجِ کفر سے پہلے ہی خوفزدہ تھے اور زیادہ ہراساں ہوتے رہے۔ سب اوسان بھی خطا ہو گئے۔ کانما علیٰ رؤسہم الطیر (تاریخ روضۃ الصفا) اس وقت صحابہ کرام کا یہ نقشہ تھا کہ جیسے ان کے سروں پر پرند بیٹھے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ سکوتِ مرگ یا یوں کہئے سکوت جیسی طاری تھا۔ عمرو ابن عبدود پکارتا تھا ھل من مبارز ہے کوئی مائی کا لال جو میدان میں نکلے۔ مگر ادھر سے جواب ندارد۔ عمرو ڈینگ مار رہا تھا ہم نے سنا ہے کہ مسلمانوں کے کشتے شہید ہو کر بہشت رسید ہوتے ہیں آؤ میری تلوار ہر مسلمان کو کشتہ و شکستہ کریگی۔ بہشت جانا چاہو تو آؤ دو ہاتھ کر لو۔ مگر ایک خاموشی تھی ان سب کے جواب میں (روضۃ الصفا) واحد حضرت علی کی ذات تھی جو پھڑک پھڑک کر آنحضرت صلعم سے اجازتِ مبارزت چاہ رہی تھی۔ مگر آنجناب آپ کو روکے ہوئے تھے —— ایسے میں اگر کسی کی قوتِ گویائی نے یاوری کی تو وہ واقعی دلیر ہے۔ یہ سکوتِ مرگ اور یہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے تھا اور کہنے والا کہہ رہا تھا "یاران برادران میری اس پہلوان سے نہت پرانی جان پہچان ہے۔ بس یہ عمرو ابن عبدود ہے جو ایک ہزار جوان کو کافی ہوا کرتا ہے"۔ یہ قول حضرت عمر ابن الخطاب کا تھا (روضۃ الصفا) یہ وہ وقت تھا کہ آنحضرت صلعم فوج صحابہ کا تنزل مورال (DEPRESSED MORALE) اونچا کرنے کیلئے قیصر و کسریٰ کی فتوحات کی پیشینگوئیاں کر رہے تھے کہ کسی طور "تھوڑدلی" فوج میں جی داری "پیدا ہو۔ اس وقت دشمن کی بہادری جتلا اور جتلا کر اپنی ہی فوج کے چھکے چھڑانا —— کسی صورت میں بھی مفاد مسلمین کے حق میں نہ تھا۔ اور نہ ہی تدبیرِ جنگ کہتا زیب دیتا ہے۔

بہر حال عمرو ابن عبدود کی مبارزت کیلئے حضرت علیؑ برآمد ہوئے۔ شیرِ خدا کی قوتِ شمشیر یعنی اک ضربِ ید اللہی نے عمرو کا خاتمہ کر دیا (نہیں عمرو کا نہیں بلکہ کفرِ کل کا خاتمہ کر دیا) اک ضرب تھی کہ کا رسپاہ تھا۔ عمرو ابن عبدود کے ساتھی ضرار ابن الخطاب۔ جبیرہ اور نوفل بھاگے۔ حضرت علی بڑھے۔ نوفل خندق میں گرا حضرت علی نے اسے وہیں چیر ڈالا (کرنا خدا کا) کہ بھاگے ضرار کا تعاقب حضرت عمر ابن الخطاب نے کیا۔ ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا۔ لیکن روک لیا اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا (سیرۃ النبی شبلی) ضرار تو حضرت علی کی قوتِ شمشیر سے خوفزدہ تھا۔ اچانک جو

محسوس کیا کہ اگر علیؓ تعاقب میں ہوتے تو کب کا فرار ٹکڑے ہو گیا ہوتا۔ مڑ کر دیکھا تو عمرؓ پایا۔
برچھا سینے پر رکھ دیا مگر فوراً ہی برچھا اٹھا لیا اور احسان رکھ دیا۔ احسان دھر کر وہ اطمینان سے
چل دیا اور ادھر احسان ماننے والا اشدّاءُ علی الکفار کہا جانے والا احسان قبول کرتا رہ گیا۔
اور کافر شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ تلوار کا ایک بودا سا وار بھی گھبرائے ہوئے فرار کیلئے کافی تھا۔
ہزیمت خوردہ فوج کی یہ حاضر حواسی اور ادھر یہ بیچ ہی نقشہ مارے خوف کے آنکھیں پھری کی
پھری اور کلیجے گھٹ کر حلق میں آئے ہوئے (الآیہ احزاب) کافر کے احسان کے جواب میں ایک عمرؓ گر
کے شان و گمان چپ سادھے تھے۔

آج یوم الخندق کو حضرت عمر ابن الخطاب کی قوتِ شمشیر، قوتِ تدبیر اور قوتِ تقریر کی کیفیت
یہی تھی۔ جو تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں بڑی نمایاں الفاظ میں ملتی ہے۔ ہم تاریخ اور سیرت
کے مجسم پیکر سے ہو کر تبصرہ کر رہے ہیں۔ اب ہم مہماتِ روم و فارس کا مطالعہ کرتے ہیں:-

(۱) فتوح العراق۔ اقتدار کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھوں میں آنے کے بعد سب سے پہلے عراق کی
مہم پر توجہ فرمائی۔ یوں تو شام و عراق میں لشکر کشی حضرت ابوبکرؓ کے عہد سے ہو چکی تھی۔ عراق کے
دو حصے تھے۔ عرب سے ملحق کو عراقِ عرب اور ایران سے ملحق حصہ کو عراقِ عجم کہا جاتا تھا۔ موخر الذکر
تو ایران (فارس) کے تحت تھا۔ عراقِ عرب بھی ایران کا باجگزار تھا۔ مدائن ایرانیوں کا دارالسلطنت
تھا۔ ایران کی سلطنت میں عراقِ عجم۔ فارس۔ کرمان۔ خراسان اور بلخ تک کے علاقے تھے۔

مسلم مجاہدین کو ابھارنے کیلئے کہا جاتا تھا آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے (الفاروق) حیرہ
اور ابلّہ، یہ تو عہد حضرت ابوبکرؓ میں فتح ہو گئے تھے۔ یہ عرب و عجم کے درمیان بفر سٹیٹس BUFFER
STATES تھیں۔ ۱۳ھ میں عراق پر پہلا حملہ عہد حضرت عمرؓ میں ہوا۔ ابو عبیدہ ثقفی کی سرداری
تھی۔ مگر اس نے ہزیمت اٹھائی۔ جنگ جسر (پل کی جنگ) میں خود ابو عبیدہ قتل ہوا۔ اسکے قتل
پر حیرہ اور کلدیہ پھر ایرانیوں ۔۔۔۔۔۔ کے ہاتھ لگ گئے۔ ۱۳ھ میں جنگ بویب (کوفہ
کے نزدیک) مثنیٰ کی افسری میں ہوئی۔ فتح نے قدم چومے۔ جہاں بغداد آباد ہے وہاں بہت بڑا بازار
لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری (سوداگر) جان بچا کر بھاگ گئے۔ اور بیشمار
مال ہاتھ آیا (الفاروق شبلی)

ایران نے بڑی مہم کی ٹھانی۔ حضرت عمرؓ نے مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ عرب کی سرحد پر جمع ہو جاؤ۔ فوج
تیار کر کے حضرت عمرؓ خود میدانِ جنگ کو چلے۔ پہلی ہی منزل پر اصحاب نے رائے دی کہ آپ مرکز

کہ جائیں حضرت عمر نے تقریر کی کہ میں فوج کی رائے پر میدانِ جنگ میں جانا چاہتا تھا۔ مگر صحابہ
کی رائے سے باز رہنا چاہتا ہوں۔ مگر مشکل تھی کس کو سپہ سالار بنایا جائے حضرت علیؓ سے درخواست
کی گئی انہوں نے انکار کر دیا (الفاروق شبلی) بہرحال سعد بن ابی وقاص سپہ سالار بنائے گئے وہ
فوج لیکر چلے گئے۔ قادسیہ کی جنگ ہوئی۔ کامیاب حملے کئے گئے۔ قادسیہ میں ایرانیوں کا جرنیل
رستم تھا۔ قادسیہ کی فتح سے عراق عرب کا فیصلہ ہو گیا۔ دریائے دجلہ میں مسلمانوں نے اپنے گھوڑے
ڈال دیئے اور گھوڑے دوڑا کر اسے عبور کیا اور دوسرے کنارے پر مدائن کو فتح کیا۔ کاخ کسریٰ
مدائن ہی میں تھا۔ پھر جلولا کی فتوحات ہوئیں۔ سنہ ۱۳ھ سے سنہ ۱۶ھ تک یہ فتوحات ہوئیں (الفاروق شبلی)

سعد بن ابی وقاص کی فوج کے رسد کا بندوبست حضرت سلمان الفارسی کے ذمے تھا (الفاروق)
حضرت عمر کے عہد کے فوجی و ملکی افسروں میں سے سلمان فارسی بھی تھے۔ ملکی و فوجی قابلیت کے ساتھ
علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور فقہ و حدیث کے ماہر تھے (الفاروق) شبلی نے یہاں حضرت سلمان
کے ساتھ اور بھی چند افسروں کے نام لکھے ہیں۔

عراقِ عرب سنہ ۱۶ھ میں فتح ہو گیا تو عراق عجم پر بھی دست کشی کی گئی۔ حملے پہ حملے ہوئے ایران
نے اپنی سرحدات کو غیر محفوظ دیکھ کر بہت زوردار جوابی حملے کی ٹھان۔ اگرچہ عراق کے مقبوضات ہاتھ سے
نکل چکے تھے مگر پھر بھی سلطنت کافی تھی۔ یہ سنہ ۲۱ھ کے حالات ہیں۔ کوفہ عراق میں ان دنوں حضرت
عمر کی طرف سے حضرت عمار یاسرؓ والی (گورنر) تھے۔ انہوں نے ایران کی تیاریوں کو بھانپ کر حضرت
عمر کو بروقت اطلاع دی اور خوب دی۔ مدینہ میں مشاورت ہوئی۔ حضرت علیؓ نے بڑے مفید مشورے
دیئے۔ حضرت عمر منتظم سلطنت ADMINISTRATOR کو صلاح و مشورہ دیکر مضبوط تنظیم حکومت
(STABLE ADMINISTRATION) کی راہ دکھائی۔ عرب کی شیرازہ بندی کو قائم رکھا
مملکت اسلامیہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھنے سے بچایا۔ حضرت عمر کو محاذ پر جانے سے باز رکھا۔

بہرحال طے پایا کہ نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں کمک پہنچے۔ حضرت حذیفہ الیمانی اسی لشکر میں
تھے۔ تستر کی فتح ہوئی۔ نہاوند کی جنگ میں نعمان مارا گیا۔ نعمان کے بعد حضرت حذیفہ یمانی میر لشکر
ہوئے۔ نہاوند۔ اصفہان کرمان۔ بلخ۔ رے۔ ہرات۔ خراسان اور آذربیجان یکے بعد دیگرے
مسلمانوں کے ہاتھ آئے یزدگرد جو ان دنوں شاہ ایران تھا وہ اپنے خاندان سمیت نہاوند سے
اصفہان اور وہاں سے کرمان اور پھر بلخ بھاگ گیا اور مسلمانوں کے ہاتھ نہ آیا (شبلی) نہاوند کے
آتشکدہ سے نہایت بیش بہا جواہرات کا خزانہ ملا۔ گنوند ملے (الفاروق) حضرت عمر کے پاس

خمس بھیجا گیا انہوں نے واپس لوٹا دیا کہ یہ بھی فوج میں ہی تقسیم کر دو اسی طرح فتح نہاوند کے بعد بھی نو... ختم ہو گیا۔ ایران کی سرحدات تو فتح ہو چکی تھیں۔ اب ایران پر عام لشکر کشی ہوئی اور ۲۳ھ تک پہلے عراق و فارس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا ــــ یہ رہے فتوح العراق و فارس۔ اب وادی دجلہ کی نہریں مسلمانوں کے ہاتھ تھی۔

یوم الخندق کو پس منظر میں رکھ کر ان فتوحات کو پرکھنا ہے کیونکہ وہی وہ دن ہے جس میں فتوحات عراق و عجم کی خبر غیب کی اطلاع دی گئی تھی۔

(۱) جنگ عراق میں مسلمانوں کو ابھارنے کے لیے کہا جاتا تھا آج عرب و عجم کی جنگ ہے یعنی ملکوں کے نام پر جنگ لڑی جا رہی تھی۔ مگر یوم الخندق کو جب حضرت علی کرم اللہ وجہ مبارزت کو نکلے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ کل ایمان کفر کل سے لڑنے چلا۔ یہ غزوہ تو ایمان و کفر کی جنگ تھی۔

(۲) بازار بغداد کی غارتگری اور لوٹ فتوحات عراق و عجم کا خاصہ بن کر رہ گئی۔ مگر ادھر آنحضرت صلعم نے غارتگروں کی اصلاح کیلئے حضرت ابوذر غفاری کو مامور کر رکھا تھا۔

(۳) غزوۂ خندق سراسر دفاعی تھا۔ مگر فتوحات عراق و عجم کی جنگوں نے غیر جانبدار مورخوں کو مجبور کیا کہ وہ اسلام بالصمصام (ISLAM WITH SWORD) کا نظریہ قائم کریں۔

(۴) ان مہمات عراق و فارس میں حضرت علیؑ مشیر کما نیر ہے۔ محض ADMINISTRATION (نظام مملکت) کو سلامت رکھنے کیلئے صائب مفید اور صائب مشورے دیئے۔ مگر فاتح کفر (خندق) حضرت علیؑ نے مہمات عراق و عجم میں تلوار تک نہیں اٹھائی ہی نہیں۔ قائدین ہی رہے۔ حالانکہ حضرت عمر نے حضرت علی کو فوج کی سپہ سالاری کی پیشکش کی۔ مگر علی نے انکار کر دیا۔ کچھ تو بات تھی کہ علی جیسے اشجع الصحابہ فوج محمدی کے سپہ سالار اعلےٰ نے اس پیشکش کو قبول نہ فرمایا۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۱۷) لیکن آنحضور صلعم کا مرکز ساتوں آسمانوں سے بھی بلند تھا۔ اور وہ عرش تھا۔ لہذا آپ عرش تک پہنچے۔ مگر جب فرش پر لائے گئے تو ان میں ثقل پیدا ہو گیا۔ لہذا قرآن اور اہلبیت ثقلین کہلائے۔ ثقل کی دو قسمیں ہیں:-

(۱) ثقل اصغر (۲) ثقل اکبر

قرآن اور اہلبیت میں ثقل اصغر کون ہے اور ثقل اکبر کون؟

اس کی بحث آئندہ کی جائے گی۔

(اسلامی جماعتوں کو دعوتِ فکر) (از سید نصیر حسین نقوی مدظلہ حسن ابدال اٹک)

اتحاد المسلمین کے سلسلہ میں

نامہ و پیام

اسلام دنیا میں وحدتِ آدمؑ کا پیغام لے کر آیا۔ اور انسانیت کو ایک ایسا اکمل و اتم نظامِ زندگی دیا جس کی بنیاد و اساس پر انسانیت کی عالمگیر برادری اور آدمیت کی کائنات گیر اجتماعیت کی تعمیر کی جا سکتی تھی، اور ایک ایسا عالمگیر اسلامی معاشرہ بنایا جا سکتا تھا جس میں حسنِ معاشرت اور خوشگوار تمدن کے مقاصد کا حصول یقینی تھا۔ اسلامی اخوت کے پاک و پاکیزہ جذبات پر ہی قوم و ملت، جماعت و سوسائٹی اور جمعیت و معاشرہ میں وحدتِ فکر پیدا کر کے وحدتِ کردار و عمل پیدا کر سکتی تھی، چنانچہ سرکارِ رسالت (ارواحنا فداہ) اپنی حیاتِ طیبہ میں ایسے معاشرہ کے قیام کے لئے ہی جد و جہد فرماتے رہے —— لیکن انسانی خود غرضیوں کا بُرا ہو۔ ادھر سرکارِ رسالتؐ کی آنکھیں بند ہوئیں، ادھر اسلامی معاشرہ میں تشتت و افتراق نے راہ پا لیا، مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ وہی امتِ مسلمہ جو انسانیت کی ہمہ گیر برادری کا نصب العین لے کر اٹھی تھی۔ باہم دست و گریباں ہو جاتی ہے، وہ ہاتھ جو باطل کو مٹانے اٹھے تھے، اپنوں کی جانب بڑھنے لگتے ہیں، وہ تلواریں جو امنِ عالم کے لئے نیام سے باہر آئی تھیں، اب ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کی خاطر علم ہیں۔ وحدتِ افکار و کردار رخصت، ان کی جگہ داخلی انتشار، طوائف الملوکی لے لیتے ہیں، ابتری و بے نظمی اور بے راہ روی کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ قتل و غارت، خونریزی اور ویرانی کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ پھر تو ایسے ایسے خونچکاں مناظر دیکھنے سننے میں آتے ہیں کہ جن کے تصور سے بھی انسان کا کلیجہ کانپ اٹھتا ہے —— اے مسلمان! اور یہ وحشت گری و بربریت —— صدیوں یہ چکر چلتا ہے، نام نہاد خلافت کے پردہ میں ملوکیت نے اپنے سیاسی استحکام و استقلال کی خاطر، عوام کو اسی راستے پر چلائے رکھا۔ خدا جانے کب تک یہ ملوکیت کی لعنت مسلمانوں پر مسلط رہتی، اتنے میں رنگ بھی بدلتا ہے، مغربیت کا سیلاب بے پناہ ہر خشک و تر کو بہائے جاتا ہے اور ہم مسلمانوں کی محبوب ملوکیتیں بھی اس سیلاب کی امواج کی نذر ہو جاتی ہیں —— اور ہم ان کے غلام یا سیاسی دستِ نگر بن جاتے ہیں —— محکومیت میں احساسِ آزادی، کروٹیں لینے لگتا ہے۔ اور ہم جہدِ بقا کے لئے نئے عزائم لے کر میدانِ کارزار

حیات میں قدم رکھتے ہیں — مبارک ہوں یہ عزائم — !

—— وحدت ملی کی اہمیت کا احساس بڑی سرعت سے پھیل رہا ہے، جو خوش آیند مستقبل کیلئے ایک اچھا شگون ہے۔ اتحاد و اتفاق کی آوازیں مختلف گوشوں سے اُٹھ رہی ہیں۔ ان آوازوں میں پورا زور، تاب و تواں نہ سہی، لیکن ان سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ افراد ملت آہستہ آہستہ حقیقت پسندی کے قریب آ رہے ہیں۔ اور چار و ناچار انہیں وحدت و مرکزیت کی جانب آنا ہی پڑیگا۔ عصری تقاضے انہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر خواب گراں سے بیدار کر رہے ہیں۔ اتحاد المسلمین وقت کی اہم پکار ہے اور جتنا جلد ہم اس تک پہنچ جائیں۔ اتنا ہی ہماری نشاۃ ثانیہ کیلئے مفید ہوگا۔

—— لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس شعور و احساس کی شدت کے باوجود ابھی تک اس اہم ملی ضرورت کو سنجیدہ غور و فکر کا عنوان نہیں بنایا گیا، اور خالی الذہن ہو کر اس مسئلہ کے حل کی تدابیر نہیں سوچی گئیں، انداز فکر وہی پرانے ہیں۔ اور اپنی ہی منوانے کے وہی دم خم ہیں۔ اور اگر تعصب و تنگ نظری، عصبیت و کورانہ تقلید، شخصیت پرستی و آباء پرستی خود رائی و اغراض ذاتی کے بتوں کو ہی ہم نے قبلہ سجود بنائے رکھا، تو اس وحدت ملی کے بلند نصب العین تک ہم ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ اگر ہم خلوص دل سے یہ چاہتے ہیں کہ ہماری صفوں میں انتشار نہ پیدا ہو۔ اور وحدت فکر و نظر سے ہم اتحاد و اتفاق کے رشتہ میں منسلک ہو جائیں۔ ہمارے افکار و کردار میں یک جہتی و ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ اور ہم بین الاقوامی سطح پر اپنی عظمت و مقام اور اپنا قومی وقار بلند کر دیں، تو اس کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہمیں ٹھنڈے دل سے اپنے ماضی کا جائزہ لینا ہوگا۔ ان اسباب و علل کا سراغ لگانا ہوگا۔ جن کے منحوس قدموں نے ہماری جمعیت کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ اور ایسے نقطہ مرکز تک پہنچنا ہوگا جس کو مرکز قرار دے کر ہم اپنی زندگی کے نظام کا دائرہ عمل کھینچ سکیں، ورنہ ہماری تمام کوششیں بے سود اور جملہ مساعی رائیگاں جائیں گی۔ اور ہم یونہی اندھیرے میں تیر چلاتے رہیں گے جن کا ہدف پر بیٹھنا معلوم —— !

—— یہ حقیقت ہے کہ اسلامی معاشرہ میں انتشار نے اس وقت راہ پایا۔ جب ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات و ہدایات سے کچھ افراد نے انحراف کر لیا۔ اور وہ "مرکز ہدایت" جسے خود سرکار رسالتؐ نے بحکم خداوندی روشناس کرایا تھا، چھوڑ کر، بعض سیاسی و ذاتی اغراض کے تحت اپنا خود ساختہ مرکز بنا لیا گیا۔ یہ مسند اقتدار تلوار کے زور پر اور پراپگنڈہ کے بل بوتے پر کچھ وقت کے لئے قائم رہی، لیکن ہوا پر تعمیر محل کی عمر تا کجے — حادثات زمانہ کی تند و تیز آندھیوں

نے اس کو صفحۂ عالم سے نیست و نابود کر دیا۔ صدیوں کے حکومتی پراپیگنڈے نے ہمیں یہ باور کرا دیا تھا
کہ یہی حقیقی مرکزیت ہے۔ یہ آبائی ورثہ ہمیں اتنا عزیز ہے کہ اس بوسیدہ نقش سے جدا ہونا نہیں چاہتے
اور اسلام کا حقیقی مرکز، جسے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان الفاظ سے روشناس کرایا تھا
انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی ـــ الخ ـــ اس کی جانب آنکھ اٹھا
کر بھی نہیں دیکھتے۔ کیونکہ آبائی تعصب اور صدیوں کے زہریلے پراپیگنڈے نے ہمارے تحت الشعور میں
یہ نظریات بٹھا دی ہے کہ ہر دوسری نقطہ کو تو مرکز اسلام تسلیم کر لیں گے ـــ لیکن کیا مجال کہ اہلبیت
کی جانب خیال تک بھی جائے ـــ ہمارا یہ دعویٰ ہے اور تاریخی شہادتیں بھی اس کی صداقت کی گواہ
ہیں کہ مسلمانوں کی پستی و ادبار کا واحد سبب "قرآن و اہلبیت" سے منہ موڑنا ہے ـــ اور وحدت ملی
کی اساس قرآن و اہلبیت کی مرکزیت پر ہے ـــ جتنا جلد مسلمان ـــ اس مرکز ملت پر اپنی ملی وحدت
کو قائم کر لیں گے۔ اتنا جلد ان کی عالمگیر اجتماعیت کا وجود قائم ہو جائیگا۔ اور انہیں نہ صرف دنیا میں
عزت و وقار کا بلند مقام حاصل ہوگا۔ بلکہ آخرت بھی ان کی ہوگی۔ خدا کرے کہ "وحدت اسلامی" کا یہ خواب
جلد ہی شرمندۂ تعبیر ہو۔ اور آفتاب ہدایت دنیا کو روشن کر دے۔

ـــ آمدم بر سر مطلب ـــ ! برصغیر پاک و ہند کے علمی حلقوں میں عالیجناب ڈاکٹر غلام جیلانی
برق ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی، محتاج تعارف نہیں، ان کی مختلف علمی تصانیف نے انہیں علمی دنیا میں
متعارف کرا رکھا ہے، موصوف جہاں علوم مغربیہ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ عربی، فارسی کے بھی بہت بڑے
فاضل ہیں ـــ ان کا ایک مخصوص نظریہ ہے جس کا اندازہ ان کی گراں قدر تصانیف سے کیا جا
سکتا ہے ـــ ان کو بھی زمانہ کے تقاضا نے اسلامی وحدت کی جانب توجہ مبذول فرمانے پر مجبور
کیا ـــ چنانچہ عشرہ محرم اور مسلمانان پاکستان کے زیر عنوان ایک آرٹیکل ہیل و نہار لاہور کے اگست
کے شمارہ میں ۶۳ء شائع کرایا ـــ جس میں وہی اکثریتی ذہن کے تحت عزاداری کو چھوڑنے کا شیعوں
کو مشورہ دیا ـــ اس پر شیعی دنیا کے بالغ النظر عالم سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ (لکھنؤ)
نے ایک جامع و مانع انتقادی نظر کی اہمیت روزنامہ رضا کار لاہور میں ان کا گراں قدر مقالہ بالاقساط
شائع ہوتا رہا ـــ جو اپنی جامعیت میں اپنی مثال تھا ـــ میں نے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ڈاکٹر
برق کے ایک ہم خیال فاضل بزرگ کی خدمت میں درخواست کی تھی۔ کہ مسئلہ کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ
اسے بلند علمی معیار پر تولے ہو جانا چاہیئے۔ اگر آپ سید العلماء مدظلہ کی تصریحات کو دیکھ کر قلم اٹھائیں
تو یہ ایک بہت بڑی علمی خدمت ہوگی ـــ ہو سکتا ہے کہ اس سے اتحاد المسلمین کی کوئی راہ پیدا ہو جائے

لیکن خدا معلوم انہیں کیا سوجھی کہ میری عرضداشت کے جواب میں ایک مفصل مکتوب میں خلافت کے موضوع پر اظہار خیال ضروری سمجھا۔ خیر، میں نے اپنی علمی فروتنگی کے باوجود ان کی خدمت میں کچھ معروضات پیش کرنے کی بے جا جسارت کی مگر یہ سلسلہ ناگزیر وجوہات کی بنا پر رک گیا۔ یہ مسئلہ چونکہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کا گرامی مکتوب اور اپنی معروضات ناظرین کی خدمت میں پیش کردوں۔ اور ارباب فکر ونظر سے اپیل کروں کہ وہ مسئلہ کے متعلق پہلوؤں پر غور وخوض فرماکر مسلمانوں کے لئے کوئی متفقہ لائحہ عمل تجویز فرمائیں۔

فاضل علوم جدیدہ و مشرقیہ کا گرامی نامہ :- " محترم السلام علیکم

اگر میری تحریر آپ کی نظر سے گزری ہے تو آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ میں "وحدت آدم" کا قائل ہوں۔ اور اس لئے یہ مذہبی تفرقہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ باقی مذاہب کو چھوڑیئے اور صرف شیعہ سُنّی تفریق کو دیکھئے۔ کس قدر بے معنی بات پر خون خرابہ ہورہا ہے۔ اس سے تو آپ انکار نہیں کرسکتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں قرآن دیا تھا۔ جسے شیعہ سنی دونوں مانتے ہیں۔ رسول، خدا، قبلہ اور اکثر اصول و فروع پر دونوں کا اتفاق ہے۔ اب مابہ النزاع صرف دو چیزیں رہ جاتی ہیں۔ (۱) مسئلہ امامت (۲) پہلے دو خلفا کا رویہ

مسئلہ اول ایک غیر مضر عقیدہ ہے۔ اگر شیعہ حضرات یہ اور اس قسم کے بیس اور عقائد بھی اجزائے دین بنالیں تو کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوسکتی۔ اس وقت فریقین کے نقطۂ نظر سے کوئی بھی امام واجب الطاعت موجود نہیں رہ گئے حضرت امام مہدی۔ ان کی آمد کی بشارت فریقین کے ہاں بڑی شد و مد سے موجود ہیں۔ جب آئیں گے دونوں مان لیں گے۔ اس لئے اس مسئلے پر اختلاف کالعدم ہی سمجھئے۔

رہا دوسرا معاملہ۔ تو اس کا تعلق تاریخ سے ہے۔ تاریخ سے مراد روایات یا احادیث ہیں۔ دونوں فرقوں کے ہاں یہ لٹریچر نہایت مسخ شدہ اور دست برد انسان سے پامال شدہ لٹریچر ہے۔ شیعوں کے ہاں یہ دونوں حضرات غاصب تھے۔ اور سنیوں کے ہاں واجب الاحترام کس فرقے کی روایات صحیح ہیں؟ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اب مشکل یہ آن پڑی ہے کہ کچھ روایات شیعوں کے ہاں ایسی موجود ہیں جن سے ان بزرگوں کے متقی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن ملا علی نقی صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ یہ روایات سنیوں نے ان کی کتابوں میں داخل کردی ہیں۔ سنیوں کے ہاں بھی وہ لکڑیاں ہے کر حضرت حیدر رضی اللہ عنہ کے حرم کے جلانے کی روایات ملتی ہیں یہ کہتے ہیں

کہ یہ کسی شیعہ نے داخل کردی ہے۔ بہرحال دونوں فرقے تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی روایات میں جعل ووضع کا عنصر موجود ہے۔ جب صورت یہ ہے تو پھر ان مشتبہ ، ظنی اور گوش بریدہ روایات کی بنا پر ایک دوسرے کا گلہ کاٹنا چہ معنی؟

اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ شیعوں کی روایات صحیح ہیں۔ اور سنیوں کی غلط اور صدیق وفاروق دونوں غاصب وظالم تھے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان روایات کو آج بیان کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ نقصان تو سامنے ہے کہ خونریزی ہوتی ہے۔ قوم کا شیرازہ بکھر رہا ہے اور دنیا ہم پر ہنس رہی ہے کیا فاروق وصدیق کو غاصب ثابت کرنا ، مذہب کا کوئی اہم اصول ہے؟ اگر غلط فہمی میں پچاس کروڑ سنی ان دونوں بزرگوں کا احترام کرتے ہیں۔ تو کیا پندرہ کروڑ شیعوں کا یہ اخلاقی فرض نہیں کہ وہ مجمع ہائے عام میں ان بزرگوں کو برا نہ کہیں۔ تاکہ پچاس کروڑ سنیوں کی دل آزاری نہ ہو جس رسول نے عیسائی نجاشی کی نماز جنازہ مدینہ میں پڑھی تھی۔ کیا اس کے پیرو سنیوں کے احترام فاروق وصدیق کو بھی برداشت نہیں کر سکتے؟ فرصت کی تلاش میں ہوں فرصت ملتے ہی اس موضوع پر دوبارہ، سہ بارہ .... صد بارہ لکھونگا یہاں تک کہ یہ سلسلہ رک جائے۔ اور دونوں بھائی حقیقی بھائی بن جائیں۔ علامہ نقی فصل چاہتے ہیں اور میں وصل اور یہیں سے ہماری راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔"

میرے معروضات —— فاضل موصوف کی خدمت میں اس حقیر نے بھی چند معروضات پیش کئے۔ ملاحظہ فرمائیں :

حسن ابدال   نعم المولیٰ ونعم النصیر   وفقکم اللہ !

السلام علیکم —— ! جناب کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کا ممنون ہوں اور ذرہ نوازی کا بیحد شکر گزار !! میں نے جناب کی توجہ اس جانب مبذول فرمانے کی درخواست کی تھی کہ جناب برق صاحب کے پرمغز مقالہ "عشرۂ محرم اور مسلمانانِ پاکستان" پر سید علی نقی صاحب قبلہ نے ایک انتقادی نظر کی۔ ان کے تبصرہ کی روشنی میں آپ بھی کچھ سپرد قلم فرمائیں —— ! آپ نے میرے نام ایک مکتوب میں سنی، شیعہ اختلافات کا اجمالی جائزہ لیا ہے۔ افہام وتفہیم کے پیش نظر، اگر آپ کی بحث پر ایک نظر کروں تو امید واثق ہے۔ کہ آپ اسے جرات بے جا تصور نہ فرمائینگے۔ اور اپنی وسیع النظری پر نظر کرتے ہوئے بغور مطالعہ فرما کر ممنون فرمائیں گے :-

(۱) آپ وحدت آدم کے قائل ہیں۔ اس لئے آپ کو مذہبی تفرقہ ایک آنکھ نہیں بھاتا"

"وحدت آدم" کی اصطلاح اپنے اندر ابہام رکھتی ہے یعنی تو اس کا مطلب یہ سمجھا ہوں کہ آپ مذہب کی نفی کر کے بندش کی خوبی اور الفاظ کی حسن ترکیب میں چھپا رہے ہیں۔ اور اگر یہ مفہوم نہیں تو آپ اس کی توضیح فرما دیں۔ تا کہ آپ کے بیان کردہ مفہوم کی روشنی میں اس کے حسن و قبح پر نظر کی جا سکے۔ رہا تفرقہ تو کسی صاحب عقل و شعور کو پسند نہیں۔

۲- "باقی مذاہب کو چھوڑیئے"

جب وحدت آدم ہی مقصد ٹھہرا، تو باقی مذاہب کو کیوں چھوڑا جائے؟ کیا وہ اولاد آدم نہیں؟ اگر ہیں تو ان کو کیوں نہ وحدت میں لایا جائے۔

۳- "شیعہ و سنی میں بے معنی باتوں پر خون خرابہ ہو رہا ہے"۔

بے معنی و بامعنی کا آخر معیار کیا ہے؟ رہا خون خرابہ تو اس سے انکار نہیں اور یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہی نہیں۔ بلکہ ہم مسلمانوں کی قومی زندگی کا تاریک ترین باب بھی ہے۔ یہ باہمی خونریزیاں ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہیں اور ہماری عزت پر بدنما داغ، یہاں آ کر فرط ندامت سے مسلمانوں کا سر جھک جاتا ہے، خون خرابہ ہی نے تو اسلامی صفوں میں انتشار پیدا کیا۔ اور وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کر دیا بے شک یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔ اور روح دین کے بھی بالکل خلاف ہے۔ یہ مسئلہ اپنی اہمیت کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ ہمارے غور و خوض کا مستحق ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اس کے بنیادی اسباب کا تجزیہ کر کے کسی نتیجہ تک پہنچیں مرض کے اسباب کی صحیح تشخیص پر ہی علاج کا انحصار ہے اس لئے ہمیں اپنے ماضی پر نظر ڈالنا ہو گی۔ اور یہ دیکھنا ہو گا کہ ہماری صفوں میں کب اور کیوں انتشار پیدا ہوا؟ وہ انتشار کس سیاسی پس منظر کی پیداوار تھا۔ اس نے ہمارے نظام میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا کیں؟ اور کیونکر یہ رنجیدہ صورتیں پیدا ہوئیں

۴- اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ قرآن حکیم سنی شیعہ بلکہ تمام مسلمانوں کا مشترکہ ورثہ ہے۔ واجب الاحترام اور مفترض الطاعت بھی ۔۔۔

۵- آپ فرماتے ہیں کہ "خدا، رسول، قبلہ اور اکثر اصول و فروع پر دونوں کا اتفاق ہے اب مابہ النزاع صرف دو چیزیں رہ جاتی ہیں۔ ۱- مسئلہ امامت۔
(۲) پہلے دو خلفاء کا رویہ"

کیا آپ کا یہ فرمانا بجا ہے ۔۔۔؟ میرے خیال میں یا تو آپ نے سنی، شیعہ کے اختلافی مسائل پر بالتفصیل نظر نہیں کی۔ یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں یا ان اختلافات کو آپ اتنا جزوی سمجھتے ہیں۔ کہ

اہمیت دینے کے روادار نہیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ فطین بے شک دونوں کے ہاں مشترک ہیں گو لیکن ان کی تعبیرات و مفاہیم میں بعد المشرقین ہے۔ اس لئے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ ان کو ایک اور مشترک قرار دیا جائے۔ رہا آپ کی نظروں میں صرف امامت و خلافت کا اختلاف ایسا ہے جو قابل برداشت نہیں۔ اور محض اسی کے دور کرنے سے آپ کو مزعومہ وحدت آدم حاصل ہو سکتی ہے۔ تو "چشم ما روشن دل ماشاد" اسی پر ہی سنجیدہ غور و فکر کر لیتے ہیں :-

مسئلہ امامت کے متعلق آپ کا ارشاد ہے۔ "یہ شیعوں کا ایک غیر مضر عقیدہ ہے۔ شیعہ حضرات یہ اور اس قسم کے بیسیوں اور عقائد بھی اجزائے دین بنالیں تو کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی"۔ پھر آگے جا کر فرمایا ہے۔ کہ اس اختلاف کو کالعدم سمجھئے۔

— فقرہ کی تلخی کو چھوڑتے ہوئے اصل مسئلہ پر توجہ کی جاتی ہے۔ آزاد خیالی بھی ایک عجیب چیز ہے اس کی حدبندی ممکن ہی نہیں۔ اگر اس کی رو میں بہہ کر ایک (آزاد منش) شخص آپ سے ایک قدم بڑھ کر یہ کہنے لگے کہ نبوت مسلمانوں کا ایک غیر مضر عقیدہ ہے مسلمان حضرات یہ اور اس قسم کے بیسیوں اور عقائد بھی اجزائے دین بنالیں تو کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی —— یا مذہبی جھگڑوں سے بیزار ایک منچلا یہ فرمانے لگے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا عقیدہ۔ مذہب پرستوں کا ایک غیر مضر عقیدہ ہے۔ ارباب مذاہب یہ اور اس قسم کے بیسیوں اور عقائد بھی اجزائے دین بنالیں، تو کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی —— فرمایئے! کیا ایسا کہنے والوں کی زبان ہم بند کر سکتے ہیں؟ ان کے ایسا کہنے سے ان عقائد کی اہمیت تو نہیں گھٹ سکتی — کیا ایسی عبارت آرائیوں سے توحید و نبوت پر کوئی حرف آسکتا ہے؟ اگر نہیں تو آپ کے ارشاد فرمانے پر بھلا عقیدہ امامت پر کوئی حرف کیسے آسکتا ہے؟ — رہا مسئلہ پر سنجیدہ غور و فکر — تو اس پر بے شمار عقلی و نقلی و شرعی دلائل و براہین دال ہیں جس پر شیعہ علما کی بڑی بڑی گرانقدر تالیفات اہل تحقیق کے دلدادہ کو دعوت تحقیق دے رہی ہیں۔ نبوت پر ایمان رکھنے والوں کو امامت جو فرع نبوت ہے پر اعتقاد رکھنے میں کوئی عقلی استبعاد نظر نہیں آتا۔ امامت کے اثبات کے بھی وہی ادلہ ہیں جو نبوت کے ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب تک انسان ہدایت کا نیازمند رہے گا۔ ہادی کی بھی احتیاج اسے دامنگیر رہیگی۔ "ولکل قوم ھاد" یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص خود کو ہدایت سے مستغنی سمجھے۔ اور نبی و امام کے سامنے نہ جھکے۔ ایسا سمجھنے سے وہ ہدایت یافتہ تھوڑا ہی ہو جائیگا۔ ہدایت کی خاطر ہی تو ارشاد قدرت ہے۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ اس میں خدا۔

رسول اور امام کی اطاعت کا حکم نہیں تو اور کیا ہے؟

۷۔ دوسرا اختلافی معاملہ آپ نے پہلے دو خلفا کا رویہ ٹھہرایا ہے ـــ!

میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آپ نے خلفا میں سے پہلے دو بزرگواروں کا انتخاب کس مصلحت کے پیشِ نظر فرمایا ہے ـــ؟ اگر منصب خلافت کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو جیسے یہ بزرگوار خلیفہ کہلائے ہیں تیسرے اور چوتھے بھی تو خلیفہ ہی ہیں۔ امیر معاویہ، یزید، باقی خلفائے بنی امیہ، بنی عباس، آلِ عثمان۔ فاطمیین وغیرہ بھی تو مسند آرائے خلافت رہے ہیں ـــ آج یہ منصب ان سے کیوں چھینا جا رہا ہے۔؟ کیا یہ گمان تو نہیں کہ شیعہ اُن کی خلافت پر تو ایمان رکھتے ہیں اور خلافت کے اس سلسلہ میں صرف انہی دو بزرگواروں کو نہیں مانتے؟ یا آپ ان کو خلفا نہیں مانتے اور صرف ان دو بزرگوں کو خلیفہ مانتے ہیں۔؟ ان کی محرومی کی وجہ اور ان کے استحقاق کی دلیل؟ اور اگر باقیوں کے کردار نے آج کے روشن دماغ انسان کو اُن سے باغی کر دیا ہے تو فرمایئے؟ اُن مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا جو ان کو خلیفۂ رسول مان کر ان کی بیعت کرتے رہے ـــ آخر یہ خلافت راشدہ اور غیر راشدہ کی تفریق کیسی ـــ؟ کیا نبوت راشدہ اور غیر راشدہ بھی ہوتی ہے؟ کہ اس کی نیابت کی یہ حد بندیاں کی جائیں ـــ پھر خلافت راشدہ کی عبا سے خلافت کو بچانے کے معنی؟ اور خصوصیت سے پہلے دو بزرگوں کی عظمت کے گرد عقیدتوں کے حصار بنانے کی وجہ؟ حضرت علیؑ کے استثنا کی تو بنا پر یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ آپ کی ذات تو سُنی و شیعہ میں مسلّمہ ہے لیکن تیسرے بزرگوار کو آخر آپ نے کیوں شامل نہیں فرمایا ـــ؟ اگر منصبِ خلافت واجب الاحترام ہے تو آپ کو یہ حق کہاں پہنچتا ہے کہ بعض کو آپ محروم کر دیں اور بعض کو نہ کریں۔ بعض کو اس کا استحقاق بخش دیں اور بعض کے حصہ میں جدائی ـــ اور اگر انفرادی طور پر ان کے تقدس کو دیکھ کر اہلیت کا فیصلہ کرنا ہے۔ تو یقیناً ان کے اعمال و کردار کو وزن کرنا پڑیگا۔ اگر یہی معیار رہے تو ان دو بزرگوں کو بھی اگر میزانِ اعمال پر وزن کیا جائے۔ تو گھبراہٹ کیسی؟

۸۔ ارشاد ہوتا ہے "اس اختلاف کی بنیاد تاریخ، احادیث اور روایات پر ہے اور یہ لٹریچر دونوں فرقوں کے ان مسخ شدہ اور دستبردِ انسانی سے پامال شدہ لٹریچر ہے "

کیا اس کا یہ مطلب نہیں؟ کہ تاریخ، احادیث اور روایات سے یکسر اعتماد اٹھا لیا جائے۔ یہ لٹریچر صرف اسی مسئلہ کی حد تک ناقابل اعتماد ہے یا تمام مسائل میں بھی ـــ؟ اسی ایک مسئلہ میں تخصیص کی تو کوئی معقول وجہ نہیں۔ اور اگر تمام مسائل کو اس کی لپیٹ میں لے لیا جائے تو فرمایئے ـــ؟

مسلمانوں کے اس صدیوں کے علمی سرمایہ اور تاریخی ورثہ کی کیا گت بنے گی؟ کیا برباد ہو کر نہ رہ جائیگا؟ اسلامی تعبیرات و تفسیرات، عبادات و اخلاقیات، معاشیات و عمرانیات، معاشرت و سیاسیات، احکام و مسائل، اصول و ضوابط کی ایک ایک کر کے مٹی پلید نہ ہو جائے گی؟ اور اگر آج یہ مسلمان آپ کے اس اصول کو تسلیم کر لیں۔ تو یہ ان کی قومی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہوگا۔ اور ایک اہم ترین سانحہ بھی — دنیا میں کسی قوم کا ترکہ تو یہی اس کا ادب و لٹریچر ہوتا ہے اور اس کو آپ نے بیک جنبش قلم مٹا کر رکھ دیا ہے۔ میں دوسرے برادرانِ اسلام کی جانب سے تو کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا۔ البتہ شیعوں کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے استدعا کئے دیتا ہوں کہ آپ شیعوں کے احادیث و آثار کو مسخ شدہ اور دستبردِ انسانی سے پامال شدہ لٹریچر ثابت کرنے کے لئے ٹھوس علمی دلائل پیش فرمائیں۔ تاکہ ان پر غور کیا جا سکے۔

۹۔ شیعوں کے ہاں یہ دونوں حضرات غاصب تھے اور سنیوں کے ہاں واجب الاحترام کس فرقہ کی روایات صحیح ہیں؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا"۔

دنیا میں صرف یہی اختلاف تو نہیں۔ آخر اور اختلافات بھی تو ہیں۔ ان میں حق و باطل کو جانچنے کے لئے کیا معیارات ہیں؟ آخر ان معیارات کو یہاں کیوں نہیں کام میں لایا جا سکتا کیا کسی قاضی و جج کو یہ حق پہنچتا ہے؟ کہ وہ یہ کہے کہ مدعی و مدعا علیہ کے بیانات میں تضاد ہے۔ اور گواہوں کے بیانات بھی مختلف ہیں۔ اس لئے کچھ کہا نہیں جا سکتا — اور اگر ایسا ہونے لگ جائے، تو ساری دنیا سے عدلیہ کا جنازہ اٹھ جائے۔ کہاں کی عدالتیں اور کہاں کے فیصلے — اگر حق و باطل اتنے مشتبہ ہیں۔ کہ انسان کی قوت فیصلہ یہاں آ کر بے بس ہو جاتی ہے۔ تو آخر یہ جزا و سزا کیسی؟ اور پھر ان آیات قرآنی کے کیا معنی ہیں۔

(۱) جاء الحق و زھق الباطل　　(۲) قد تبین الرشد من الغی

۱۰۔ کچھ روایات شیعوں کے ہاں ایسی موجود ہیں جن سے ان بزرگوں کا متقی ہونا ثابت ہوتا ہے —!

اگر واقعی ایسی روایات موجود ہیں تو انہیں منظر عام پر لانا چاہیئے۔ تاکہ غلط فہمیوں کے بادل چھٹ جائیں۔ اور حقائق آشکارا ہو کر رہیں۔ آپ کی یہ سعی علمی دنیا پر بڑا احسان ہوگی تحقیقات کی دنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا۔ اور آپ کی علمی ریسرچ RESEARCH کا قابل قدر شاہکار بھی۔

"لیکن سید علی نقی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ روایات سنیوں نے انکی کتابوں میں لکھ دیا
علامہ ممدوح نے تو کہیں بھی ایسا نہیں فرمایا۔ میں کیا عرض کروں ؎
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے
۱۲۔ سنیوں کے ہاں بھی وہ لکڑیاں لے کر حیدر رضی اللہ عنہ کے حرم کو جلانے کی روایت ملتی ہے وہ کہتے ہیں کسی شیعہ نے ان کی کتابوں میں لکھ دی۔"
کیا خوب — ! گویا یہی ایک روایت ہے جس پر اس سارے خون خرابہ کی اساس ہے اور کوئی روایت بھی تو ایسی نہیں — اور اس کا بھی کتنا مسکت خصم جواب — ! اگر واقعی یہ جواب ہمارے سنی بھائیوں کا ہے، تو ان کی حالت قابل رحم ہے۔ اگر یہ اور اس قبیل کی دیگر روایات شیعوں نے ان کی کتابوں میں لکھ دی ہیں تو دوسری قسم کی شاید خوارج اور دیگر نو مسلم یہودیوں اور عیسائیوں نے لکھ دی ہوں۔ اور ان کی اپنی ایک روایت بھی تو نہ ہو۔ جب ایسے دلائل پر مدار ٹھہرا تو حقیقتوں تک کیسے پہنچا جائے۔
۱۳۔ "بہر حال دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی روایات میں جعل و وضع کا عنصر موجود ہے" یہ آپ کا مفروضہ ہے۔ اگر شیعوں میں کسی ذمہ دار نے ایسا تسلیم کیا ہے تو بیان فرمائیے۔ ورنہ یوں کہئے" آپ کو کہاں تک حق پہنچتا ہے — ؟
۱۴۔ "ان مشتبہ، ظنی اور گوش بریدہ روایات پر ایک دوسرے کا گلہ کاٹنا یعنی چہ؟" اگر یہ روایات مشتبہ ظنی اور گوش بریدہ ہی ہیں۔ اور ان کو ایمان و اعتقاد کی اساس نہیں بنایا جا سکتا تو فرمائیے؛ آپ کو یہ کہنے کا حق کیونکر پہنچتا ہے "کہ میرا یہ ایمان ہے کہ حضرت علی کے تعلقات خلفائے ثلاثہ سے نہایت عمیق اور مخلصانہ تھے" یا یہ فرمانا "کہ یہ سب خواہشات نفسانی سے عاری۔ اللہ کے سپاہی بے نفس، نہ دنیا کی لالچ نہ منصب کی خواہش" یہ ایمان اگر آپ نے انہی ظنی و گوش بریدہ روایات سے نہیں لیا۔ تو آخر کہاں سے لیا ہے — کسی وحی کی ترجمانی تھا۔ اور اگر اختلاف روایات کی بنا پر ان سب کو آپ ناقابل اعتماد ٹھہراتے ہیں۔ تو آپ کا یہ مقرر کردہ اصول ہمیں ایک ایسی پرخطر وادی میں لے جائیگا جہاں تباہی و ہلاکت حتمی ہے اس کی کیا ضمانت ہے کہ آگے جا کر آپ کی آزاد خیالی یہ کہنے نہ لگ جائے کہ تورات، زبور، انجیل اور قرآن آسمانی وحی مانی جاتی ہیں لیکن ان میں تو اختلاف اور تضاد بیانی ہے۔ یہ سب مشتبہ، ظنی اور گوش بریدہ روایات ہیں۔ ان کی تعلیمات یقینی کہاں؟ اور ان کی بنا پر اہل کتاب کا ایک دوسرے

کا گلہ کاٹنا یعنی چپ ؟

۱۵۔ ان اختلافی روایات کو اب بیان کرنے کا فائدہ کیا ۔۔؟

یہاں میں سید علی نقی صاحب قبلہ کی عبارت ہی نقل کئے دیتا ہوں جو بڑی جامع و مانع ہے

"شیعی احساسات کے لحاظ سے یہ کہنا بالکل عجیب منطق کی حیثیت رکھتا ہے، کہ ان باتوں کے بیان سے فائدہ کیا ۔؟ مثال کے طور پر کسی کا گھر لٹ جائے وہ کسی وقت دردمندانہ انداز میں اس امر کا ذکر کر رہا ہو۔ آپ کہیں کہ اب اس کے ذکر سے فائدہ کیا؟ وہ سامان مل تھوڑی جائیگا اس اصول کی رو سے تو قرآن مجید پر بھی اعتراض وارد ہوگا۔ کہ اس نے گذشتہ انبیاء مرسلین کے واقعات کیوں بیان کئے اور ان مظالم کا جو ان کی قوم نے ان کے ساتھ کئے کس لئے تذکرہ کیا؟ آخر ابراہیم و نمرود کے قصے کے بیان سے کیا فائدہ؟ کیا نمرود اب مسلمان ہو جائیگا؟ اور ابراہیم کی ایذا رسانی سے باز آجائیگا ۔ بنی اسرائیل کے وہ تمام بچے جو فرعون نے قتل کرا دیئے تھے اب دوبارہ زندہ تو نہیں ہو جائیں گے۔ پھر آخر قرآن مجید میں اس تذکرے کا حاصل کیا ۔۔؟ سب سے پہلے ابلیس نے جو آدم کے سجدے کا انکار کیا تھا۔ تو بہرحال جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب نہ آدم پھر پیدا ہونگے۔ اور نہ ابلیس انہیں سجدہ کریگا۔ پھر بار بار اس کے ذکر سے فائدہ ہی کیا؟

۔ ۱۶۔ نقصان تو سامنے ہے خونریزی ہوتی ہے۔ قوم کا شیرازہ بکھرتا ہے اور دنیا ہم ہنستی ہے۔"

اگر مذہب سے ایک دل برداشتہ انسان آپ کے الفاظ کو اس طرح دہرانے لگے کہ مذہب کا کیا فائدہ؟ نقصان تو سامنے ہے کہ خونریزی ہوتی ہے۔ انسانیت کا شیرازہ بکھرتا ہے۔ اور ہر چیز کو ہم پر ہنسی آتی ہے۔ تو کیا ایسا کہنے میں وہ حق بجانب ہوگا ۔۔؟ جیسے مذہب کا دامن ان خونریزیوں سے پاک ہے۔ اسی طرح یہ بھی" یہ تو محض انسانی خود غرضیوں کی گلکاریاں ہیں۔ ان سے گلو خلاصی کی تدابیر سوچنی چاہئیں۔

۱۷۔ کیا یہ شیعوں کا اخلاقی فرض نہیں کہ کروڑوں سنیوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے مجمع ہائے عام میں ان بزرگوں کو برا نہ کہیں"۔

بے شک یہ ان کا نہ صرف اخلاقی بلکہ تمدنی و معاشرتی فرض بھی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے جذبات کا احترام کریں۔ شیعہ حضرات کب انہیں اجتماعی مقامات اور مجامع میں برا کہتے ہیں کہ ان سے اپیل کی جا رہی ہے۔

۱۸۔ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نجاشی کے نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر فرمایا ہے جب قرآن میں منافق کی نماز جنازہ سے روکا گیا ہے۔ تو یہ کیونکر صحیح ہے۔ اور اگر صحیح ہے تو حضورؐ کو اس کے اسلام و ایمان کا علم ہو چکا ہو گا۔

۱۹۔ سید علی نقی فصل چاہتے ہیں اور آپ وصل

سید علی نقی صاحب قبلہ بھی وصل ہی کے داعی ہیں۔ البتہ مذہب سے الگ ہو کر وصل کے خواہاں نہیں اور لادینی کے وصل کی حقیقت ہی کیا ہے ---؟

۲۰۔ جناب کا اس اہم موضوع پر صد بار لکھنے کا عزم قابل قدر ہے۔ اللہ کرے کہ آپ کو فرصت نصیب ہو۔

ناچیز:۔ سید نصیر حسین نقوی

(بقیہ صفحہ ۵۶) قریباً تمام مکمل ہو چکے ہیں انشاء اللہ عنقریب اسکی کتابت شروع ہو جائیگی۔ اس کتاب پر اندازاً دس یا بارہ ہزار روپے خرچ ہونگے۔ مخیر و مخلص حضرات محبان امام مظلوم علیہ السلام کی خدمت میں پُر زور اپیل ہے کہ اپنے اپنے عطیات براہ راست مدیر ادارہ معارف اسلام رجسٹرڈ لاہور کو ارسال فرمادیں۔ یہ ضرورت وقت کی مناسبت سے ایک مفید ترین اور تاریخی کارنامہ ہے جس کے لئے گذشتہ تمام تاریخ میں تشنگی محسوس ہوتی رہی ہے۔

(۵) **اسلامی معاشرہ** اور **تحقیق حدیث** انا مدینۃ العلم۔ یہ ہر دو کتب تمام ممبران ادارہ کی خدمت میں ارسال کی جا چکی ہیں۔ جن صاحبان نے سہم کے ٹکٹ ارسال فرمائے انہیں بذریعہ رجسٹری ارسال کر دی گئیں۔

اپنے خط کے جواب کیلئے جوابی ٹکٹ یا جیب خرچ کا حوالہ ضرور دیں۔

(۶) **معارف اسلام پریس فنڈ** بعض ہمدردان ملت نے استفسار فرمایا ہے کہ متوقع "معارف اسلام پریس" و روزنامہ کی نوعیت کیا ہو گی جواباً گذارش ہے کہ جس طرح ادارہ معارف اسلام کسی کی ذاتی ملکیت یا تجارتی حصہ دارانہ کمپنی نہیں ہے۔ بعینہٖ معارف اسلام پریس بعونہٖ ہو گا۔ نہ ہی تو یہ حصص فروخت کرنے کا پروگرام ہے نہ ہی یہ کوئی لمیٹڈ کمپنی ہے بلکہ تمام قوم کی ضابطہ کے ماتحت مشترکہ ملکیت ہو گی۔ اس میں جو کچھ بھی آپ دیگے یہ آپ کا عطیہ ہو گا۔ ممبران ادارہ و دیگر محبان قرآن و اہلبیت کی خدمت میں درخواست ہے کہ اپنا اپنا عطیہ جلد از جلد براہ راست حبیب بنک لمیٹڈ شاہ عالمی گیٹ لاہور کو ارسال فرمادیں۔

(۷) آئندہ سالانہ جنرل میٹنگ کی تاریخ کا اعلان عنقریب کر دیا جائیگا۔ جو کہ ادارہ کی مجلس نظامت کی متوقع میٹنگ میں طے ہو گی (ادارہ)

استفسارات

"راشدین" کے مصداق اور "صاحبان استخلاف" - "عہد رسولؐ میں اولی الامر کا نام اور پتہ" - اقبال کا ایک شعر اور شرکت نماز جنازہ

سوال منجانب شاہ پیر میاں صاحب کاظمی المشہدی شنکیاری - ضلع ہزارہ

گزشتہ شمارہ میں میرے سوال ۲ کے جواب میں آپ نے فرمایا ہے کہ خلفائے راشدین کے مصداق کون ہیں؟ سنیوں کے نزدیک اصحاب ثلاثہ کی حکومت اور مولائے علی علیہ السلام کی خلافت کے زمانے ہیں۔ آپ نے تشریح میں قرآن حکیم کی آیات سے آدمؑ و نوحؑ اور داؤد کی خلافت ثابت کی ہے

جہاں تک سورہ نور کی آیات زیر بحث کا تعلق ہے۔ وہاں کچھ اور ثابت ہوتا ہے یعنی وہاں ان آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

اللہ نے ایمان والوں اور اعمال صالح کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں دنیا میں سلطنت (خلافت) عطا کریگا۔ جس طرح کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی اور ان پر دین کو جو ان لوگوں کے لئے پسند کیا ہے۔ تمکنت عطا کریگا (ظاہری جاہ و جلال عطا کریگا۔ اور مضبوطی عطا کریگا)۔

میرا مقصد ہے کہ ان آیات کے مصداق پہلے اصحاب ثلاثہ مع علیؑ ہی بہتر ہیں بلکہ ہر وہ مسلمان ہو سکتے ہیں جن میں مندرجہ بالا خوبیاں ہوں۔

اگر آپ والا ترجمہ اور بحث اختیار کریں۔ جو آپ نے شمارہ مئی ۵۸ء میں درج کیا ہے تو پھر خلافت کے حقدار سوائے انبیاء کے اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ آئندہ شمارہ میں مزید تشریح فرما دینگے؟

الجواب:۔ گذشتہ شمارہ میں "خلفائے راشدین" کے مصداق کے متعلق سائل کا عقیدہ محض اس لئے دریافت کیا گیا تھا۔ تاکہ اس خیال اور عقیدہ کی مناسبت سے معقول جواب دیا جاسکے آپ فرماتے ہیں کہ اس سے ان کا مطلب حضرات اصحاب ثلاثہ اور مولا علی علیہ السلام ہیں۔ ہم اس بارے میں بذات خود کچھ رائے نہیں دیتے۔ بلکہ

خالق عالمین ہی کا جواب اس کی کتاب سے پیش کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے سامنے نہ شیعہ کو مجال دم زدن ہے نہ سُنی کو۔ سب مسلمان سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں راشدین کی تعریف صاف لفظوں میں یوں بیان کی گئی ہے۔

ولاکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون (پ ۲۶ ع ۱۳ الحجرات)

ترجمہ۔ لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا۔ اور اس کو تمہارے دلوں میں زینت دے دی اور ناپسند کیا ہے تمہارے لئے کفر اور فسق اور گناہ۔ ایسے ہی لوگ ہیں ہدایت یا (جلالی) پانے والے۔

اب آپ اس معیار کے مطابق راشدین کا پتہ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کافر، فاسق یعنی مجرمین اور گنہگار راشدین کی صف میں نہیں آسکتا جب بموجب فرمان الٰہی یہ برائیاں ایسے افراد کیلئے ناپسندیدہ ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ان پر کبھی عامل بھی نہ رہے ہونگے کیونکہ کبھی ایکدفعہ بھی عامل ہو گئے تو یہ برائیاں ان کے لئے پسندیدگی کی زد میں آجاتی ہیں لہذا راشد کا کسی وقت بھی ان برائیوں کا عامل نہ ہونا ثابت ہے۔ وہ صاحب عصمت ہو سکتا ہے یا معصوم نہ ہوتے باوجود برائیوں سے بچا رہا ہو اور دعوئے عصمت بعد از رسولؐ سوائے اہلبیتؑ طاہرینؑ کے اور کسی کیلئے نہیں کیا گیا اور آیہ تطہیر و دیگر کئی آیات عصمت اہلبیتؑ پر دلالت کرتی ہیں جس سے مندرجہ بالا آیہ راشدین کی سچائی ظاہر کرتی ہے۔ غیر معصومینؑ میں مثل حضرت سلمانؓ فارسی یا خاندان اہلبیتؑ کے دیگر افراد شامل ہیں۔

۱۔ آیتِ استخلاف جس کے متعلق وضاحت طلب کی گئی ہے مکمل یوں ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنو منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون۔ (پ ۱۸ ع ۱۳ النور)

اس کا لفظی ترجمہ شاہ رفیع الدین اہلسنت دہلوی نے یوں کیا ہے۔

" وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے کہ ایمان لائے تم میں سے اور کام کئے اچھے۔ البتہ خلیفہ کرے گا اُن کو بیچ زمین کے جیسا خلیفہ کیا تھا اُن لوگوں کو کہ پہلے اُن سے تھے اور البتہ ثابت کرے گا واسطے اُن کے دین اُن کا جو پسند کیا ہے واسطے اُن کے۔ اور البتہ بدل دے گا اُن کو پیچھے ڈر اُن کے کے امن۔ عبادت کریں گے میری نہ شریک

لادیں گے ساتھ میرے کچھ اور جو کوئی کفر کرے پیچھے اس کے پس یہ لوگ وہی ہیں فاسق
یہ ترجمہ لفظ بلفظ تمام آیت کے عربی الفاظ کا ہے اور اسے شاہ رفیع الدین اہلسنت کی سند بھی حاصل ہے۔" خلافت " سے " سلطنت " مراد لینا محض ذاتی رائے ہے۔ آیت کے کسی لفظ سے " سلطنت " ظاہر نہیں ہوتا۔ درآنحالیکہ " من قبلھم " سے اسکی وضاحت بھی ہو جاتی ہے اسی لئے ہم نے پہلے لوگوں میں سے قرآن ہی سے حضرت آدمؑ و داودؑ و ہارونؑ کی مثال پیش کی تھی۔ اور ثابت کیا تھا کہ ماقبل یہ بھی خلیفہ بنائے گئے " چونکہ خدا تم انہیں ویسے ہی بنائے گا۔ جس طرح کہ پہلے بنائے گئے " تو ہم نے ان قرآنی خلیفوں کا طریق تعین پیش کیا تھا کہ وہ خود خدا نے بنائے لوگوں نے نہیں بنائے لہذا آیت مندرجہ کی رو سے بھی جن کو خدا بنائے انہیں تسلیم کرنا چاہیئے جن کو لوگ بنائیں ان کو اس آیت کا مصداق نہ سمجھنا چاہیئے۔
ہم کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ پہلے کسطرح بنائے گئے " تاکہ اسی معیار پر آئندہ بننے والوں کو بھی جانچ سکیں۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ قرآن کی رو سے دیکھیں کہ پہلے خلیفے کس طرح بنائے گئے " آیت وعد اللہ الذین ...... کے مصداق کی نشاندہی کے لئے یہی اصول استعمال کر سکتے ہیں چاہے وہ حضرات اصحاب ثلاثہ ہوں یا امیرالمومنین علی علیہ السلام یا کوئی اور صاحب ایمان۔ اگر اسے خداوند تعالیٰ نے بنایا ہے یعنی اسے نص صریح حاصل ہے جس طرح کہ خدا پیشتر بناتا رہا تو وہ واقعی راشدین میں سے ہے اور اگر کوئی غلبہ سے بن گیا یا لوگوں کے بنانے سے سلطنت پر قابض ہو گیا تو وہ نہ تو خلفائے راشدین میں سے ہے۔ نہ ہی اس آیت قرآن کا مصداق۔
جس کسی کے ہاتھوں میں بھی سلطنت آجائے آپ اسے خلیفہ یا اس آیت کا مصداق نہ سمجھئے۔ اس صورت میں تو بے شمار غیر مستحق۔ گنہگار۔ ایمان سے بری۔ خدا کے نافرمان ظالم و جابر بادشاہ (مسلم و غیر مسلم) آپ کو سلطنتوں پر قابض نظر آئیں گے ہم کہتے ہیں کہ اہلبیتؑ طاہرین جن کی عصمت مسلم الثبوت ہے اور سینکڑوں آیات قرآن صفت و ثنا میں نازل ہوئیں۔ پھر اولیائے کرام جن کی بزرگی و ایمان میں کوئی شبہ نہیں۔ ان سے بڑھ کر درجہ بدرجہ ایمان لانے اور اچھے کام کرنے کی صفات اور کن میں ہوں گی جب ان مقدسین و بزرگان دین کو سلطنت دنیا نہیں دی گئی اور دین اللہ کی راہ میں

تمام عمر مصیبتیں اٹھاتے رہے تو اس آیت میں "خلافت" سے "سلطنتِ دنیا" اور "امن" سے ظاہری جاہ و جلال مراد لینے سے خدا کا وعدہ خلافت (نعوذ باللہ) جھوٹا یا غلط ہو جائے گا یہ وعدہ خداوندی جبھی حق ثابت ہو سکتا ہے جبکہ خلافت کے وہی معنی لئے جائیں جو اس کے معنی ہیں "خلیفہ" مشتق ہے خَلف سے جس کے معنی پیچھے آنے کے ہیں۔ یعنی جس کا خلیفہ ہو اس کا جانشین چاہے اس کی زندگی میں اُس کے ماتحت یا اُس کی زندگی کے بعد اس کے کام یا مشن کو قائم اور جاری رکھنے والا اپنی یا اپنے رسولؐ کی خلافت دنیا بہت بڑا عطیہ خدا ہے۔ جو صرف سلطنت دنیا یا دنیاوی تمکنت وجاہ وجلال سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ مرتبہ خلافت ان چیزوں سے بہت ہی بلند ہے۔ خداوند تعالے نے خلافت دینے کے لئے عہد رسولؐ سے پیشتر کے تمام عہد کی طرح ہوئے آیت زیر بحث بعد میں بھی وہی طریقہ اختیار فرمایا نہ کہ جمہوریت یا غلبہ۔ یا شورٰے یا شخصی استخلاف۔

لہذا اس منصب سے صرف دُنیاوی حکومت ہی مراد نہیں لی جا سکتی اور نہ ہی "امن" سے دنیاوی آرام و آسائش ہی مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ جوں جوں دنیا میں آرام و آسائش کے زیادہ سامان پیدا ہو رہے ہیں بدامنی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ جب انبیاء و آئمہ و علمائے حق کو دنیا میں بے حد مصائب اٹھانے کے بعد بھی سلطنت و آسائش دنیا نہ دی گئی تو کیا اس سے خداوند تعالے کا (نعوذ باللہ) ظلم ثابت نہیں ہوتا۔ غور فرمایئے کہ خداوند تعالے پر حق الیقین رکھنے اور دین اسلام کو اپنا سب کچھ دے کر بچا لینے سے بڑھ کر درجہ ایمان اور عمل صالح اور کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اس مقام پر بدرجہ اتم فائز ہیں جب ان کو سلطنت یا اقتدار حکومت دنیا اور ظاہری جاہ و جلال و آرام و آسائش پردے اس آیت کے عطا نہ ہوئے تو خلافت سے سلطنت دُنیا کیونکر مراد لیا جا سکتا ہے بلکہ صاحبان سلطنت نے تو انہیں ملیا میٹ کرنے سے دریغ نہ کیا۔ گھوڑوں کے ٹاپوں تلے اپنی اور اپنے اعزہ و انصار کی لاشوں کو روندوانے سے کیا دنیاوی جاہ و جلال حاصل ہوا۔ مگر واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ وہ رسولؐ خدا کے صحیح جانشین ثابت ہوئے انہوں نے رسولِؐ خدا کے مشن کو جاری رکھا بلکہ زندہ کیا اور وہ نفسِ مطمئن کے مقام پر بھی فائز تھے یہی مطلب اس آیت میں "من بعد خوفھم امنا" سے ہے نہ کہ دنیاوی جاہ و جلال اور تمکنت و آسائش جو کہ بدی کا پیش خیمہ یا برائیوں کا مقصد بنتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ امام حسین علیہ السلام کو

خلافت بھی ملی اور امن واطمینانِ حقیقی بھی میسر ہوا۔ وعدۂ خدا حق ثابت ہوا۔

اگر آپ کا یا آپ کے دوست دیوبندی صاحب کا نظریہ درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو بے شمار نبیوں کو نبوت سے ہٹنا پڑے گا۔ اماموں کی امامت ختم نظر آئے گی۔ صاحبان ایمان کو ایمان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام کو سلطانِ وقت نے آگ میں ڈلوایا۔ موسےٰ علیہ السلام کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ ایک ہی شب میں مع اپنی قوم کے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ عیسےٰ علیہ السلام کو سُولی دینے کے لئے قید خانے میں ڈالا گیا۔ حضرت ذکریاؑ کو آرے سے چیرا گیا۔ حضرت یحییٰؑ کو قتل کیا گیا وغیرہ وغیرہ کیا ان کو سلطنتیں ملیں۔ اگر حکومت و سلطنت کو لازمہ نبوت و خلافت قرار دیا جائے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے سوائے حضرت سلیمانؑ و داوٗدؑ میں سے کوئی بھی اس انعام سے مستفیض نہ ہوا۔ سوائے ان دو نبیوں کے کوئی نبی خلیفۃ اللہ نہیں رہتا یہ تو ہوئے ماقبل کے اب مابعد کو لیجیے آئمہ قتل ہوئے زہر دیئے گئے گوشہ نشین ہوئے۔ قید وبند کی مصیبتیں برداشت کیں چلئے ان معصومینؑ کو چھوڑیئے اصول کو پرکھنے کے لئے آئمہ اربعہ اہلسنت ہی کو لیجئے۔ شیعہ وسُنی جید علمائے دین ہی کو دیکھئے۔ شیعہ وسُنی محدثین وصوفیا کرام ہی پر نظر ڈالیے۔ اپنے اپنے فرقے کے نزدیک سب ہی کو ایماندار اور عمل صالح پر عامل سمجھیے گا۔

ان سب میں بے شمار مثالیں قید وبند کی اور مصائب میں مبتلا ہونے کی ملتی ہیں۔ اور سلطنت کسی کو بھی حاصل نہ ہوئی۔ پیٹ پر پتھر باندھے۔ کہنہ لباس پہنے۔ حکومتوں کے زیر عتاب رہے۔ عوام سے مصائب برداشت کرتے رہے۔ آپ کا نظریہ تسلیم کیا جائے۔ توان کو خلافت نہ ملنے سے یہ سب ہی (معاذ اللہ) ایمان سے تہی دست اور عمل صالح سے خالی نظر آئیں گے۔

ہمارے بیان کے حق میں قرآن حکیم میں کئی آیات ایسی بھی موجود ہیں۔ جن میں خلافت کا اطلاق غیر انبیاء پر بھی ہوتا ہے اور وہ بھی خود خدا ہی نے بنائے۔ مثلاً ھوالذی جعلکم خلیفۃ فی الارض ۰ (پ ۲۲ ع ۱۶ الفاطر) یعنی وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور فکذبوہ فنجینٰہ ومن معہٗ فی الفلک وجعلنٰھم خلٰئف واغرقنا الذین کذبوا بآیٰتنا ۰ (پ ۱۱ ع ۱۳ یونس) یعنی پس اُن لوگوں نے اُن کو جھٹلایا۔ پس ہم نے اُن کو اور جو کشتی میں اُن کے ساتھ تھے۔ نجات دی اور اُن کو خلیفہ بنایا۔ اور جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اُن سب کو ڈبو

دیا۔ بہر حال ماننا پڑے گا کہ حکومت و سلطنت لازمہ نبوت و خلافت نہیں۔ بلکہ نبوت و خلافت الہٰی عہدے ہیں جو خود خدا مقرر کرتا ہے۔

اگر مندرجہ بالا جواب تسلی بخش نہیں تو مطلع فرما دیں ہم حضرت صدر ادارہ سے درخواست کریں گے کہ وہ اس موضوع پر جامع مقالہ سپردِ قلم کر دیں۔

سوال۔ منجانب سید منظور حسین نقوی البخاری۔ خانپور۔ چکوال:۔

"معارف اسلام" ۱۰ اپریل ۱۹۵۵ء کا ملا۔ پرچہ بہت ہی اچھا ہے۔ کافی لوگ رسالہ معارف اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں میرے ایک دوست ماسٹر صاحب ہیں۔ اسم گرامی مرزا خادم حسین ہوشیارپوری ہے عربی فارسی سے کافی واقف ہیں انہوں نے اس شمارہ میں کتاب "نبوت و امامت" کی اقساط صـ۹۲ صـ۹۳ صـ۹۴ وغیرہ غور سے پڑھے اور مندرجہ ذیل سوالات میری وساطت سے کئے ہیں:۔

(۱) رسولؐ کے زمانہ میں "اولی الامر" کون تھا؟ کیا نام تھا؟

(۲) کس کی پیروی رسولؐ کے زمانہ میں جائز تھی؟

الجواب:۔ دعوت اسلام کے آغاز ہی میں دعوت ذوالعشیرہ کے واقعہ سے آپ کی تمام باتوں کا جواب حاصل ہو جاتا ہے۔ جبکہ آیہ مبارکہ "وانذر عشیرتک الاقربین" نازل ہوئی اور حضرت پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اقربین میں دعوتِ اسلام کا آغاز کیا۔ ہم طوالت کے خوف سے مکمل واقعہ نہیں لکھتے محض وہ الفاظ جو آپ کے سوال سے تعلق رکھتے ہیں مستند تواریخ کے الفاظ میں درج کرتے ہیں:۔

"جب وہ کھانے سے فراغت پا چکے۔ اس وقت رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کوئی عرب مجھ سے پہلے اس سے بہتر کوئی نعمت تمہارے پاس لایا ہو۔ جو میں تمہارے لئے لایا ہوں اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کا حکم دیا ہے تم میں سے کون شخص اس معاملہ میں میرا بوجھ بٹانے کے لئے آمادہ ہوتا ہے اور میرا بھائی میرا وصی و جانشین اور میرا خلیفہ بننا چاہتا ہے۔ اُس وقت سب موجود تھے اور حضرتؐ پر ایک ہجوم تھا سب خاموش ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ حضرت علیؑ کھڑے ہو گئے اور بولے یا رسول اللہ میں اگرچہ اس مجمع میں سب سے چھوٹا ہوں مگر میں آپ کا بوجھ بٹاؤں گا اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں مگر میں آپ کے دشمنوں کے نیزہ ماروں گا۔ ان کی ٹانگیں کاٹ ڈالوں گا اور پیٹ چیر دوں گا

اور آپ کی پوری پوری مدد کروں گا۔ حضرتؐ نے اس وقت علیؑ مرتضیٰ کے شانوں پر ہاتھ رکھا اور ارشاد فرمایا کہ۔ تحقیق یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے سب اس کی سنو۔ اور اسکی اطاعت کرو یہ سن کر سب گروہ از رہ تمسخر کے کھڑا ہو گیا۔ ابوطالب والد حضرت علیؑ) سے کہنے لگا کہ اپنے بیٹے کی اطاعت کر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ"

(یہ واقعہ مندرجہ ذیل کتب معتبرہ میں کم و بیش الفاظ میں ہر ایک میں موجود ہے۔ تاریخ ابوالفداء تاریخ طبری۔ تاریخ روضۃ الصفا۔ تاریخ حبیب السیر۔ تاریخ کبیر۔ تاریخ الاسلام عباسی۔ تاریخ الاسلام دہلوی۔ تفسیر ابن جریر۔ تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر سراج المنیر۔ ابن اثیر۔ ابن ابی حاتم۔ منتخب کنز العمال۔ حاشیہ مسند امام احمد حنبل۔ معارج النبوۃ۔ محمد اینڈ ہز سکسیسرز (واشنگٹن اروِنگ) اپولوجی فار محمد اینڈ قرآن۔ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ۔ نیو پاپولر سائیکلوپیڈیا اور سیرۃ النبی شبلی نعمانی وغیرہ وغیرہ)

اسی واقعہ میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب آ گیا۔ عہد رسولؐ میں اولی الامر کی اچھی طرح نشاندہی بھی اور امام بھی پتہ لگ گیا کسی کی پیروی کرنے کیلئے نہ صرف ارشادات رسولؐ بلکہ قرآن میں آیات موجود ہیں جو کہ بطور اصول کے پیش کی جا سکتی ہیں: "ولا تتبع اھواء الذین لایعلمون (پ ۲۵ ع ۱۸) اور ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ پھر ارشاد ہے۔ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لایھدی الا ان یھدی فما لکم کیف (پ ۱۱ ع ۹) آیا وہ شخص جو حق تک پہنچا دے اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جس کو خود راستہ نہیں ملتا جبتک کہ کوئی اور اس کو راستہ نہ بتلا دے۔ اولی الامر منکم والی آیت میں بھی پیروی کرنے کا حکم ہے۔ اور ان مذکورہ آیات میں بھی حکم ہے کہ جو علم نہیں رکھتے ان کی پیروی نہ کرو۔ لہٰذا اولی الامر کا عالم ہونا شرط ہے۔ حضرت عمرؓ ابن الخطاب کا وہ مشہور قول جو کسی قضیہ کا غلط فیصلہ فرماتے وقت اور حضرت امیر المومنینؑ کے متوجہ کرنے اور درست فیصلہ دینے پر فرمایا کرتے تھے یعنی لولا علی لھلک عمر" (بحوالہ ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ دہلوی و تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز) "اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا۔" اس پر شاہد ہے کہ باوجود حضرت عمر کے سلطنت اسلامیہ کا امیر ہونے کے وہ ان معاملات میں حضرت علیؑ ہی کی اطاعت اختیار فرمایا کرتے تھے۔ غور طلب یہ ہے کہ اپنے عہد میں حضرت عمر کی عدالت مانند سپریم کورٹ کے آخری عدالت تھی۔ کسی مقدمہ کا آخری فیصلہ اسی عدالت میں ہوتا تھا۔ مگر اس عدالت سے فیصلہ ہو چکنے کے بعد اسے منسوخ کرنا اور

تبدیل کرانا یہ محض اولی الامر وقت ہی کا کام تھا جس کے لئے" تاریخ سے کئی مثالیں ملتی ہیں جیسا کہ قول حضرت عمرؓ سے ظاہر ہے +

نیز جناب سرور عالمین پیغمبر اکرمؐ کے ارشادات " انا مدینة العلم وعلی بابھا۔ الخ" میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ جس نے علم حاصل کرنا ہے وہ دروازہ پر آئے۔ اور " اقضاکم علیؑ " وغیرہ (متفق علیہ) بھی بموجب آیات مندرجہ بالا اولی الامر کے علیم ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔ دیگر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد منقول ہے کہ ارشاد فرمایا میری امت میں میرے بعد سب سے زیادہ علم والا علی ابن ابیطالب ہے (اخرجہ الدیلمی ارجح المطالب)

فاضل جلیل سید فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن میں آیت اولی الامر منکم کے متعلق بہت واضح بیان دیا ہے۔ لکھتے ہیں "بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اولی الامرؔ سے مراد حاکم وقت ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اس سے مراد آئمہ معصومینؑ ہی ہیں۔ کیونکہ خدا نے جس طرح اپنی اور رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح اولی الامر کی اطاعت بھی تمام بندوں پر واجب کی ہے۔ تو یہ شخص خدا اور رسول کا نائب ٹھہرا تو اس کا معصوم ہونا بھی ضروری ہوا۔ کیونکہ اس کو عقل نہیں قبول کرتی کہ گنہگار، لوگوں کی اطاعت کا خدا حکم دے اور (بعد از رسولؐ) بارہ اماموں کے سوا کسی کی عصمت کا کوئی شخص نہ مدعی ہے نہ دعوے ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ حکم خداوند عالم کا کسی خاص زمانہ یا وقت یا خاص کسی شخص کو نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص اور ہر وقت کیلئے قیامت تک کیلئے ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اطاعت بھی عام ہے۔ امور دنیا اور دین کی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ عام اطاعت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر اولی الامر سے مراد دنیا کے بادشاہ ہوں تو مذہب اسلام کا کوئی ٹھکانہ نہ رہیگا۔ کیونکہ کہیں نصاریٰ بادشاہ ہیں کہیں بدھ مذہب والے کہیں کفار۔ اور اگر مسلمان ہی مقصود ہوں تو پھر ان میں بھی خدا جانے کتنے فرقے ہیں ..... پھر کہیں سنی بادشاہ ہیں کہیں شیعہ۔ پھر اطاعت کریں تو کس کی۔ اور سب کی کریں تو یہ بھی محال ہے۔ تب ضروری ہے کہ " اولی الامرؔ " سے دنیا کے بادشاہوں کے علاوہ کوئی اور شخصیت مراد ہو۔ اور اس شخصیت کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ خدا کا حکم لغو اور بیکار ہوگا۔ اسی بنا پر حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے۔ تو وہ جہالت کی موت مرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بادشاہ دنیا کی معرفت حاصل نہ کرنے سے جہالت کی موت نہیں ہوتی۔ اور حدیث جابر ابن عبداللہ انصاری (رضی اللہ عنہ) سے بھی اس کی تصریح موجود ہے کہ

اولی الامر سے مراد آئمہ معصومینؑ ہیں۔ بلکہ اس میں تو دوازدہ آئمہ کے نام تک تصریحاً مذکور ہیں۔"
(ترجمہ قرآن مولوی فرمان علی) اور وہ حدیث یہ ہے جو کہ اس مشہور آیت کی تفسیر میں پیش کی جاتی ہے علامہ جمال الدین محدث اہلسنت اپنی کتاب روضۃ الاحباب جلد ۲ میں لکھتے ہیں کہ "حضرت جابرؓ ابن عبداللہ انصاری نے فرمایا کہ جس وقت آیہ مبارکہ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ۔۔۔ الخ کا نزول ہوا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے خدا اور رسولؐ کو تو جان لیا فرمایئے اولی الامر کون ہیں جس کی اطاعت بعینہٖ خدا اور رسولؐ کی اطاعت ہے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ۔ اولی الامر میرے خلفا ہیں میرے بعد۔ اُن میں سے پہلا خلیفہ علیؑ ہے پھر حسنؑ پھر حسینؑ پھر علیؑ ابن الحسینؑ۔ پھر محمدؑ ابن علیؑ جو توریت میں باقر کے نام سے موسوم [illegible]ب ہے کہ اے جابر تم اس کا زمانہ پاؤ ۔ پس جس وقت اُن سے ملنا تو اُن کو میرا اسلام کہنا۔ پھر جعفرؑ صادق بن محمدؑ۔ پھر موسیٰؑ بن جعفرؑ پھر علیؑ ابن موسیٰؑ پھر محمدؑ ابن علیؑ پھر علیؑ ابن محمدؑ پھر حسنؑ ابن علیؑ۔ پھر محمد (مہدی) ابن حسن علیہم الصلوٰۃ والسلام یہی حجت خدا ہے زمین پر۔ ۔ ۔ ۔ الخ"۔

اور جناب مولوی عبیداللہ بسمل امرتسری نے اپنی مشہور و مستند کتاب ارجح المطالب میں اس آیت مبارکہ کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ عبدالغفار ابن القاسم سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اولی الامر کی نسبت پوچھا تو فرمانے لگے علیؑ انہیں میں سے (پہلے) تھے۔ (اخرجہ الخوارزمی)

سوال۔ از محترم محمد عبداللہ صاحب اختر چک $\frac{1}{6 \cdot R}$ ۱۔

"معارف اسلام" شمارہ ماہ اپریل ۱۹۵۶ء میں یادگار اقبال کے مضمون کے تحت باقیات اقبال کے صلہ کا یہ شعر زیر نظر ہے "بعض اصحاب ثلاثہ سے نہیں اقبال کو۔ دق مگر اک خارجی سے آکے مولائی ہوا"۔ طبیعت عجب کشمکش میں مبتلا ہے۔ اور کئی دوست بھی اسی تجسس میں ہیں کہ اقبال کون سے خارجی سے دق آکر مولائی ہوئے تھے۔ کیا آپ اس پر روشنی ڈالیں گے۔ اور شعر کا مطلب بھی واضح کریں گے؟

الجواب۔ اقبال کا یہ شعر باقیات اقبال کے صلہ پر نہیں بلکہ رخت سفر صلہ پر موجود ہے۔ شمارہ ماہ اپریل میں باقیات اقبال کا نام سہواً کاتب سے چھپ گیا ہے۔ اس شمارہ میں اسکی تصحیح کر دی گئی ہے۔ "رخت سفر" تاج کمپنی لمیٹڈ حیدر روڈ کراچی نے شائع کی ہے۔ اور اس کو عزت مآب ڈاکٹر محمود حسین وزیر حکومت پاکستان کی تائید بھی حاصل ہے۔

شعر بالکل سادہ اور عام فہم ہے۔ آپ اس خارجی کا نام پوچھنا چاہتے ہیں جس سے دق آکر علامہ

اقبال مرحوم مولائی ہو گئے تھے۔ مشہور مقولہ ہے "معنی الشعر فی بطن الشاعر" لہٰذا اس اصول کے مطابق علامہ اقبال مرحوم ہی اس خارجی کا نام و پتہ بتا سکتے ہیں۔ ان کے کلام نظم و نثر میں تلاش کیا جائے جس طرح امام غزالی کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے اپنی آخری عمر میں جب مذہب اہلبیت اختیار کیا تو اپنے خیالات کا اظہار اس شعر میں فرمایا ہے

دوست آمد عرض ایمان کرده رفت پیر گبرے را مسلمان کرده رفت
(خزینۃ المسائل)

یہ دوست کون تھا؟ پیر گبرے سے پوچھیئے یا غزالی سے

سوال از طرف محترم محمد ابراہیم صاحب۔ تلمبہ

اگر سنی عقیدے کا آدمی فوت ہو جائے۔ اور جنازہ پڑھانے والا پیشنماز بھی سنی ہو اور شیعہ کو ساتھ شریک ہونا پڑے تو وہ جنازہ میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو یا کھول کر۔ اور اسے کیا پڑھنا چاہیئے۔ اور اسے وہابی اور سنی کے نکاحوں میں بھی شرکت کرنا پڑتا ہے تو اسے وہاں جا کر کیا عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اسے ملت ابراہیم۔ دین محمدؐ اور منہاج امیرالمومنین علیہ السلام پر چلنے کی خداوند عالم نے ہدایت کی ہے۔ ان دو مسئلوں سے ہم کو مطلع فرماویں؟

الجواب:۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے ہر مسلم کیلئے اپنے عزیز و اقارب ہمسایہ و دوست و احباب کی نماز جنازہ پڑھنا واجب کفائی ہے۔ سنی، شیعہ، صوفیا، اہلحدیث سب مسلمان ہیں ہر ایک کو ایک دوسرے کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا چاہیئے۔ اور اپنے اپنے مسلک کے مطابق تمام ادا کرنا چاہیئے۔ آپ چونکہ کتاب اللہ و عترت اہلبیت کے مسلک پر گامزن ہیں۔ لہٰذا آپ کو نماز جنازہ اپنے طریقے کے مطابق اپنی نیت اور قرأت سے پڑھنا چاہیئے۔ چونکہ نماز جنازہ ایک قسم کی دعا ہے جو مردہ کی مغفرت کے لئے ہوتی ہے۔ اس سے دشمنان اہلبیتؑ جنکی دشمنی ثابت ہو جائے دعا کے مستحق نہیں ہیں۔ لہٰذا علماء کرام نے ایسے لوگوں کی نماز کیلئے دعا کی بجائے وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نماز میں دشمنان اسلام کے لئے اختیار کیا تھا یعنی قنوت کے بعد آپ بقول صحیح بخاری وغیرہ ہاتھ اٹھا کر اللھم العن فلاناً و فلاناً؟

نکاحوں میں آپ حسب مرضی خود ضرور شرکت فرمایا کیجئے۔ مگر عقد وہاں نکاح خواں نے پڑھنا ہے۔ نہ کہ آپ نے۔ آپ کسی عمل کیلئے وہاں مکلف نہیں داعی کو مبارکباد دیجیے۔ تا کہ شیعہ سنی میں محبت و پیار بڑھے۔

ضروری اطلاعات و اعلانات

(۱) آئندہ شمارہ "محرم ایڈیشن" ہوگا۔ جس میں کہ مایہ ناز محققین و اہل قلم حضرات کے پُر مغز مقالات دعوتِ غور و فکر دینگے۔ یہ شمارہ اصل تعداد سے کچھ زیادہ ہی چھپے گا۔ تاکہ ممبران و خریداران سے علاوہ دیگر حضرات بھی مستفید ہو سکیں۔ محکمہ ڈاک کی کمزوریوں کی وجہ سے نہ ملنے کی شکایت پر یہ پرچہ دوبارہ روانہ نہ ہو سکے گا۔ اسلئے صاحبان ذوق کیلئے مناسب ہے کہ ۲۰ رجولائی سے پہلے پہلے ۸ر کے ٹکٹ ڈاک ہمیں ارسال کر دیں۔ تاکہ ان کا پرچہ بذریعہ رجسٹری ارسال کیا جائے

جو مضامین اس شمارہ ماہ جون میں نامکمل رہ گئے ہیں۔ انہیں محرم ایڈیشن ہی مکمل کر دیا جائیگا۔ مگر کتب "جمہوریت و امامت" کی قسط اس میں شائع نہ ہو سکے گی۔ قارئین شکایت نہ فرمادیں یہ ماہ اگست سے حسب معمول شائع ہوگی۔

(۲) بنگالی زبان میں لٹریچر شائع ہونا شروع ہو گیا۔ یہاں کی نسبت مشرقی پاکستان میں اشاعتِ دین کی کہیں زیادہ ضرورت ہے یہ شرف بھی آپ کے اس محبوب " ادارہ معارفِ اسلام " ہی کو حاصل ہوا کہ اسکی شاخ مشرقی پاکستان نے یہ سلسلہ شروع کر دیا۔ بنگلہ زبان میں پہلا کتابچہ "نفسِ رسولؐ" کا ترجمہ شائع کر دیا گیا ہے یہ اہم مضمون امیر المومنینؑ کی زندگی پر مشتمل مکمل تاریخی حوالوں کے ساتھ ہے جو کہ بیگم صاحبہ شیخ فیروز الدین کی تصنیف ہے۔ اور روزنامہ "زمیندار" لاہور کی دو اشاعتوں میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے مکمل اشاعت کا 75 فیصدی ڈھاکہ۔ چٹاگانگ کھلنا۔ بریسال وغیرہ کے علاقوں میں مفت تقسیم ہو رہا ہے۔ 25 فیصدی اس سلسلہ کو آئندہ چلانے کیلئے برائے فروخت بھی موجود ہے بنگالی خواندہ حضرات براہ راست لوکل سیکرٹری صاحب برائے حلقہ مشرقی پاکستان محترم سید محمد سبطین صاحب ڈی۔ ایل۔ آر۔ آفس تیجگاؤں ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) سے ۸ر کے ٹکٹ ڈاک بھیج کر حاصل کر سکتے ہیں۔

دیگر انجمنوں و اداروں کی خدمت میں پُرزور درخواست ہے۔ پاکستان حسینی مشن (رجسٹرڈ) راولپنڈی۔ امامیہ مشن (رجسٹرڈ) لاہور۔ اور انجمن عباسیہ (رجسٹرڈ) نارووال کو خاص طور پر متوجہ کیا جاتا ہے کہ بنگال کی طرف بھی فوراً متوجہ ہوں۔ وہاں پر اشاعت مذہب حقہ اسلامیہ کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ عوام تک صحیح واقعات اور تعلیمات محمدؐ و آل محمدؐ پہنچانا

اشد ضروری ہے۔ تا وقتیکہ ہمارے اس ادارہ کی ایک مرکزی باڈی نہیں بن جاتی۔ ہر ایک کو فرداً فرداً اس طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ اور مزنگائی لٹریچر چھاپنا بھی شروع کر دینا چاہئے۔

(۳) تبلیغی و اصلاحی ادارہ کی مرکزیت

ہمیں کئی دوستوں نے اور خود ہم نے بھی بعض دوستوں کو متوجہ کیا ہے کہ ملک میں ہمارے جتنے اصلاحی و تبلیغی ادارے ہیں۔ اُن کی مرکزیت قائم ہونا اشد ضروری ہے۔ تاکہ ہم اپنے اغراض و مقاصد کو بطریق احسن حاصل کر سکیں۔ اس صورت میں ہمیں جو جو تقی فائدے حاصل ہونگے وہ بیان سے باہر ہیں۔ کیونکہ سب انجمنیں اپنے اپنے نام پر نہایت نیک نیتی اور خلوص سے چل رہی ہیں۔ اسلئے کیا ہم امید کریں کہ ہم نے یہ تجویز پیش کر کے جو اپنا ہاتھ بڑھایا ہے۔ تمام دیگر انجمنیں بھی اس ضمن میں اپنا اپنا دستِ تعاون دراز کرینگی۔ اس صورت میں آپ یقین جانئے کہ قوم کی قریباً تمام کمزوریاں دور ہو سکتی ہیں۔ اور ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں۔ ہم نے یہ لکھ کر اتمام حجت کر دیا۔ اور ضمیر کی آواز پر لبیک کہدیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ کس کس طرف سے لبیک کی آواز آتی ہے۔

(۴) ایک قدم اور آگے :- عزاداری امام حسین علیہ السلام صدیوں سے جاری ہے۔ خود جناب رسول اکرم نے اپنی زندگی میں خبر شہادت حسین دیکر آنسو بہائے ہیں۔ اور اگر انبیاء سلف کے حالات مستند کتابوں سے پڑھیں تو انبیاء مظلومیت حسین پر روتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر بُرا ہو سیاسیات عالم کا جس نے اقتدار حکومت حاصل کرنے کیلئے دیگر ہتھکنڈوں میں مخالفت عزاداری امام مظلوم کو بھی شامل کیا۔ یہ مخالفت مخالفین اہلبیتؑ و قاتلان امام حسین علیہ السلام کی برسر اقتدار جماعت اور اُس کے پیروکاروں کی طرف سے شروع ہی سے جاری ہے۔ اور یہ مخالفت ناگزیر بھی تھی۔ اگر مخالفت نہ کرتے تو جھوٹے بنتے۔ مگر مخالفت کے باوجود بھی وہ سچے نہ بن سکے۔ کیونکہ ظلم بہرحال ظلم ہے۔ مسئلہ عزاداری کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فیصلہ کرنے کیلئے ادارہ معارف اسلام نے "استقرار حق عزاداری" شائع کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اسکی اشاعت ایک تاریخی کارنامہ ہوگا۔ اس ضخیم کتاب میں جو کہ ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہوگی "تاریخ عزاداری" کے علاوہ تاریخ مذاہب شیعہ و سنی بھی بیان کی جائیگی۔ اور استقرار حق کے سلسلے میں ہر وہ چیز جسکی قوم کو ضرورت ہے اور حکومت و جمیع مسلمانان کے سامنے پیش کئے جانے کے قابل ہے۔ اس تاریخی کتاب میں موجود ہوگی۔ غرضیکہ یہ عزاداری امامؑ کے سلسلے میں جملہ قرآنی۔ تفسیری۔ حدیثی۔ تاریخی عقلی و ثقافتی۔ اور نفسیاتی و فطری معلومات کا ذخیرہ یعنی انسائیکلوپیڈیا ہوگی۔ مضامین قریباً

کہ قرآن تمام عالمین کیلئے قیامت تک کیلئے قانون ہدایت ہے۔ ارشاد ہے:۔

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعالمین نذیراً (پ سورۃ الفرقان)	صاحب برکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا۔ تاکہ وہ تمام عالموں کے لئے ڈرانے والا ہو۔

پیغام خدا پیشتر پیغمبرانِ ماسلف کے ذریعے انسانوں تک پہنچتا رہا۔ اور خدا کا یہ آخری پیغام بصورتِ قرآن حضور نبیٔ اکرم صلعم پر ختم ہو گیا جس کے بعد مزید پیغام کی ضرورت نہ رہی۔ اور آئندہ کیلئے سلسلہ انبیاءؑ کے جاری رکھنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔ لہٰذا نبوتِ محمدیہ عالم کے آخری لمحات تک کو بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ جو کہ ہر زمانے میں کم از کم تمام عالم پر حاوی ہے۔ لہٰذا امامِ وقت یعنی نائب رسولؐ اپنی انفرادی حیثیت میں تمام عالم پر مسلط ہوتا ہے۔ اگر اس اصول کو تسلیم نہ کیا جائے تو جنگ لازم آئیگی۔ (اور یہی وجہ دنیا کے مسلسل جنگوں میں مبتلا رہنے کی ہے)۔ یعنی اگر ایک وقت میں طبقۂ ارض میں سے کچھ حصہ اُس کے زیرِ نگین ہوا اور کچھ نہ ہوا تو جو حصہ اُس کے ماتحت نہ ہوا وہ اُس کے خلاف ہوگا لہٰذا امن قائم کرنے کیلئے جنگ لازمی ہوگی۔ اور جب تک وہ مخالف طبقہ بھی امامت کے زیرِ نگین نہ آ جائے یعنی جبتک واحد حکومت تسلیم نہ کر لی جائے امن محال ہے۔ روس اور امریکہ کا موجودہ جھگڑا اور روس اور امریکہ کے موجودہ دونوں بلاک ہمارا مطلب واضح کرنے کیلئے مثالاً پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جب تک دونوں میں سے ایک دوسرے کے ماتحت نہ ہو جائے جنگ نہ رُک سکیگی۔ ظاہر نظروں میں ایسا ہی دکھائی دیتا ہے۔ مگر چونکہ فی الحقیقت یہ جھگڑا مفادِ عالم کیلئے نہیں بلکہ ذاتی مفاد اور اقتدارِ عالم حاصل کرنے کیلئے ہے یہ اس لئے کہ "حق حکومت بدستِ انسان" کا اصول کارفرما ہے۔ لہٰذا دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے ماتحت بھی ہو جائے۔ تو بھی امنِ عالم حاصل نہ ہو سکے گا۔ تاوقتیکہ دونوں میں سے ایک معدوم نہ ہو جائے۔ اسی مثال سے لیظہرہ علی الدین کلہٖ کا مطلب ہے امنِ عالم صرف اُسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ دنیا کی واحد حکومت خدا کے ماتحت ہو۔ انسانی رائے یعنی ووٹوں کے ماتحت قائم نہ کی جائے۔

ایسا فرمانروا صرف خدا ہی مقرر کر سکتا ہے	تمام عالم کا واحد فرمانروا ہونے کے بعد اجرا قانون کی تمام تر ذمہ داری

بھی اسی کی ذات پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ ہدایتِ خلق کا کاروبار اسی کے ذمہ ہے کہا جاتا ہے

کہ قرآن میں ہدایت کے سب سامان مہیا ہیں۔ اور قرآن کے ہوتے ہوئے انسان کسی اور ہادی کا محتاج نہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ قرآن حکیم میں سب کچھ موجود ہے۔ اور وہ سلامتی کے قانون کی مکمل تعزیرات ہے۔ مگر اس کے قانونی رموز و نکات کو سمجھنا اور سمجھ کر موقع و محل کے مطابق اجرا کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ علماء دین جنہوں نے اپنی ساری ساری عمریں قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے میں صرف کر دیں وہ بھی اس سے مس نہیں رکھتے۔ ورنہ موجودہ فرقہ بندی نہ ہوتی۔ سب فرقے اپنے علما ہی کے ماتحت چلتے ہیں۔ اور سب قرآن ہی کو اپنا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اگر سب قرآن کو منشاء خالق العالمین کے مطابق ہی سمجھ جاتے تو ایک ہی فرقہ ہوتا مسلمانوں میں افتراق نہ ہوتا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علمائے دین اُس معیار پر پورے نہیں اترتے جس معیار پر تمام دنیا کے واحد فرمانروا کو قائم ہونا چاہیے۔ قرآن کے متعلق خدائی فیصلہ مندرجہ ذیل آیات قرآن سے ظاہر ہوتا ہے:۔

(۱) قد انزل اللّٰہ الیکم ذکراً رسولاً یتلوا علیکم اٰیٰت اللّٰہ بیّنٰت (پ الطلاق)

یقیناً اللہ نے تمہاری طرف ذکر کو رسول بنا کر بھیجا جو تم کو خدا کی کھلی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔

(۲) لقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر (پ القمر)

تحقیق ہم نے آسان کیا قرآن کو رسول کیلئے کوئی ہے جو اس سے نصیحت پکڑے۔

(۳) فانما یسرنٰہ بلسانک لعلھم یتذکرون (پ الجاثیہ)

پس سوائے اس کے نہیں ہے کہ ہم نے اس (قرآن) کو تیری زبان میں بہت آسان کر دیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

(۴) فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (پ النحل)

اگر تم نہیں جانتے تو اہل الذکر (یعنی اہل الرسول) سے پوچھ لو۔

(۵) وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ والراسخون فی العلم (پ آل عمران)

اور اُن کا اصلی مطلب سوائے خدا اور اُن لوگوں کے جو علم میں مضبوط ہیں کوئی نہیں جانتا۔

(۶) انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون (پ الواقعہ)

بیشک نفع دینے والا قرآن پوشیدہ نوشتہ میں ہے جس سے سوائے اُن لوگوں کے جو پاک کردیئے گئے ہوں کسی کو مس نہیں۔

(۷) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیراً (پ۲۲ الاحزاب)	اے اہلبیتؑ سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا کا یہی ارادہ ہے کہ تم کو ہر قسم کے رجس سے دور رکھے اور تم کو ایسا پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔
(۸) وکل شیئٍ احصیناہ فی امام مبین (پ۲۲ یٰس)	اور ہم نے ہر چیز کو (از روئے علم) امام مبین میں احاطہ کر دیا ہے۔

چونکہ تمام عالم پر ایک پُر امن حکومت قرآنی احکام کے مطابق ہی قائم ہو سکتی ہے۔ اور اُس حکومت کے انتظامات کے لئے قوانین کا اجرا، خدا ہی کے فرمان (یعنی قرآن) کے مطابق ہونا لازم ہے لہذا ایسا واحد فرمانروا جو کہ قرآن کا مکمل ماہر ہو اور قرآن کے ہر ہر امر سے پوری پوری طرح واقفیت رکھتا ہو۔ اُس کی پہچان مندرجہ بالا آٹھ آیات قرآن سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ کیا عوام یا عوام کے نمائندے اپنے ووٹوں سے ایسی شخصیت بنا سکتے ہیں۔ انبیاء ماسلف اور خود جناب ختمی مرتبت کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ نبی اپنے زمانہ میں اُن تمام پر فضیلت رکھتا تھا اور اُن پر سردار ہوتا تھا جن پر وہ مبعوث کیا گیا۔ اگر حکومتِ دُنیا اس نبی کے عہد میں کسی دوسرے کے زیر نگین ہوئی تو جبتک وہ حاکم نبی کے ماتحت نہیں ہوا نبی اور حاکم کے مابین اختلاف اور پیکار کی نوبت رہی ہے۔ نمرود اور فرعون کی مثالیں اور طالوت کی مثال قرآن سے پیش کی جا سکتی ہیں کیونکہ حاکم حقیقی ہر آن خدا ہی ہے۔ اس لئے ماننا پڑیگا کہ نبی ہی اپنے زمانہ میں خدا کے ماتحت اصل فرمانروا ہوتا ہے۔ آدمؑ سے لیکر رسولِ مقبول تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اجماع یا الیکشن سے نبی یا نبی کا نمائندہ مقرر کیا گیا ہو۔ جب کبھی ہوا یہی ہوا کہ ایسی ہستیاں خدا ہی کی جانب سے معمور ہوئیں کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ تمام عالم کا امیر (یعنی نائب رسول اللہ) کو نہ تو خدا مقرر کرے نہ رسولؐ۔ اور یہ اختیار بحیثیتِ مجموعی اس ہستی کے ہاتھ سونپ دیا جائے جو خود خطا و نسیان کا پُتلا ہو اور محتاجِ ہدایت ہو۔ جب ابتدا سے لیکر جناب رسولِ مقبول تک ہدایت کرنے والوں کا مامور من اللہ ہونا لازم اور مدرسۂ الوہیت کا پڑھا ہوا ہونا ضروری رہا ہے تو حضورؐ کی وفات کے بعد سے لیکر آج تک اور آج سے آئندہ تک مسلمانوں کا مختارِ قدرت کی مدد سے بے نیاز ہو جانا ایک انوکھی جدت ہے قرآن میں ارشاد رب العالمین ہے۔

فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا ولن تجد	تم خداؐ کے قاعدہ میں کبھی کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے

سنت اللہ تحویلا (پ۲۲ الفاطر) | اور نہ تم خدا کے قاعدے کو کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے۔

اور اسی مفہوم کی کئی آیات واضح موجود ہیں۔ مثلاً

سُنۃ من قد ارسلنا قبلک من رُسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا (پ۱۵ بنی اسرائیل) | اسی طریقہ پر جس پر ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے تھے اور تم ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے

یہ بالکل ہی واضح آیت ہے اور اس اختلاف کا فیصلہ کر دیتی ہے تو پھر اسلام میں ہدایتِ خلق کے قانون کو کیونکر تبدیل شدہ سمجھ لیا جائے۔ انسانیت کیلئے قانونِ ہدایت مکمل ہو جانے کے بعد سلسلہ پیغمبری یعنی نبوت ختم ہو جانے سے جہاں عقلاً انکار کی گنجائش نہیں وہاں نبیؐ کے بعد اجرائے قانون کیلئے ایسی ہستی کا وجود بھی لازمی تسلیم کرنا پڑتا ہے جو نبی نہ ہو مگر قرآنی علوم و ہدایت جاری کرنے میں سوائے خداؔ کے کسی کا محتاج نہ ہو۔ اور اس کا علم منجانب اللہ یعنی الوہی اور لدُنی ہو۔ تکمیل دین سے نبوت کا ختم ہو جانا واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر ہدایت کی ضرورت ختم نہیں ہوتی چنانچہ جب آیہ مجیدہ "انت منذر و لکل قوم ھاد" (پ۱۳ الرعد) نازل ہوئی تو حضور صلعم نے فرمایا کہ منذر یعنی ڈرانے والا میں ہوں۔ اور حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہادی یعنی ہدایت جاری کرنے والا یہ ہے[۱] ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہدایت جاری کرنے والے کی ضرورت بعد از نبی اکرم صلعم قیامت تک کیلئے ہے اور جو بھی خداوند عالمین کی طرف سے ہادی مامور ہو اُس کا اتباع بھی عقلاً لازم ہے اور اُس کی پیروی نہ کرنے سے خالق کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اور ایسے مامور ہادی کیلئے معیار بھی خود خالق عالمین نے ہماری پہچان کیلئے قرآنِ محکم ہی میں قائم کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو

واللہ لا یھدی القوم الظّٰلمین (پ۱۰ التوبہ) | اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

جس نے ایک ظلم بھی کیا وہ ظالم ہو گیا۔ اور حقیقی ہدایت اُس کو حاصل ہے جس نے کبھی ظلم نہ کیا ہو۔ اور ظلم قرآن کی رو سے خدا کی کسی ایک مقرر کردہ حد کو توڑنے سے بھی واقع ہو جاتا ہے لہذا راہبر اسلام کا معصوم عن الخطا ہونا ضروری ہوا کیونکہ خدا جب ظالم کو ہدایت یعنی اُس کی رہبری نہیں فرماتا تو وہ ظالم رہبر اسلامیاں کیونکر ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے

افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون (پ۱۱ یونس) | آیا وہ شخص جو حق تک پہنچا دے اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے یا وہ جس کو

۱؎ اخرجہ الثعلبی فی تفسیرہ والحافظ ابو نعیم فی کتاب ما نزل من القرآن فی علی و ابو بکر بن مردویہ۔ اخرجہ السیوطی فی دُرِ منثور۔ اخرجہ ابن عساکر و ابن النجار فی دُرِ منثور

خود راستہ نہیں ملتا جب تک کوئی دوسرا نہ اُسے بتائے بس تم کو کیا ہو گیا ہے کیسے فیصلے کرتے ہو	

لہذا ماننا پڑیگا۔ کہ جس کسی نے بھی علم حاصل کرنے کیلئے دنیا میں کسی دوسرے کے آگے زانوئے ادب تہ کیا ہو۔ یا دُنیاوی سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں علم حاصل کیا ہو ہدایتِ خلق کا کام کم از کم ایسے آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ وہ وہی ہو سکتا ہے۔ جو مدرسۂ الوہیت کا سند یافتہ ہو جس کو خدا تعالیٰ ہی نے خود پڑھا کر بھیجا ہو۔ اور اس کام کیلئے معمور کیا ہو۔ جو علم لدُنّی کا مالک ہو مندرجہ بالا آیت قرآن سے تو یہی واضح ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بیسیوں آیات کلام الٰہی میں ایسے ہی مضامین کی ملتی ہیں۔ اور علیم بذاتِ خود صفت مشبہ ہے۔ جوکہ اپنے موصوف سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی علیم پیدائش ہی سے علیم ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت قرآن" انا نبشرک بغلام علیم" (پ الحجر) میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو فرشتوں کے ذریعے خوشخبری دی ایک صاحبِ علم لڑکے کے پیدا ہونے کی۔

غرضیکہ بے علم کی تقلید پیروی کرنے یا بے علم کو ہدایتِ خلق کا کام سپرد کرنے کا کسی جگہ بھی حکم نہیں نہ ہی شرعاً نہ ہی عقلاً۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:۔

ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون (پ الجاثیہ)	اور اُن لوگوں کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

یہ وہ اصول ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ہر انسان کی راہبری کیلئے کھول کر بیان فرما دیئے اور انہی کے ماتحت تاریخ اور قرآن کی ورق گردانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء علیہ السلام تک انسان کی اس احتیاج کو خالق نے خود پورا کیا ہے۔ یہاں تک کہ کسی نبی کو بھی اپنی مرضی سے انسانوں یا انسانوں کی کسی جماعت کا امیر مقرر کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ بلکہ خالق خود یا انبیاءؑ خالق کی مرضی سے ہمیشہ امیر یا اپنا نائب مقرر کرتے رہے۔ اور تاریخ یا قرآن میں ہزاروں واقعات میں سے کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی کہ کسی نبی یا نبی اولوالعزم تک نے بھی خود اپنی مرضی سے ایسی شخصیت کو اس اہم کام کیلئے مقرر کیا ہو۔ چہ جائیکہ عوام نے۔ اس کے برعکس جب کبھی بھی کسی بھی نبی کے عہد میں اس اہم امر کیلئے کسی شخصیت کو مامور کیا گیا۔ خدا ہی کی مرضی کے مطابق۔ قرآن اور تاریخ تمام ایسی ہی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ چند مثالیں قرآن سے ملاحظہ ہوں :۔

(۱) واخی ھٰرون ھو افصح منی لساناً فارسلہ معی ردًا یصدقنی انی اخاف ان یکذبون۔ قال سنشد عضدک باخیک ... (پ الوقص)	(موسیٰ نے خدا سے فرمایا) اور میرے بھائی ہارون کو جو میری نسبت زیادہ فصیح ہیں۔ میرے ساتھ مددگار بناکر بھیج کہ وہ میری تصدیق کریں۔ یقیناً میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا ئینگے (خدا نے) فرمایا۔ عنقریب ہم تمہارے بھائی کے ذریعے تمہارے بازو کو قوی کردیں گے
(۲) ولقد اٰتینا موسیٰ الکتٰب وجعلنا معہ اخاہ ھٰرون وزیرًا (پ القرآن)	اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر مقرر کیا تھا
(۳) ولقد اٰتینا داؤد وسلیمٰن علماً ... وورث سلیمٰن داؤد (پ النمل)	اور بیشک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا ... اور سلیمانؑ داؤد کے وارث ہوئے۔

رفع شبہ۔ اگر خیال پیدا ہو کہ بیشک انبیاءؑ، تو خداوند تعالیٰ نے ہی خود مقرر فرمایا ہے۔ مگر جہاں تک انسانوں پر ایک جماعتی نظام سے حکومت کرنے کا تعلق ہے۔ تو ایسا امیر عوام اپنے لئے خود مقرر کرسکتے ہیں۔ جواباً گذارش ہے کہ جہاں تک اسلامی نکتۂ نگاہ کا تعلق ہے۔ انسان کی راہبری یا سرداری کرنے کے لئے خدا ہی بہتر آدمی منتخب کرسکتا ہے۔ دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام باوجودیکہ نبی اللہ تھے۔ اور کارِ نبوت انجام دے رہے تھے۔ مگر انسانوں کی سرداری کا عہدہ نبوت ملنے سے بہت بعد خداوند تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اور جب کہ وہ خداوند تعالیٰ کے امتحان میں کامیاب و کامران ہوئے اور خداوند تعالیٰ نے انہیں انسانوں کی سرداری کا اہل سمجھا۔ تو پھر فرمایا "انی جاعلک للناس اماماً" (القرآن) اور یہ امامت آپ کو نبوت کے بعد ملی۔ اس امر پر مزید روشنی واقعہ طالوت بادشاہ سے ڈالی جاسکتی ہے جو قرآن سورۃ بقرہ میں واضح طور سے موجود ہے پیشتر بھی کتاب ہذا میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ عوام جو اس زمانہ کے نبی کی امت تھے بضد تھے کہ وہ طالوت کو بادشاہ نہیں بنائینگے۔ مگر خدا نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ بلکہ رائے عامہ کو ٹھکرایا گیا۔ حالانکہ معاملہ حکومت کا تھا کوئی نبوت کا معاملہ نہ تھا۔

لہٰذا قابلِ غور امر یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے تو خالق اپنی مخلوق کی احتیاجات کو مدنظر رکھتا چلا آیا۔ مگر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جناب پیغمبر آخر الزمان صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد جب دینِ کامل پر عمل کرنے کیلئے انسانوں کی ذمہ داریاں زیادہ بڑھ جائیں اس وقت خدائے رحمٰن و رحیم

امت محمدیہ کو نظر انداز کر کے ہمیشہ کیلئے منہ موڑ لے۔ اور حضورؐ کی وفات کے بعد تقاضائے ہدایت کا عدم ہو جانے۔ اور ہر شخص خود ہادی بانہ صفات سے متصف ہو گیا ہو۔ اسلام میں موجودہ قسم قسم کے فرقوں کا وجود اس نظریے کو اپنانے کی پیداوار ہے۔ اور قرآن حکیم کی تفسیر بالرائے کا اجرا اسی غلط نظریہ کی ایجاد ہے۔ یعنی جس کسی عالم دین کو یا بادشاہِ وقت کو جو بھی طاقت حاصل ہوئی اُس نے اپنی عقل اپنے زاویہ نظر کے مطابق نئے سے نئے طریقے نئے سے نئے نظریئے دین اسلام میں ایجاد کئے جس سے اُمت ٹکڑے ٹکڑے نظر آتی ہے۔ کاش کہ مسلمان خلیفہ رسولؐ یا امام امت کیلئے ہمیشہ منجانب اللہ ہونا ہی تسلیم کرتے۔ اور مختلف اور متفرق طریقے اس امر کیلئے قائم نہ کرتے تو نہ مسلمان فرقہ فرقہ نظر آتے نہ موجودہ گمرہ ریاں پیدا ہوتیں۔

کس قدر مضحکہ خیز نظریہ ہے کہ جن لوگوں کو ہدایت کی ضرورت ہو وہ خود اپنی جماعت میں سے اپنا ہادی و سردار مقرر کر لیویں۔ اتنا نہیں سوچا جاتا کہ محتاج ہدایت اگر اپنے نیک و بد سے خود واقف ہے اور بدیوں سے متنفر بھی ہے تو اُسے ہدایت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ محتاج ہدایت تو اُس صورت میں اُسے کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ وہ خود ناواقف ہے ورنہ ہدایت کی ضرورت سے وہ بے نیاز ہے۔ مگر جب وہ خود ناواقف ہے تو اُسے حق نہیں کہ وہ خود اپنے لئے اپنا ہادی مقرر کر لیوے کیونکہ ہدایت طبیعت سے تعلق رکھتی ہے اور جب طبیعت ہی اُس کی اعتدال پر قائم نہیں تو جس کسی کو بھی وہ سردار یا ہادی مقرر کریگا وہ اپنی طبیعت ہی کے مطابق کریگا۔ اور طبیعت اُس کی خود ہدایت یافتہ یعنی اعتدال پر نہیں تو ثابت ہے کہ وہ غلط انتخاب کریگا۔ کیا خوب مثال ایک بچہ نادانی کی ہے جو اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اپنے کھیلنے کیلئے آگ کا سرخ انگار یا ایک خوبصورت ملائم جلد کا زہریلا سانپ پسند کرتا ہے۔ اگر وہ بضد بھی ہو اور ایسے ہی تمام بچے مل کر بھی یہ مطالبہ کریں یعنی بچوں کا اجماع بھی ہو جائے۔ تو بھی یہ خواہش پوری نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ نادانوں میں یہ سمجھنے کی قابلیت ہی نہیں کہ ایسے کھلونے انکے سکون و آرام کو ختم کر دینگے۔ لہذا جو خود محتاج ہدایت ہے۔ اور علم نہیں رکھتا۔ اُسے اپنا سردار اپنا ہادی اپنا راہبر خود مقرر کرنے کا نظریہ سراسر غیر اسلامی اور خلاف عقل ہے اور نقصان دہ ہے +

خدا نے ہر ایک کی جدا جدا طبیعتیں بنائی ہیں۔ اور ہر ایک میں مقدار عقل علیحدہ علیحدہ کم و بیش تناسب پر ہے۔ اگر ہر ایک کو احکام قرآن کے مطابق کسی امر کیلئے اپنی اپنی مرضی کے مطابق رائے دینے اور اعتقاد بنانے کی کھلی چھٹی دیدی جائے۔ تو تہتر فرقے تو درکنار ہزاروں لاکھوں گروہ وجود میں آ

جائیں۔ مرکزیت کا خیال تو موجودہ فرقہ بندیوں کی موجودگی میں بھی محال ہے۔ مگر اس صورت میں جبکہ ہر شخص مطالعہ قرآن کے بعد اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق نظام زندگی بنائے اور قرآن سے اپنی ہی عقل کی مقدار کے مطابق نتائج اخذ کرے۔ تو اسلام میں مرکزیت کا نام ونشان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا ماننا پڑتا ہے کہ مرکز اسلام یعنی مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کا راہنما وہی ہو سکتا ہے جو خدا کا بنایا ہوا ہو نہ کہ جمہوریت کی پیداوار ہو۔

عقلِ عمومی۔ آج کل کے بعض تعلیم یافتہ عقلِ عمومی کو اس اہم معاملہ میں بھی کسوٹی گردانتے ہیں۔ اگر اس کسوٹی کو بھی درست اور ضروری تسلیم کر لیا جائے تو بھی عقلِ عمومی (COMMON SENCE) کی رو سے ہی انسان محتاجِ ہدایت ثابت ہوتا ہے تو اس کے فیصلہ کے مطابق انسان کو اپنا رہبر و سردار منتخب کرنے کا اختیار نہیں۔ یہی عقلِ عمومی کا فیصلہ ہے۔ فی الحقیقت عقلِ عمومی کا استعمال محض اُن مسائل کیلئے ضروری ہے جو روزمرہ ہماری طبیعت کے ماتحت عمل میں آتے رہتے ہیں۔ دنیا ایک میدانِ جنگ ہے۔ جہاں انسان پیدائش سے لیکر اپنی موت تک محتاج ہی محتاج نظر آتا ہے۔ اور قسم قسم کے دشمنوں سے اسے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ظاہری دنیاوی یعنی مادی دشمن تو کم ہیں۔ مگر روحانی اور صعبی دشمن حرص، خواہشاتِ نفسانی، گناہانِ صغیرہ وکبیرہ کی فوجوں کی فوجیں موجود ہیں جن سے نبرد آزمائی کی ضرورت ہے۔ جب ایک عام دنیاوی میدانِ جنگ میں ایسے سپاہیوں کی ضرورت نہیں جو کہ سردار کے حکم دینے پر دشمن پر حملہ کرنے کی بجائے اپنی عقلِ عمومی دوڑانی شروع کر دیں اور سوچیں کہ انہیں حملہ کرنا چاہئے یا نہیں، سردار دائیں طرف سے حملہ کرنے کا حکم دے اور وہ اپنی عقل کے مطابق بائیں طرف سے شروع کر دیں۔ سردار کسی مقام پر ڈٹے رہنے کا حکم دے۔ اور وہ فتح یا شکست سمجھ کر وہاں سے ہٹ جائیں۔ ایسا کرنے پر یقیناً جنگِ اُحد جیسے واقعات کو دوہرانا پڑیگا۔ اسلام کے سپاہیوں کو تو اپنے حاکم الحاکمین کا بے چون وچرا حکم ماننا پڑتا ہے۔ وہاں عقلِ عمومی سے کام نہیں لیا جاتا۔ وہاں پر تو آمنا وصدقنا پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں اکثر مقامات پر صاحبِ ایمان اُن لوگوں کو کہا گیا ہے جو کہ خدا پر غائبانہ ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارے ہر امر کیلئے خدا کے احکام و فیصلے موجود ہیں اور ہمارا ہر ایک چھوٹے سے چھوٹا فعل بھی اسلامی ہے یعنی خدا ہی کیلئے ہے۔ اور ہمیں اسلامی معاملات میں اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کا قطعاً استحقاق حاصل نہیں۔ اور پھر اس جگہ تو سوال تمام عالم کے اور بالخصوص تمام مسلمانوں کے امیر کے تعین کا ہے۔ بلکہ زیادہ تفصیل سے یوں کہا جائے کہ تمام دنیا

ماہنامہ معارف اسلام

اکتوبر ۱۹۵۸ء — نگران اعلیٰ (اعزازی) — ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

علامہ سید امداد حسین کاظمی المشہدی

ناشر
ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ)
لاہور

چندہ سالانہ للعہ — قیمت فی پرچہ ۸/

غیاث الدین (سیکرٹری ادارہ معارف اسلام) پرنٹر و پبلشر نے تعلیمی پرنٹنگ پریس سرکلر روڈ لاہور سے چھپوا کر
دفتر ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) لاہور شاہ عالمی گیٹ ۲۲ شیخ منزل سے شائع کیا۔

فہرست کتب ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ)

مندرجہ ذیل کتابیں خود پڑھیں اور خرید کر دوسروں کو پڑھائیں۔ تمام آمدنی اشاعت مذہب پر صرف ہوتی ہے :-

فقہ تفسیریات مجلد ۱۲/
" " بغیر جلد ۱۲/
مذہب اور سائنس ۱۰/
حکومت ربانی ۸/
محرم و آداب عزا ۸/
نوائے اقبال (در مدح اہلبیت) ۸/
موازنہ حق و باطل ۲/
دلیل عزا ۲/ قوانین شرعیہ ۵/
تعلیم کی ناکامی اور اس کا علاج ۳/
ویسٹ ٹریژر (انگریزی) ۴/
اقتصادی مشکلات کا حل ۴/
مہدی موعود ۳/ عصمت انبیاء ۴/
ذکر بہاء ۲/ اسوہ صوفیا ۲/
آل محمد ۲/ ضرورت اتحاد ۲/
رحمۃ للعالمین (اسلام اور اقلیات) ۳/
شہید وحدانیت ۲/
حدیقۂ غم (یوم عاشورہ کی تاریخ منظوم)
نہج البلاغہ ہر حصہ
(مترجم علامہ مفتی جعفر حسین صاحب)

فلسفہ اسلام (آغا محمد سلطان مرزا) ۱۲/
اسلامی سیاسیات کا ابتدائی مطالعہ
قرآن اور جغرافیائی مسائل ۸/
شیعہ پاکٹ بک مرزا احمد علی صاحب
اضافہ شدہ نیا ایڈیشن
تاریخ اصلاح ۱۰/ دلیل الفرقان
معلم اسلام (علامہ کاظمی) ۳/
اعمال واجبیہ (") ۳/
جلباب (جواز پردہ)
تقتل الحسین عقبہ بن سمعان
(علامہ کانپوری) ۸/
تصویر درد ۳/ استیصال البدعۃ ۳/
ظفر المبین ۴/ حقیقۃ الفقہ ۲/
عملیہ عزا (علامہ مرزا احمد علی) ۲/
حضرت یوشع بن نون ۴/
انوار حکمت (اقوال امام حسینؑ کی شرح) ۵/
رموز حکمت ۳/ مینظر اتحاد ۴/
سیپارہ اوّل (علامہ علی نقی صاحب) ۱۲/
ترجمہ احقاق الحق جلد چہارم

اصل و اصول شیعہ آل کاشف الغطاء
اسلام و مسلمانوں کی تاریخ
حصہ اوّل (عہد نبوی)
اسلامی معاشرہ (تعلیمات اہلبیت)
تحقیق حدیث انا مدینۃ العلم
اسلامی عقائد تعلیمات اہلبیت
عہد ناموں کی تعلیمات
علامہ نذر حسن گوپالپوری
ہدایۃ الحنفیہ ۳/ ماتم شبیر
ہلاکت ملوکیت در
اطاعت حسینیت ۴/
تحفہ زوجین ۴/
سیرۃ فاطمۃ الزہرا (آغا محمد سلطان)
مجلد — بلا جلد
البلاغ المبین حصہ اوّل (اضافہ شدہ)
(آغا محمد سلطان مرزا) مجلد — بلا جلد
ادارہ اصلاح کی کتابوں کی علیحدہ
فہرست دفتر سے طلب کریں۔
(خرچ ڈاک بذمہ خریدار ہوگا)

ترسیل زر بنام } مدیر اعزازی ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) ڈبی بازار - لاہور

خط و کتابت بنام } مہتمم دفتر ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) 9/B شیخ مینشن شاہ عالمی گیٹ

"راستی و درستی بہترین سیاست است"

ماہنامہ

معارف اسلام (لاہور)

مدیر اعزازی: غیاث الدین

جلد ۴ | ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۸ء | شمارہ ۷

فہرست

[illegible]ں میں اتحاد اور دین اللہ کو پھیلانے کے لئے معارف اسلام کی مدد کیجئے —

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

گفتنی ھا

تنظیم وقیادت کے سلسلہ میں چند غور طلب نکتے

(علاج اور راہِ عمل)

ملت کے چند درد مند اور کہنہ مشق کارکن ایک مدت سے واحد دینی تنظیم وقیادت کے لئے آواز بلند کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں محترم سید حسن صاحب ملتانی اور مفکر ملت سردار کریم بخش صاحب حیدری پیش پیش ہیں۔ اور ان کے کئی مقالات اور مفید تجاویز اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ اور ہو رہی ہیں۔ مگر یہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ وقت کی مناسبت سے اس اہم آواز کی طرف بہت ہی کم توجہ دی گئی ہے۔ حالانکہ سب سے زیادہ قابل توجہ فی زمانہ یہی مسئلہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ نجات دینوی و اخروی سے متعلق ہے ملت کی موجودہ کس مپرسی۔ انتشار اور کمزوریاں ڈھکی چھپی نہیں۔ یہ سیاسی و سماجی معاشرتی و اخلاقی۔ تجارتی و دفتری۔ عملی و نظریاتی اور انفرادی و اجتماعی وغیرہ ہیں منتشر شکر ہے۔ کہ مذہبی کمزوری نہیں ہے۔ اور اسی ایک مذہبی پختگی سے تمام کمزوریاں دور کی جا سکتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔

موجودہ حالات کو دیکھنے کے بعد ایک مفکر آسانی سے یہ اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ اگر حالات چند سالوں تک کس مپرسی ہی میں جاری رہے تو یقیناً ملت کے لئے اپنی انفرادی حیثیت کو قائم رکھنا ایک مشکل ترین مسئلہ بن جائے گا۔ بحیثیت جماعت کے آپ بسر نہ کر سکیں گے نام حسین ؑ تو ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور مجالس حسین ؑ بھی جاری رہیں گی۔ کیونکہ یہ قیامت تک بھی مٹنے والی چیزیں نہیں۔ مگر آپ کے لئے بحیثیت اپنے مخصوص عقائد کے بسر کرنا قریباً ناممکن ہو جائے گا۔ لہٰذا اصل مقصد صرف ان کمزوریوں کا علاج اور اس علاج کے لئے طریق کار تجاویز تو بہت ہیں۔ اور ان میں بعض مفید بھی نظر آتی ہے۔ مگر ان پر عمل مفقود ، پلی کے گھنے میں گرہ باندھے۔

اس سلسلے میں اگر واقعات کی نقاب کشائی کی جائے۔ تو ذہنوں ہی کی تنا فتنہ کا خطرہ۔ اس لئے کھل کر واقعات بیان کرنے سے سب گریزاں۔ اگر تحریر انصاف پر مبنی ہو۔ تو یہ اندھے کی لاٹھی ہے۔ جس کی زد میں جو بھی آیا چاہے اپنا ہو یا پرایا کوئی نہیں بچ سکتا۔ ہم خود ڈرتے الجھیں۔ کہیں بحث کا سلسلہ جاری نہ ہو جائے اور بحث و مباحثہ کرنا "معارف اسلام" کے پروگرام میں شامل نہیں۔ حقائیت بیان کرنے سے اگر مخالفت شروع ہو جائے تو اس کی ہمیں قطعاً پرواہ نہیں۔ مگر ہماری تحریر اگر مزید انتشار کا باعث بنے تو اس کے لئے پیش بندی کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا ہم اپنے بیان میں کسی فرد یا جماعت کا نام نہ لیں گے۔ سب ہمارے لئے قابلِ عزت و تکریم ہیں۔ ہر ایک کو اجازت ہے۔ کہ اس کی روشنی میں اگر چاہے تو خود اپنے فعل و عمل کا محاسبہ کرے۔ اور جائزہ لے۔

ہماری تحقیق کے مطابق ملت اس وقت مختلف گروہوں کے زیر اثر ہے۔

(۱) علماء (۲) لیڈران (۳) رؤسا (۴) اخبارات اور (۵) انجمنیں۔ ملت کی سربلندی اور ان طبقات کی صحت لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے ہر طبقہ ایک دوسرے سے متاثر ہوتا ہے۔ "علماء" اور "لیڈران" دو ایسے طبقے ہیں۔ جن کے وجود کو آج تک کسی مخصوص معیار یعنی صفات کی بنا پر تسلیم نہیں کیا گیا۔ درآنحالیکہ ہمارا مذہب محض صفات ہی کی بنا پر کسی کو تسلیم کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ہم ہر کس و ناکس کو فوراً اپنا مقتدا یا قائد تسلیم نہیں کرتے۔ تاوقتیکہ وہ ان شرائط پر پورا نہ اترتا ہو۔ جو کہ شارع نے مقرر فرمائی ہیں۔ یہی سب سے بڑا فرق ہم میں اور دوسرے مذاہب میں ہے۔ تو پھر "عالم مذہب" یا "لیڈر قوم" بغیر کسی مخصوص معیار و صفات پر پورا اترنے کے کیونکر قابلِ تسلیم ہو سکتا ہے۔ ہر عہدیدار کو بغیر کسی کسوٹی یا استحقاق کے کیونکر اس ذمہ دار گروہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہو یہی کچھ رہا ہے۔ اس اہم طبقہ میں ہر غیر ذمہ دار فرد کی شمولیت اختلافات و انتشار میں دن بدن اضافہ کا باعث بن رہی ہے۔ باوجود قرآن حدیث اور اقوال معصومین میں ان صفات کا تذکرہ موجود ہونے کے آج تک اس امر کی طرف انتہائی کم توجہ دی گئی ہے۔ کہ "عالم" یا "علماء" کی DEFINITION (تعریف) کیا ہے؟ کیا ہر کوئی جو اچھی تقریر کر سکے یعنی (کامیاب یا ناکامیاب) مجلس پڑھ سکے اور صاحب دستار و قبا ہو اُسے عالم مذہب تسلیم کر لیا جائے؟ کیونکہ بعض ڈاکٹر، پروفیسر سکولوں کے اساتذہ، مدرس۔ وکلاء، جج، مجسٹریٹ۔ زمیندار۔ گریجویٹ، فضلاء۔ کلرک اور تجار وغیرہ بھی ایسے موجود ہیں۔ جن کا علم و معرفت اور عمل ماسوائے چند مخصوص علماء دین کے بہت بڑھا چڑھا ہے۔ محترم بلتستانی صاحب کا یہ ارشاد بجا اور درست کہ ہماری روحانی قیادت آئمہ علیہم السلام کے بعد علماء کو سونپی گئی۔ مگر اس کے لئے سب سے پہلے اقوال آئمہ علیہم السلام کی روشنی میں عالم کی ایک تعریف (DEFINITION) مقرر کرنے یا جو مقرر شدہ تعریف ہے۔ اس کے تحت دائرہ علماء

کو سخت تنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ جس میں محض ایسے علماء رہ سکیں جو کہ واقعی معصومین کے بعد قیادت کے اہل ہیں۔ تاکہ ہر کہ ومہ اس دائرہ میں شامل ہو کر اختلافات کو وسیع کرنے کا باعث نہ بن سکے۔ چونکہ یہ مسئلہ علم کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہذا اس امر میں مندرجہ ذیل احادیث معصومین کو پیش نظر رکھنا اشد ضروری ہے۔

(۱) فرمایا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہلاک ہونے والے جاہل جو خواہشوں کے بندے ہوتے ہیں۔ دوسرے قوی عابد جن کی عبادت کی زیادتی کیساتھ اُن کا تکبر بھی بڑھتا ہے تیسرے وہ عالم جو اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ لوگ اُن کی تعریف کریں۔ چوتھے وہ عارف جو طریق حق پر ہیں۔ اور حق پر قائم رہنا پسند کرتے ہیں۔ ...... الخ (بحار الانوار مجلسیؒ جلد اوّل)

(۲) فرمایا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ اگر کسی شخص کے دینی علوم کی طرف دل لگے ہوں اور وہ ان علوم کی تعلیم کیلئے ان سے اُجرت کا طالب ہو۔ تو خدا اس کو نارِ جہنم میں داخل کرے گا۔

(۳) فرمایا جناب امیر المومنین علیہ السلام نے کہ دس قسم کے لوگ اپنے آپکو اور دوسروں کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں۔ (۱) وہ جو تھوڑا علم رکھتا ہے۔ اور دوسروں کو بہت کچھ سکھانا چاہتا ہے۔ (۲) وہ مرد حلیم اور صاحب علم کثیر جو عقل و فہم نہیں رکھتا۔ ...... (۶) وہ عالم جو اپنی اصلاح کا ارادہ نہ رکھے ...... (۸) وہ عالم جو دنیا کی محبت رکھتا ہو۔ (۹) وہ جو بظاہر لوگوں سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن اپنی جیب سے کچھ نہ دے ...... (بحار الانوار مجلسیؒ جلد اوّل)

علماء کی پرکھ کے لئے بیسوں اقوال معصومینؑ موجود ہیں۔ پس جو عالم ان پر پورا اُترے محض انہیں قوم کی دینی قیادت کا اہل سمجھنا چاہیے اور ایسے علماء میں اختلاف ناممکن ہے۔ ایسی ہستیاں ایک جگہ اکٹھی ہو کر جو فیصلہ کریں۔ وہ یقیناً قوم کے درد کا صحیح علاج ہو گا۔

اسی طرح لیڈران قوم "جن کو" ارباب حل و عقد "یا" اہل الرائے "سے ملقب کیا جاتا ہے۔ ان کے لئے بھی کوئی معیار مقرر نہیں۔ کیا قوم کی نمائندگی کے لئے کسی بھی سند کی ضرورت نہیں۔ یا ہر ایک جو چند افراد کی پشت پناہی میں شور مچا سکے اُسے ہی لیڈر قوم تسلیم کر لیا جائے۔ جہاں جمہوریت بھی نا جائز ہے۔ جو دو ٹکے کے لیڈر منتخب کر لئے جائیں۔ لہذا طبقہ لیڈران میں بھی ہر کس و ناکس کی شمولیت نقصان دہ ہے ہم جس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ کوئی سیاسی جماعت نہیں۔ یہ ایک خالص اور ستا سر دینی جماعت ہے۔ اقتدار حکومت سے اس نے ہمیشہ دینا منظور کر لیا مگر استحکام دین کی خاطر اپنے اصول بدلنا گوارا نہیں کیا۔ لہذا لیڈرانِ قوم میں سے ہر ایک کا پابند شریعت ہونا اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا کہ طبقہ علماء کیلئے لازمی ہے۔ اس امر کیلئے

بھی اقوالِ معصومینؑ ہمارے رہبری کرتے ہیں:۔

جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ "جو لوگوں کا پیشوا یا قائد بننا چاہتا ہے اُس کو چاہیئے کہ اپنے نفس کو پہلے تعلیم دے۔ قبل اس کے دوسروں کو تعلیم دینے کا ارادہ کرے۔ تاکہ اُس کی تعلیم و تادیب محض قول سے نہ ہو۔ بلکہ اُس کے عمل و سیرت سے ہو۔ ۔ ۔ ۔ الخ (بحارالانوار مجلسیؒ جلد دوئم)

غرضیکہ قومی تنزل کے بڑے اسباب میں سے ایک سبب نام نہاد علماء و لیڈران کی بیہتات بھی ہے ان ہر دو ذمہ دار عہدوں کیلئے شریعت اسلامیہ یعنی مستند اقوال آئمہ کے بموجب معیار مقرر کر کے کنٹرول کرنا ضروری ہے۔ جو کہ قومی فلاح و بہبود کے لئے مفید اور باعث برکت ثابت ہو سکتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ طبقہ علماء میں سوائے چند ایک مخصوص شخصیتوں کے اکثر کا ذریعہ معاش مجلس پڑھنا ہے۔ اور جن کا ذریعہ معاش مجالس سے علاوہ ہے۔ یعنی مجلس کی آمدن AS A SIDE INCOME ہے۔ اُن کی آمدن بھی مجالس کی آمدن سے کافی حد تک متاثر ہے۔ بہر حال مجالس کی آمدنی زیادہ تر رؤساء قوم کی جیبوں سے نکلتی ہے۔ کیونکہ ان کے لئے بوجہ اُن کے تمول کے بہ نسبت عوام کے مجالس منعقد کرانا آسان ہے۔ مجالسِ عزا منعقد کرنا اور کرانا اپنی اپنی استطاعت کے مطابق ہر صاحبِ ایمان کا فرض ہے۔ اور ہر غریب و امیر اس میں حصہ لے سکتا ہے کیونکہ اسی سے اسلام زندہ ہوتا ہے۔ یہ سیرت و کردار پیدا کرتی ہیں۔ مگر رؤساء ملت کے لئے علاوہ کارِ ثواب اور جزو عقیدہ ہونے کے اُن کی ساکھ قائم رکھنے کا بھی ذریعہ ہیں۔ اور وہ ان سے عوام اور حکومت پر اپنی برتری یا سرداری ظاہر کرتے ہیں۔ چونکہ رؤساء خود مجالس نہیں پڑھ سکتے یا پڑھنے کی کوشش نہیں کرتے لہذا وہ علماء یا مقررین کے محتاج اور مقررین اپنے ذریعہ معاش کی وجہ سے اُن کے محتاج۔ لہذا داعی مجلس کو خوش کرنا اور اس کی تسلی کرنے پر پورا زور صرف ہوتا ہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح مجلس کامیاب ہو جائے۔ لوگوں کو ہنسایا بھی جائے۔ اور رُلایا بھی جائے۔ عملی طور پر چاہے دن بدن عوام میں جمود ہی کیوں نہ پیدا ہوتا جائے۔ ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ علماء کی امداد نہ ہونی چاہئے بلکہ ہر صاحبِ حیثیت کا فرض ہے۔ کہ علماء کی دل کھول کر امداد کرے اگر کوئی نذرِ معصومینؑ کے سلسلہ میں ہدیہ عقیدت پیش کرتا ہے۔ تو اُسے کون روک سکتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے۔ کہ اسے پیشہ نہ بنایا جائے۔ "رؤساء" سے ہماری مراد تمام رؤساء نہیں۔ کیونکہ رؤساء میں بعض ایسی مخلص و صاحبِ ایمان اور بے لوث ہستیاں بھی موجود ہیں۔ جو صحیح معنوں میں محافظِ دین و ملت ہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر آج علماء کو اپنی آمدن کے سلسلہ میں رؤساء سے بے نیازی حاصل ہو جائے تو وہ بے لاگ ہو کر خدمتِ دین کر سکتے ہیں۔ بابِ مدینۃ العلم تو قسم قسم کی مزدوری کر کے معیشت پیدا کرے۔ اور پھر وہ بھی اپنے سامنے سے اُٹھا کر قابلِ امداد آدمیوں میں

تقسیم کر دے۔ یہ عمل دین اللہ کے لئے کرے اور حفاظت دین کے لئے اپنا سب کچھ اس راہ میں قربان کر دے۔ اور اس کے منبروں پر جلوہ فگن ہونے والے حفاظتِ دینِ اللہ کو پیشہ بنا لیں! یہ نہ ہی ایمان مذہب کی رو سے جائز ہے۔ نہ ہی امامِ وقت کی اس طریقِ کار کیلئے رضامندی حاصل ہو سکتی ہے۔

علماء و اُمراء کے متعلق کتنا واضح ارشاد حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا حضرت باقرِ آلِ محمدؐ (علیہ السلام) کی وساطت سے موجود ہے۔ جو کہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (امام پنجم) سے مروی ہے۔ کہ فرمایا رسولُ اللہ نے کہ میری اُمت کے دو گروہ ایسے ہیں کہ جب یہ اچھے ہوں تو میری اُمت اچھی رہے گی۔ اور جب یہ خراب ہوں تو اُمت میں خرابی پیدا ہو گی۔ پوچھا گیا کہ یا رسولَ اللہ وہ کون دو گروہ ہیں؟ فرمایا گروہ فقہاء اور گروہ اُمراء"۔ ...... (بحار الانوار مجلسیؒ جلد اوّل)

اس قول کے تحت ان ہر دو جماعتوں کی صحت جسقدر لازم ہو جاتی ہے۔ وہ بالکل عیاں ہے۔ علماء کے ذمہ چونکہ دین و مذہب کو سمجھنا اور عوام کو یہ راستہ دکھانا ہے۔ لہٰذا تمام تر ذمہ داری علماء ہی پر آ کر پڑتی ہے۔ روٴسار چونکہ دنیاوی معاملات میں ملوث اور خواہشات و ضروریات دنیا میں دھنس چکے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے جو غلط کردار اختیار کر چکے ہیں۔ ان کو صحیح راہ دکھلانا محض علماء ہی کا کام ہے۔ آج علمائے ملت اگر اپنی معیشت کے سلسلے میں روٴسار کے چنگل سے آزاد ہو جائیں اور اپنی علمی وسعتوں اور طاقتوں کو جائز طریقے سے پوری پوری طرح کام میں لائیں تو روٴساء کا صحیح ڈگر پر آنا نہایت آسان ہے۔

جہاں تک **اخبارات** کا تعلق ہے۔ فی الحقیقت یہ ملت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہیں۔ پریس پر ہی فی زمانہ قوموں کے عروج و زوال کا انحصار ہے۔ اخبار ہی ایک ایسا ہتھیار ہے جس کی ضرورت قوم کے ہر فرد کو ہے۔ عوام کو اسلئے کہ انہیں مذہبی و قومی معلومات حاصل ہوتی رہیں۔ جماعتوں کو اس لئے کہ ان کا پروپیگنڈہ ہوتا رہے۔ علماء و روٴساء کو اس لئے کہ ان کی شخصیت کو بلند کرنے کے اسباب پیدا ہوں۔ اخبارات کی مالی حالت اگر درست اور قابلِ اطمینان ہو اور پالیسی جماعتی بندشوں سے بے نیاز ہو۔ تو وہ بے لوث ہو کر خدمتِ دین و ملت کر سکتے ہیں۔ اگر اخبارات کی نیت قوم کی فلاح و بہبود اور اسے بامِ عروج پر پہنچانا ہو تو ان میں اختلافات کا خاتمہ عین ممکن ہے۔ اور اگر اخبارات کا ایکا ہو جائے۔ تو قوم اور اس کے حالات کا سدھار کوئی ایسی مشکل بات نہیں رہ جاتی۔ مگر حالات یہ ہیں کہ اخبارات اپنی مالی کمزوریوں اور عوام ملت کی عدم توجہگی کی وجہ سے خود پریشانیوں آفتوں میں مبتلا ہیں۔ مجبور ہیں۔ کہ کسی نہ کسی پارٹی یا کسی نہ کسی رئیس کے ساتھ منسلک رہیں۔ تاکہ اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکیں۔ خواہ کسی صورت ہی سے کیوں نہ ہو۔ چہ جائیکہ ان پارٹی کی خریداری کی صورت میں یا کسی

دوسری صورت ہیں۔ اگر آج اخبارات ملت کی موجودہ کشتی کو غرق ہونے سے بچانا چاہتے ہیں۔ اور خود آزادانہ پالیسی پر گامزن ہو کر زندگی کے خواہاں ہیں۔ تو انہیں ایک مرکز پر مجتمع ہونا ہی پڑیگا۔ اور پارٹیوں یعنی اپنی مخصوص جماعتوں اور مفادات کے دامن کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ تاکہ قوم کی کشتی پار لگ سکے۔ اور اگر یہ کشتی ڈوب گئی تو اخبارات بھی باقی نہ رہ سکیں گے۔ اور انہیں کوئی اور ذریعہ معاش تلاش کرنا پڑے گا۔

یہ امر مزید قابل غور ہے کہ قریباً ہر عالم مذہب بلکہ ہر فرد قوم کسی نہ کسی جماعت یعنی پارٹی (انجمن۔ ادارہ۔ ایسوسی ایشن۔ کانفرنس وغیرہ وغیرہ) سے منسلک ہے۔ پارٹی سے وابستگی کی وجہ سے وہ اسی کوشش میں ہوتا ہے۔ کہ یہی پارٹی سب سے زیادہ نمایندہ ہو اور اسے ہی سب سے زیادہ طاقت حاصل ہو جائے۔ چاہے دوسری پارٹیوں کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔ اور ان سے مخالفت ہی کیوں نہ مول لینی پڑے۔ پارٹی بازی بذات خود ایک لعنت ہے۔ جو نہ خدا کے نزدیک نہ رسول کے نزدیک اور نہ ہی امام (یعنی اولی الامر وقت) کے نزدیک پسندیدہ امر شمار ہو سکتی ہے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" اس پر شاہد ہے۔ اخبارات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ کوئی نہ کوئی نئی پارٹی عالم وجود میں آجاتی ہے۔ اور جس قدر پارٹیاں زیادہ بنتی جاتی ہیں۔ قومی نفاق و اختلافات میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔

یہ ہیں حالات جن سے اس وقت ملت گریہ کن دوچار ہے۔ مضمون بالا میں ملت کی پانچوں خرابیوں کی صحت و درستگی کیلئے دلائل دیئے ہیں۔ جن سے کوئی بھی صاحب دل مومن اور دل میں درد ملت رکھنے والا اختلاف نہ کرے گا۔ تو پھر ان امراض کا علاج کیا ہے؟ اور اس کا طریق کار کیا ہونا چاہیئے؟ مضمون بالا میں ہم نے مختصراً اس پر روشنی ڈالی ہے۔ تھوڑی سی وضاحت کی مزید ضرورت ہے:-

محترم سردار کریم بخش صاحب حیدری نے "غیبت کبریٰ" کے دوران میں توقیعات مقدسہ کی روشنی میں (رضا کار ۲۰ر ستمبر ۱۹۵۵ء میں) یہی حل تجویز فرمایا ہے کہ "نجف اشرف یا کربلا معلی میں تمام عالم اسلام کے شیعی علماء کرام جمع ہو کر نائب امام کے وجود کو تسلیم کریں۔ اور ادارۂ اجتہاد کی تشکیل جدید کریں۔ کیونکہ توقیعات مقدسہ کی رو سے غیبت کبریٰ میں فقہی مسائل اور مخصوص دینی اور شرعی امور کے علاوہ عام واقعات اور حالات میں بھی ایک مرکزی ادارۂ اجتہاد کے قیام اور اس کے افادہ عام کی طرف عوام کو ایک دعوت عام دی گئی ہے۔ اور ادارہ کے صدر، سربراہ، نائب امام اور مجتہد اعظم یا سربراہ کے وجود کو حجت قرار دیا گیا ہے۔"

توقیعات مقدسہ و اقوال معصومینؑ سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے۔ وہ محترم سردار صاحب کی ذاتی رائے پر مبنی ہے۔ اور اجتماعی امور میں ذاتی رائے ہمارے دین و مسلک کے خلاف ہے۔ لہٰذا توقیعات مقدسہ کی

تشریح غیبتِ امام کے دوران میں خود نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کا صرف وہی مطلب لینا چاہیئے جو کہ
اس کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔ یا اقوالِ معصومینؑ میں اُن الفاظ کی جو تشریح موجود ہو۔ صرف اُسے درست
تسلیم کرنا چاہیئے۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام اور توقیع حضرت امامؑ زمانہ کے الفاظ سے وہ نتیجہ نہیں
نکلتا جو محترم حیدری صاحب نے نکالا ہے۔ الفاظ جو محترم حیدری صاحب نے نقل فرمائے ہیں۔ یہ ہیں:-
"جو واقعات تم کو پیش آئیں اُن میں تم اُن لوگوں کیطرف رجوع کرو۔ جو ہماری احادیث کی روایت
کرنے والے ہیں۔ کیونکہ وہ میری طرف سے تمہارے اوپر حجت ہیں اور میں خدا کی طرف سے ان پر حجت ہوں"

اس کی تشریح بیشتر حضرت امام یازدہم (علیہ السلام) کے الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے:۔
"فقہا میں جو شخص ایسا ہو کہ اپنے نفس کا نگران اور اپنے دین کا محافظ۔
خواہشات کی مخالفت اور اپنے مولا کے حکم کی اطاعت کرنیوالا ہو تو عوام
کو چاہیئے کہ اس کی تقلید کریں۔"

ان ہر دو عبارتوں کے کسی لفظ سے بھی یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ایک واحد مرکزی ادارہ اجتہاد قائم
کیا جائے۔ اور تمام علماء مل کر ایک صدر چنیں جو تمام قوم کا سربراہ ہو۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ جس کسی میں یہ تمام
صفات پائی جائیں۔ اُس کی تقلید ہو سکتی ہے۔ مگر شرط یہ کہ وہ صفات اس میں موجود ہوں۔ اور چونکہ
مذہباً یہ صفات پیدا کرنے کی ہر فرد کو اجازت ہے۔ لہذا ایک وقت میں کئی کئی آدمی ان صفات سے متصف
ہو سکتے ہیں۔ اور ایسا ہر فرد قابلِ تقلید ہے۔ بلکہ صحیح اسلامی اصول کی رو سے تو اگر خود کسی آدمی میں ایسی
صفات موجود ہوں یا پیدا ہو جائیں تو اس کے لیے کسی دوسرے کی تقلید کرنا ضروری نہیں۔ ظاہر ہے کہ
علماء معصوم نہیں۔ لہذا کسی کو اپنا سربراہ یا صدر یا نائب امام تسلیم کرنے میں اگر اختلاف پیدا ہو گیا۔ تو اس کو
کیونکر رفع کیا جائے گا۔ اس صورت میں غیر شرعی یعنی جمہوری ڈگر پر چلنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔
اور اس کے نتائج جو نکلیں گے ان کا اندازہ حالات دنیا جو جمہوریت سے پیدا ہو گئے ہیں۔ ان سے آسانی سے
لگایا جا سکتا ہے۔ ہماری مرکزیت امامؑ کے سوا اور کوئی نہیں۔ یہ مرکزیت ہر مومن کے دل و دماغ پر مسلط
ہے۔ امام کو ہر حالت میں اپنے اعمال و اقوال اور نیت تک کا محاسب سمجھتے ہیں۔ یہی تو ہمارے مسلک
کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ کہ کسی عالم کو اپنا امام نہیں بنایا گیا۔ (علماء کا) [illegible] مرکز پر جمع ہو کر ملت کی گروہ بندی
اور ہمارے دین کا لائحہ سوچنا اور قرآن اور اقوال معصومینؑ کی روشنی میں نسخہ تجویز کرنا نہایت ہی پسندیدہ اور
قرین عقل تجویز ہے۔ اور یہی توقیعات آئمہؑ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ "اُن لوگوں کی طرف رجوع کرو
جو ہماری احادیث کی روایت کرنیوالے ہیں۔" یعنی حجت صرف احادیث معصومینؑ ہی ہیں
بشرطیکہ یہ بیانات ایسے لوگوں کی زبانی سُنے جائیں جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرمودات کی
روشنی میں پورے اترتے ہوں۔ جو اوپر درج ہے۔ اس اہم اور جائز تجویز کو ایسی صورت ہی میں [illegible]

لایا جا سکتا ہے۔ کہ اول تمام پارٹیوں۔ انجمنوں یا اداروں وغیرہ وغیرہ کو ختم کر کے صرف ایک ادارہ قائم کیا جائے۔ اور ہر فرد قوم کو اس ایک ادارہ کا رکن گردانا جائے۔ بلکہ ہر ایک کیلئے اس کا رکن بننا لازمی قرار دیا جائے۔ دوم تمام قومی اخبارات ایک محاذ پر اکٹھے ہو جائیں اور اپنی مشترکہ پالیسی بنا کر اس تجویز کو بروئے کار لانے کیلئے مشترکہ فارمولا تیار کریں۔ اور مشترکہ فنڈ قائم کر کے اپنی کوشش تیز تر کر دیں۔ تاکہ صحیح دستور اسلام پر گامزن ہونے کیلئے میدان بھی ہموار ہو سکے۔ تمام قومی اخبارات کے مشترکہ سرمایہ سے بیسوں مفید اور موثر امور سر انجام ہو سکتے ہیں۔ اور روزنامہ اخبارات بھی نکل سکتے ہیں جن کی خریداری جماعت کے ہر صاحب استطاعت رکن کے لئے ضروری ہو۔

ان تمام امور کا اقوالِ معصومین کی بنیادوں پر سر انجام دیا جانا بالکل ممکن ہے۔ اور یہ تجویز (یعنی تمام اداروں کی اور تمام اخبارات کی ایکائی) ہم نے اپنی رائے سے پیش نہیں کی بلکہ قرآنی اصول:-

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

کی روشنی میں امر اللہ کے ماتحت ہے۔ اور ہر مسلم کے لئے قابل تسلیم!

حکومت کی مساعی اتحاد معارف اسلام کی تائید

اور ایک نئے فتنہ کا آغاز!

(فاران کا متوقع خلافت نمبر)

اس وقت جب کہ مملکت کی سالمیت کو برقرار رکھنے اور ملک کو بام عروج پر پہنچانے کے پیش نظر باشندگان پاکستان میں اتفاق و اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔ فرقہ وارانہ تنازعات و مسائل کو ہوا دینا زہر قاتل کے مترادف اور مملکت کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے برابر ہے۔ "معارف اسلام" کی پالیسی شروع ہی سے یہی رہی ہے۔ کہ تمام اسلامی فرقوں کو رواداری سے کام لیکر ایک دوسرے کے عقائد و اعمال کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ گورنمنٹ عالیہ نے گذشتہ محرم کے موقعہ پر شیعہ سنی علمائے کرام کو ایک مقام پر مجتمع کر کے مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کا اعلان کرایا جس سے معارف اسلام کے مسلک کی پر زور تائید ہوئی ــ "معارف اسلام کی یہ بہت بڑی کامیابی ہے" ثابت ہوا کہ معارف اسلام کی پالیسی درست ہے۔ کیونکہ یہ بے لوث تعلیمات اسلام پھیلا رہا ہے۔ نہ یہ اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے۔ نہ یہ کسی سے کسی قسم کا کوئی ذاتی فائدہ اٹھانا چاہتا۔ــ گورنمنٹ عالیہ نے بھی اس بات کو محسوس کیا کہ سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ مسلم علماء سے اتفاق و اتحاد کی اپیل کرائی جائے۔ اس ضمن میں اخبارات و رسائل بھی چونکہ ایک بڑے ہتھیار کا کام دیتے ہیں۔ لہٰذا گورنمنٹ نے دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ اخبارات و رسائل کی ایک مشاورتی کمیٹی بنائی گئی۔ جس میں سنی و شیعہ

اخبارات کے نمائندے شامل ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف مضامین کی روک تھام کیلئے گورنمنٹ کو مشورہ دیں گے۔ اس کمیٹی کی تشکیل جناب ڈائریکٹر صاحب تعلقات عامہ کے زیر صدارت ہو چکی ہے۔ ادارہ معارف اسلام اس کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہے۔

ایک طرف تو گورنمنٹ ملک کی ترقی کی خاطر اتفاق و اتحاد کیلئے کوشاں ہے۔ دوسری طرف کراچی میں ماہنامہ "فاران" فرقہ وارانہ متنازعہ مسائل کو زیادہ ہوا دینے کی تیاری کر رہا ہے اور "خلافت نمبر" نکالنے میں ہمہ تن مشغول ہے۔

مسئلہ خلافت مسلمانوں میں سب سے زیادہ متنازعہ مسئلہ ہے۔ اور بقول علامہ عبد الکریم شہرستانی (مندرجہ کتاب الملل والنحل) مسلمانوں میں جتنی تلوار مسئلہ خلافت پر چلی ہے، اور کسی مسئلہ پر نہیں چلی۔ کیا محترم ماہر القادری (ایڈیٹر فاران) "خلافت نمبر" نکال کر پھر اس مسئلہ خلافت میں مسلمانوں میں دوبارہ تلوار چلانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دماغوں کو ہوش عطا فرمائے اور صحیح راہ پر چلنے کی توفیق دے۔ جب صدیوں سے یہ اس تنازعہ میں الجھے ہوئے ہیں! اور اس اختلافِ عظیم کو ختم نہیں کر سکتے تو آج "خلافت نمبر" نکال کر کونسی خدمتِ دینِ اسلام کی جا رہی ہے۔ اصحابِ اخیارِ رسول اکرم کی عزت تکریم اپنے اپنے مقام پر برقرار ہے۔ مگر مسئلہ خلافت کو چھیڑنے سے تنازعہ پسند طبیعتوں کو ذائقہ تو ہم پہنچایا جا سکتا ہے۔ مگر اس کا نتیجہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے سراسر خلاف ہوگا۔ اگر ان کے مخالف جماعت یعنی شیعہ مسلمان بھی خلافت نمبر کے جواب میں اتر آئیں۔ تو جواب الجواب کا سلسلہ مسلمانوں اور ملک کے نقصان پر ختم ہوگا۔

ہمارا خیال تھا کہ محترم ماہر القادری اپنی اس ضعیفی کی عمر میں جبکہ آخرت نزدیک ہوتی جا رہی ہے مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کر کے رسول اللہ صلعم کے سامنے سرخرو ہونگے۔ مگر ان کے خلافت نمبر نکالنے سے تو مسلمانوں میں تنازعہ بڑھے گا۔ رسول اللہ (ص) خوش نہ ہونگے۔ ہمارا کام گورنمنٹ اور ایڈیٹر فاران کو آگاہ کرنا تھا اب وہ جانیں اور ان کا کام۔

ویخلق ما لا تعلمون

آسٹریلیا میں عجیب و غریب مخلوق کا ظہور

سڈنی ۳۰ ستمبر۔ نیو ساؤتھ ویلز میں گنڈاوال کے مقام پر ایک کاشتکار مسٹر اوڈیل نے اطلاع دی ہے۔ کہ اس نے اپنی زمین کے نزدیک ایک دلدلی جزیرہ میں ایک عجیب دیکھا۔ جو سکاٹ لینڈ کے لاخ نیس اور ہمالیہ کے برفانی بن مانس کے روایتی تصور سے ملتا جلتا ہے۔

مسٹر اوڈیل نے بتایا ہے۔ کہ یہ ایک بہت بڑی سی کالی چیز ہے جس کی آنکھوں میں بلا کی چمک ہے۔

اس بن مانس کے متعلق خبر سنتے ہی اخباری نمائندے وہاں پہنچ گئے۔ جنہیں مسٹر اوڈیل نے ٹرے جذباتی انداز میں بتایا کہ یہ چیز بس کسی شخص کی منتظر ہے۔ کہ وہ آئے اور اسے پکڑلے۔ ہم کچھ لوگ اس موقع پر وہاں موجود تھے۔ ہم سب نے اسے دیکھا۔ یہ پانی سے باہر آئی۔ کچھ دیر باہر گھومی اور پھر غوطہ مار کر تہہ میں چلی گئی۔ اس کی قدوقامت کا اندازہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ مگر میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک گائے کے برابر تھی۔

آسٹریلیا کا یہ بن مانس جسے وہاں پر بنیپ کہتے ہیں۔ گذشتہ ایک سو سال سے آسٹریلوی باشندوں کو نظر آ رہا ہے۔ جس شخص نے اسے دیکھا اس نے اس کے بارے میں مختلف بیان دیا۔ ابھی تک اس کی تصویر نہیں اتاری جا سکی۔ آسٹریلیا میں تہذیب کے ابتدائی ایام سے لیکر اب تک اس کی موجودگی کے بارے میں اطلاعات ملتی رہی ہیں۔ اور ان اطلاعات کی بنا پر آسٹریلیا کے اصلی باشندوں میں اس کا تصور بڑا رعایتی اور داستانی رنگ اختیار کر گیا ہے۔

بعض اطلاعات میں بنیپ کو آدھا آدمی اور آدھا مچھلی کہا گیا ہے۔ بعض اطلاعات میں اسے ایک بیل کے برابر بتایا گیا ہے۔ اور بعض اوقات اس کا قدوقامت بلی کے برابر بتایا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کی آواز انسانی آواز سے ملتی ہے۔ بعض کا دعویٰ ہے۔ کہ اس کی آواز بھاپ سے چلنے والے انجن کی سخت گڑگڑاہٹ سے ملتی جلتی ہے۔ مسٹر ڈیل نے بتایا کہ انہوں نے جو بنیپ دیکھا ہے۔ اس نے کوئی آواز نہیں نکالی۔

مسٹر ڈیل سے پوچھا گیا کہ اگر وہ اس جانور کو پکڑ لیں۔ تو کیا وہ اسے چڑیا گھر میں بھیجیں گے۔ اس کے جواب میں اس نے سر ہلایا اور کہا "اگر میں ایسا کروں گا۔ تو غالباً مجھ پر کوئی غیبی مصیبت آپڑے گی"۔ (انشارہ)

قدرتی حمل

"ویسٹرن نیوز سروس" نے اخبار "نیویارک ٹائمز۔ امریکہ" کے حوالے سے اس کے نامہ نگار مقیم لندن کی ارسال کردہ مندرجہ ذیل خبر شائع کی ہے:۔

"انگلستان میں ایک راہبہ عورت کوئی ۴۶ برس کی ہے۔ جس نے مذہبی تبلیغی معاہدہ کے پیشِ نظر تمام عمر شادی نہیں کی ہے۔ اب کی جنوری میں اس کو حمل کے آثار نمایاں ہوئے۔ جس پر متعلقہ چرچ کی کرسچن سوسائٹی کو تشویش لاحق ہوئی۔ اور اس نے لاٹ پادری کو رپورٹ بھیج دی۔ جس نے مذکورہ عورت کے طبی معائنہ کا حکم صادر کیا۔ چنانچہ لندن کا پانچ سرکاری ڈاکٹروں کے بورڈ نے معائنہ کے بعد اپنی تشخیصی رپورٹ میں بتایا ہے۔ کہ راہبہ موصوفہ کو قدرتی حمل ہوا ہے۔ اور کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔ ڈاکٹری رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ شاذونادر عورت کے جنسی اعضاء میں اس قسم کے تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ کہ بغیر مرد کے حمل قرار پا سکتا ہے۔"

(ویسٹرن نیوز سروس)

ابھی حال ہی میں ڈاکٹروں نے اپنی کئی سالہ تحقیقاتی رپورٹ کا نچوڑ شائع کیا تھا۔ کہ کنواریاں

بھی بغیر مرد سے جنسی تعلقات کئے ہوئے بچے پیدا کر سکتی ہیں۔ نیویارک ٹائمز امریکہ کا واقعہ بالا ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہے۔ جو حضرت عیسٰے علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کے منکر ہیں۔ کیا اب بھی وہ اپنے انکار پر قائم رہیں گے۔؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین O

مچھلی نما عورتیں اور مرد!

قطب جنوبی کے سفر میں مشہور سیاح ہنری ہڈسن کے دو ملاحوں تھامس ہل اور رابرٹ نے بتایا کہ انہوں نے گردا دو میلا میں مچھلی نما عورت کو تیرتے دیکھا انہوں نے تفصیلاً بتاتے ہوئے کہا کہ اس کا بالائی حصہ نوجوان لڑکیوں جیسا اور نچلا حصہ مچھلی نما تھا۔

جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ آیا وہ مچھلی نما عورت حسین بھی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ یہی امر تو ہماری زیادہ حیرانی کا باعث تھا۔ یقین کیجئے کہ اس سے زیادہ حسین عورت ہم نے آج تک نہیں دیکھی۔ سیاہ دراز لمبے بال۔ کھلتا ہوا رنگ اور صحت مند جسم دیکھ کر ہم بے حد متعجب ہوئے۔ وہ ہماری طرف دیکھ کر ایک عجیب دلکش انداز سے مسکرائی اور پھر پانی کی تہہ میں گم ہو گئی۔

کیا اس عورت کے جسم پر کوئی لباس بھی تھا؟" ایک آدمی نے سوال کیا۔ رابرٹ نے جواب دیا" یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میرے دوست پانی میں رہنے والی مخلوق کے جسم پر کسی پوشش کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔" رابرٹ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا" ہم نے سوچا کہ اگر وہ دوبارہ سطح آب پر نمودار ہو تو اسے پکڑ لینا چاہئے۔ لیکن ہماری بدقسمتی کہ وہ دوبارہ دکھائی نہ دی۔"

ان ملاحوں کے بیانات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم ایسی کئی اور باتوں کو بھی زیر بحث لائیں گے۔ ایک ہزار قبل از مسیح کے لوگ ایسی مخلوقات پر یقین رکھتے تھے۔ ہو سکتا ہے۔ یہ خیال ایک ہزار قبل از مسیح سے بہت قبل کے انسانوں کا بھی ہو۔ اور وہی حال سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا ہو۔ ایسی مخلوق کا ذکر سب سے پہلے اوڈیسی ٹس نے کیا۔ اوڈیسی ٹس مشہور یونانی سیاح تھا جس نے اپنے سفرنامہ میں اور بھی کئی دلچسپ اور عجیب اتفاقات کا ذکر کیا ہے۔

اوڈیسس کے بعد میں کئی اور لوگوں نے بھی ایسی عورتوں کا ذکر کیا ہے۔

ایسی عورتوں کے متعلق مشہور داستان گو فزگوالسی کی کہانیاں بہت مشہور ہیں۔ یہ داستان گو اٹھارویں صدی عیسوی میں ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی ایک کہانی سمندری ہیومی میں ایسی ہی ایک عورت کا ذکر کیا ہے۔ اس عورت کی شکل و شباہت کے بارے میں اس نے

لکھتا ہے کہ اس کا اوپر کا حصہ خوبصورت عورت جیسا اور دھڑ مچھلی نما تھا۔ اور خاصی لمبی دم بھی تھی۔
آثارِ قدیمہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جب ایک عورت کو پکڑا گیا۔ تو چھ دن بعد وہ مر گئی۔ ایسی عورت
کی تصویر جارج سوم آف برطانیہ نے بھی دیکھی تھی۔
انڈونیشیا کے ساحل امپومینا کے متعلق مشہور ہے۔ کہ یہاں کئی لوگوں نے مچھلی نما عورتوں کو دیکھا ہے۔
[illegible]ء میں دو سکاٹش باشندوں نے انکشاف کیا جب وہ ساحل سمندر پر کھڑے تھے۔ تو انہوں
نے دو مچھلی نما عورتوں کو تیرتے دیکھا جن کے بال بجائے سیاہ ہونے کے سبز رنگ کے تھے۔
[illegible]ء میں ایک سکاٹش مدرس نے مشہور اخبار ٹائمز کو ایک خط میں لکھا کہ اس نے ایک نہایت
ہی حسین و جمیل مچھلی نما عورت کو دیکھا جو خلیج کیفنس کے کنارے بیٹھی اپنے سیاہ اور لمبے بالوں میں انگلیاں
پھیر رہی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ انہیں سنوار رہی ہے۔
لیکن اس مدرس نے یہ ذکر نہیں کیا تھا۔ کہ آیا اس عورت کے دم بھی تھی۔ یا نہیں۔ ہوسکتا ہے
اس نے عورت کو سامنے سے دیکھا ہو۔ اس سے دم لازمی پیچھے کو ہوگی۔
۱۸۲۲ء میں برطانیہ کی مشہور اخبار لندن لٹریری گزٹ نے ایک خط شائع کیا جس میں فلپ نامی ایک
شخص نے دعویٰ کیا تھا۔ کہ اس نے کیپ ٹاؤن کی نمائش میں مچھلی نما عورت کا مجسمہ دیکھا ہے۔
کہا جاتا ہے۔ کہ ماہی گیروں نے جب ایسی مچھلی نما عورت کو دیکھا تو بڑی کوششوں سے اسے جال
میں پھنسا لیا۔ مگر جب پانی سے باہر نکالا گیا۔ تو وہ چند گھنٹے بعد مر گئی۔
چنانچہ یہ مردہ مچھلی نما عورت شہر باٹیویا میں لائی گئی۔ جہاں اسے ایڈلیس نامی ایک بحری کپتان نے
پانچ ہزار ڈالر کے عوض خرید لیا۔ کپتان ایڈلیس اس حنوط شدہ لاش کو لیکر انگلینڈ پہنچا یہاں پہنچکر اسنے
سر ایورڈ ہوم پریذیڈنٹ اور رائل کالج آف سرجن سے درخواست کی کہ اس لاش کا معائنہ کیا جائے
کیمیائی معائنہ کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ مشہور سرجن ولیم کلف نے اس لاش کا معائنہ کیا۔ کہ یہ
جسم کسی سمندری مچھلی نما عورت کا نہیں ہے۔ بلکہ کپتان ایڈلیس کو دھوکا دیا گیا ہے۔ دراصل یہ جسم بڑی
چالاکی اور احتیاط سے خود تیار کیا گیا ہے۔
کیپٹن ایڈلیس کو اپنی رقم کے ضائع ہونے کا کچھ زیادہ افسوس نہ ہوا۔ اس نے اس عورت کی خود
ساختہ لاش کو ایک کمرے میں رکھ کر اس کی نمائش پر ٹکٹ لگا دیا۔
دیکھنے کے لئے لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے۔ چند سال بعد جاپانیوں نے مچھلی نما عورتوں کے مجسمے
بنانا شروع کر دیئے۔ لیکن جو بھی ان مجسموں کو دیکھتا ہی سمجھتا کہ یہ سچ مچ کی لاشیں ہیں۔

مچھلی نما مرد

مچھلی نما عورتوں کے ساتھ ساتھ مچھلی نما مرد کی موجودگی کا ثبوت بھی ملتا ہے
ہنری دوم کے عہد میں ایک ماہی گیر نے مچھلی نما مرد کو پکڑا۔ اس مرد کے

جسم پر لمبے لمبے اور گھنے بال تھے۔ اُسے قلعہ آکسفورڈ کے ایک تالاب میں چھوڑ دیا گیا، تو پھر ایک نئی قریبی بند
میں چھوڑا گیا۔ اور گرد کئی ماہی گیر اور دوسرے پہرے دار تعینات کر دیئے گئے۔ لیکن وہ مچھلی نما مرد ایک
ہی غوطے میں نجانے کہاں جا پہنچا۔ اور لوگ حیران ہو کر خالی ہاتھ لوٹ آئے۔

۱۸۴۰ء میں تھو بونڈ سٹریٹ میں نمائش ہوئی تو وہاں ایک عجیب انسان دیکھا گیا۔ اس مرد کی عمر ۳۶
برس تھی۔ اس کا نام جیم برٹ تھا۔ گردن سے پاؤں تک اس کا تمام جسم چھوٹے چھوٹے کانٹوں سے بھرا ہوا
تھا۔ یہ آدمی سفورک میں ایک انسانی گھرانے کی پیدائش تھی۔

ایسی ہی ایک اور عجیب پیدائش ۱۹۰۰ء میں اٹلی میں ہوئی — یہ ایک لڑکا تھا جس کا دھڑ مچھلی
اور بالائی حصہ انسانی تھا کہا جاتا ہے۔ کہ یہ لڑکا انتہائی خوبصورت تھا لیکن اس کے جسم پر گردن سے پاؤں
تک چھوٹے چھوٹے نوکیلے کانٹے تھے۔ جب انہیں اکھاڑ لیا جاتا تو وہاں اور اُگ آتے تھے۔ لیکن جوں
جوں وہ لڑکا بڑھتا گیا۔ اس کے جسم پر کانٹے کم ہوتے گئے۔ والدین نے لڑکے کو تعلیم دلوائی اور وہ اپنے
وقت کا ذہین ترین مدبر تسلیم کیا جانے لگا۔ اور اس نے انگلینڈ اور فرانس کا سفر بھی کیا ان کا ملک میں پرتپاک
خیر مقدم کیا گیا۔ اور اسے شاہی مہمان کے منصب سے نوازا گیا۔

یہ واقعات ہمیں یہ ماننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کہ سمندر میں مچھلی نما مردوں کی موجود ممکنات میں
سے ہے۔ لیکن قطب جنوبی کے سفر سے آنے والے لوگوں کے بیانات محض حسین مذاق معلوم ہوتے اس لئے
مچھلی نما عورت کا موجود ہونا ابھی تک صرف قیاسیات تک ہے البتہ مچھلی نما مردوں کی موجودگی
صداقت کو پہنچ گئی ہے۔

بقیہ صفحہ ۳۸

دشمنوں نے آپ کو یہاں آنے کی دعوت دی ہے اگر انہوں نے آپ کے یہاں آنے سے پہلے تمام
داخلی انتشار و فسادات کا خاتمہ کر کے اس معاملے کو یک طرفہ کر دیا ہوتا اور آپ جنگ وغیرہ کے
خدشات سے بے نیاز ہو کر کوفے جاتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا لیکن موجودہ صورت میں جیسی کہ آپ نے بیان
فرمائی ہے میں آپ کے وہاں جانے میں ہرگز صلاح نہیں دیکھتا۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ یہ معاملہ مجھ پر مخفی
نہیں ہے۔ لیکن امر خداوندی نے پورا ہونا ہے اور کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔

(پس معلوم ہوا کہ امام علیم ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ اگر امام حسینؑ کی بجائے کوئی غیر معصوم
امام ہوتا تو پہلے ہی مرحلے میں اس کے پاؤں ڈگمگا جاتے اور وہ تنعیم سے ہی واپس چلا جاتا۔ مگر معصوم کی
عجب شان ہوتی ہے وہ موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ کلمۂ وجودیۂ الٰہیہ ہے اور کلمۂ الٰہیہ کے لئے
فنا و موت نہیں۔ موت عالم خلقی و عنصری کے لئے ہے کلمۂ وجودیہ الٰہیہ شعاعِ آفتاب سرمدی ہے
جو قائم و دائم ہے۔ مگر یہ ایک علیحدہ مضمون ہے جو میرے موضوع سے خارج ہے۔) (باقی آئندہ)

معیارِ قیادت اور تلقین نظم و ضبط و اطاعت

(بزبان امیر المومنین علیہ الصلوۃ والسلام)

أَمِينُ وَحْيِهِ، وَخَاتَمُ رُسُلِهِ، وَبَشِيرُ رَحْمَتِهِ، وَنَذِيرُ نِقْمَتِهِ۔

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ أَحَقَّ النَّاسِ بِهٰذَا الْأَمْرِ أَقْوَاهُمْ عَلَيْهِ، وَأَعْلَمُهُمْ بِأَمْرِ اللهِ فِيهِ۔ فَإِنْ شَغَبَ شَاغِبٌ اسْتُعْتِبَ فَإِنْ أَبَى قُوتِلَ۔ وَلَعَمْرِي لَئِنْ كَانَتِ الْإِمَامَةُ لَا تَنْعَقِدُ حَتَّى يَحْضُرَهَا عَامَّةُ النَّاسِ فَمَا إِلَى ذٰلِكَ سَبِيلٌ، وَلٰكِنْ أَهْلُهَا يَحْكُمُونَ عَلَى مَنْ غَابَ عَنْهَا ثُمَّ لَيْسَ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَرْجِعَ وَلَا لِلْغَائِبِ أَنْ يَخْتَارَ۔ أَلَا وَإِنِّي أُقَاتِلُ رَجُلَيْنِ رَجُلًا ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ، وَآخَرَ مَنَعَ الَّذِي عَلَيْهِ۔ أُوصِيكُمْ عِبَادَ اللهِ بِتَقْوَى اللهِ فَإِنَّهَا خَيْرُ مَا تَوَاصَى الْعِبَادُ بِهِ وَخَيْرُ عَوَاقِبِ الْأُمُورِ عِنْدَ اللهِ۔ وَقَدْ فُتِحَ بَابُ الْحَرْبِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ أَهْلِ الْقِبْلَةِ، وَلَا يَحْمِلُ هٰذَا الْعَلَمَ إِلَّا أَهْلُ الْبَصَرِ وَالصَّبْرِ وَالْعِلْمِ بِمَوَاضِعِ الْحَقِّ فَامْضُوا

وہ پیغمبر اللہ کے امانت دار، اس کے رسولوں کی آخری فرد، اس کی رحمت کا مژدہ سنانے والے اور اس کے عذاب سے ڈرانے والے تھے۔

اے لوگو! تمام لوگوں میں اس امر (قیادت) کا اہل وہ ہے جو اس (کے نظم و نسق کے برقرار رکھنے) کی سب سے زیادہ قوت (وصلاحیت) رکھتا ہو۔ اور اس کے بارے میں اللہ کے احکام کو سب سے زائد جانتا ہو۔ اس صورت میں اگر کوئی فتنہ پرداز فتنہ کھڑا کرے۔ تو (پہلے) اسے توبہ و بازگشت کیلئے کہا جائیگا اگر وہ انکار کرے تو اس سے جنگ و جدال کیا جائیگا۔ اپنی جان کی قسم! اگر وہ انعقاد تمام افراد امت کے ایک جگہ اکٹھا ہونے سے ہو تو اس کی کوئی سبیل ہی نہیں بلکہ (اس کی صورت تو انہوں نے یہ رکھی تھی کہ) اس کے کرتا دھرتا لوگ اپنے فیصلہ کا ان لوگوں کو بھی پابند بنائینگے۔ جو (بیعت کے وقت) موجود نہ ہوں گے پھر موجود کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ (بیعت سے) انحراف کرے اور نہ غیر موجود کو یہ حق ہوگا کہ وہ کسی اور کو منتخب کرے۔ دیکھو! میں دو شخصوں سے ضرور جنگ کرونگا ایک وہ جو ایسی چیز کا دعوی کرے۔ جو اس کی نہ ہو۔ اور دوسرا وہ جو اپنے معاہدہ کا پابند نہ رہے۔

(اسی خطبہ کا ایک جز یہ ہے) اے اللہ کے بندو! میں تمہیں تقوی و پرہیزگاری کی ہدایت کرتا ہوں۔ کیونکہ بندے جن چیزوں کی ایک دوسرے کو ہدایت کرتے ہیں ان میں تقوی سب سے بہتر اور اللہ کے نزدیک تمام چیزوں کے نتائج سے بہتر ہے

بِمَا تُؤْمَرُونَ بِهِ، وَقِفُوا عِنْدَ مَا
تُنْهَوْنَ عَنْهُ. وَلَا تَعْجَلُوا فِي
أَمْرٍ حَتَّى تَتَبَيَّنُوا فَإِنَّ لَنَا
مَعَ كُلِّ أَمْرٍ تُنْكِرُونَهُ غِيَرًا.
أَلَا وَإِنَّ هَذِهِ الدُّنْيَا الَّتِي أَصْبَحْتُمْ
تَتَمَنَّوْنَهَا وَتَرْغَبُونَ فِيهَا، وَأَصْبَحَتْ
تُغْضِبُكُمْ وَتُرْضِيكُمْ لَيْسَتْ بِدَارِكُمْ
وَلَا مَنْزِلِكُمُ الَّذِي خُلِقْتُمْ لَهُ وَلَا
الَّذِي دُعِيتُمْ إِلَيْهِ. أَلَا وَإِنَّهَا
لَيْسَتْ بِدَارِكُمْ وَلَا مَنْزِلِكُمُ
الَّذِي خُلِقْتُمْ لَهُ وَلَا الَّذِي دُعِيتُمْ
إِلَيْهِ. أَلَا وَإِنَّهَا لَيْسَتْ بِبَاقِيَةٍ
لَكُمْ وَلَا تَبْقَوْنَ عَلَيْهَا. وَهِيَ وَإِنْ
غَرَّتْكُمْ مِنْهَا فَقَدْ حَذَّرَتْكُمْ شَرَّهَا
فَدَعُوا غُرُورَهَا لِتَحْذِيرِهَا، وَ
إِطْمَاعَهَا لِتَخْوِيفِهَا. وَسَابِقُوا فِيهَا
إِلَى الدَّارِ الَّتِي دُعِيتُمْ إِلَيْهَا
وَانْصَرِفُوا بِقُلُوبِكُمْ عَنْهَا. وَلَا
يَخِنَّنَّ أَحَدُكُمْ خَنِينَ الْأَمَةِ عَلَى
مَا زُوِيَ عَنْهُ مِنْهَا. وَاسْتَتِمُّوا نِعْمَةَ
اللهِ عَلَيْكُمْ بِالصَّبْرِ عَلَى طَاعَةِ اللهِ وَالْمُحَافَظَةِ
عَلَى مَا اسْتَحْفَظَكُمْ مِنْ كِتَابِهِ. أَلَا وَإِنَّهُ
لَا يَضُرُّكُمْ تَضْيِيعُ شَيْءٍ مِنْ دُنْيَاكُمْ بَعْدَ
حِفْظِكُمْ قَائِمَةَ دِينِكُمْ. أَلَا وَإِنَّهُ لَا
يَنْفَعُكُمْ بَعْدَ تَضْيِيعِ دِينِكُمْ شَيْءٌ حَافَظْتُمْ
عَلَيْهِ مِنْ أَمْرِ دُنْيَاكُمْ. أَخَذَ اللهُ
بِقُلُوبِنَا وَقُلُوبِكُمْ إِلَى الْحَقِّ وَأَلْهَمَنَا
وَإِيَّاكُمُ الصَّبْرَ. (نہج البلاغہ)

تمہارے اور دوسرے اہلِ قبلہ کے درمیان جنگ کا دروازہ کھل گیا ہے اور اس جنگ کے جھنڈے کو وہی اٹھائے گا جو نظر رکھنے والا (مصیبتوں پر) صبر کرنے والا اور حق کے مقامات کو پہچاننے والا ہو۔ تمہیں جو حکم دیا جائے اس پر عمل کرو اور جس چیز سے روکا جائے اس سے باز رہو۔ اور کسی بات میں جلدی نہ کرو جب تک اُسے خوب سوچ سمجھ نہ لو۔ ہمیں اِن اُمور میں کہ جن پر تم ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہو غیر معمولی انقلابات کا اندیشہ رہتا ہے۔ دیکھو! یہ دُنیا جس کی تم تمنا کرتے ہو اور جس کی جانب خواہش و رغبت سے بڑھتے ہو جو کبھی تم کو خشمناک بنا دیتی ہے اور کبھی تمہیں خوش کر دیتی ہے۔ تمہارا اصلی گھر نہیں ہے اور نہ وُہ منزل ہے جس کے لئے تم پیدا کئے گئے ہو۔ اور نہ وُہ جگہ ہے جس کی طرف تمہیں دعوت دی گئی ہے۔ دیکھو! یہ تمہارے ساتھ باقی رہنے والی نہیں۔ اور نہ تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو اگر اس نے تمہیں (اپنی آرائشوں سے) فریب دیا ہے تو اپنی بُرائیوں سے خوف بھی دلایا ہے لہٰذا تم اُس کے ڈرانے سے متاثر ہو کر اس سے فریب نہ کھاؤ۔ اور اس کے خوفزدہ کرنے کی بناء پر اس کے طمع دلانے میں نہ آؤ۔ اس گھر کی طرف بڑھو جس کی دعوت دی گئی ہے اور اس دُنیا سے اپنے دلوں کو موڑ لو۔ تم میں سے کوئی شخص دُنیا کی کسی چیز کے روک لئے جانے پر لونڈیوں کی طرح رونے نہ بیٹھ جائے۔ اطاعت خدا پر صبر کر کے اور جن چیزوں کو اس نے اپنی کتاب میں تم سے حفاظت چاہی ہے۔ ان کی حفاظت کر کے اس سے نعمتوں کی تکمیل چاہو۔ دیکھو! اگر تم نے دین کے اصول محفوظ رکھے تو پھر دُنیا کی کسی چیز کا کھو دینا تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور دین کو ضائع و برباد کرنے کے بعد تمہیں دُنیا کی کوئی ایسی چیز نفع نہ پہنچا سکے گی جسے تم نے محفوظ رکھا ہو۔ خداوند عالم ہمارے اور تمہارے دلوں کو حق کی طرف متوجہ کرے اور ہمیں اور تمہیں صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سالانہ رپورٹ منجانب مدیر ادارہ

جو مدیر ادارہ نے اراکین ادارۂ معارف اسلام (رجسٹرڈ) کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۸ء بروز اتوار (بوقت دس بجے صبح) بمقام حسینیہ ہال - اندرون موچی گیٹ لاہور میں پیش کی اور پڑھ کر سنائی:-

---

ادارہ کے اغراض و مقاصد کے حصول کیلئے سال گذشتہ میں جو کچھ کیا گیا وہ معرض خدمت ہے ادارہ کے مالیات کے سلسلہ میں محترم مدیر مالیات بعد ازیں علیحدہ رپورٹ پیش فرمائینگے۔

(۱) ادارہ کا لٹریچر:- سال گذشتہ میں مندرجہ ذیل کتب و رسائل شائع کئے گئے۔

(۱) عقائدِ اسلام بہ تعلیمات اہلبیت علیہم السلام = ۱۳۲ صفحات
(۲) تحقیق حدیث انا مدینۃ العلم و علیٌ بابہا = ۹۶ صفحات
(۳) اسلام معاشرہ اور تعلیمات محمد و آل محمد = ۱۱۲ صفحات
(۴) عہدناموں کی تعلیمات = ۸۲ صفحات
(۵) جمہوریت اور امامت (جو بالاقساط شائع ہورہی ہے) = ۹۲ صفحات

پہلی تینوں کتابوں کی قیمت -/۲/۳ روپے ہے۔ اور ماہنامہ کی قیمت -/۸/۱ روپیہ گویا کہ ایک سال میں سات روپے دو آنے کا لٹریچر ہر ممبر کو مفت دیا گیا۔ اور لائبریریوں و ریڈنگ روموں وغیرہ میں علیحدہ "عہدناموں کی تعلیمات" عیسائیت کی موجودہ رَو کو روکنے کے لئے شائع ہوئی۔ اور "جمہوریت اور امامت" جو موجودہ دنیا کے فسق و فجور اور غلط حکومتوں کے دستور کے متعلق شائع ہو رہا ہے۔ یہ ہر دو کتب ماہنامہ معارف اسلام کے ساتھ بالاقساط شائع ہوئیں۔ لہذا ان کی علیحدہ قیمت نہیں لگائی گئی۔

مندرجہ بالا ہر پنج کتب کی ضخامت پر غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ اگر اپنی کتب ورسائل کی تعداد بڑھانا ہی ہمارا مقصود ہوتا تو ہم ان تین کتابوں کی بجائے سولہ سولہ صفحات کے بتیس یا بتیس صفحات کے سولہ رسالے شائع کر سکتے تھے۔ مگر ہم نے تو ہمیشہ ضرورتِ وقت اور افادیت کا خیال رکھا ہے۔ عقائد اسلام اور تعلیمات اہلبیت علیہم السلام کی جس قدر اس زمانہ میں ضرورت ہے وہ پہلے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہے۔ عوام کو صحیح عقائد اسلام سے روشناس کرانا وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ تاکہ لادینی کا سیلاب رک سکے۔ کتاب مذکور میں معصومینؑ کے زمانوں کی کیفیتِ مذہب بیان کرنے کے علاوہ خود معصومینؑ کی زندگی اور ان کے فرمودہ عقائد متعلق الٰہیات۔ اسلام۔ نبوت۔ امامت۔ معاد۔ جنت و دوزخ اور علم وعمل کے متعلق بھی درج ہیں اسی طرح حدیث انا مدینۃ العلم ... الآخر کی تحقیق ہے۔ عوام کا کشتی اہلبیتؑ سے رخ پھیرنے کی غرض سے زمانہ میں قسم قسم کے خیالات ایجاد کئے جا رہے ہیں۔ ادارہ معارف اسلام ہر غلط مسئلہ اور نئے نظریئے کا حتی الوسع دفاع کر رہا ہے۔ اسلامی معاشرہ اور تعلیماتِ محمدؐ و آل محمدؐ شائع کرکے ادارہ نے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ شب و روز جو معاشرہ کی درستگی کے نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ ان کے جواب میں صحیح اسلامی معاشرہ پیش کرکے ادارہ نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اس کتاب میں اقوال معصومینؑ سے مومنین ومسلمین کے تعلقات و امداد باہمی کے اصول زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق علیحدہ علیحدہ جمع کئے گئے ہیں۔ ان ہر سہ کتب کی کافی تعداد مفت تقسیم ہوئی ہے۔ اور اراکین ادارہ کے علاوہ بھی بعض چیدہ چیدہ مقامات مثلاً لائبریریوں وغیرہ میں بھی تقسیم کی گئی ہے۔

(۴) کتاب مواعظ حسنہ:۔ علامہ شیخ عبدالعلی الہروی اعلی اللہ مقامہ کے مواعظ کا مجموعہ مدت سے مارکیٹ میں ختم تھا۔ اور اس کے بغیر طالبانِ علم بڑی تشنگی محسوس کر رہے تھے۔ گو اس کتاب پر بطور ناشر ابن حسن جگڈپو کا نام درج ہے۔ اور "ادارہ معارف اسلام" کے لئے "حسب فرمائش" کے الفاظ موجود ہیں۔ مگر فی الحقیقت اگر ادارہ اس کی طباعت کا بار مناسب حد تک برداشت نہ کرتا تو یہ معقول کتاب زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکتی۔ موجودہ دنیا جو ہر مسئلہ کو نام نہاد روشن خیالی کی روشنی میں دیکھتی ہے۔ اور علم سائنس سے اس کی پیمائش کرتی ہے۔ اس کے لئے یہ کتاب مستطاب نسخہ کیمیا سے کم نہیں۔ کافی حد تک ذی علم حضرات کی تشنگی دور کرتی ہے۔ اس کتاب کی

مطبوعات بھی آپ کے اِس ادارہ کا سالِ گزشتہ کا اہم کارنامہ ہے۔

(۴) بنگالی زبان میں لٹریچر کی ضرورت۔ مشرقی پاکستان میں جہاں کہ آپ کے لاکھوں ہم مذہب گمنامی اور خاموشی کے ساتھ تقیہ کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس جانب بہت ہی کم توجہ دی گئی ہے۔ حالانکہ ہمارے تمام اداروں کا رُخ زیادہ تر اس طرف ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ مغربی پاکستان کی نسبت مشرقی پاکستان میں اصلاح و تبلیغ کی کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اِس اہم امر کی طرف بھی آپ کے اِس قومی ادارہ ہی نے قدم بڑھایا ہے۔ اور ماہنامہ "معارفِ اسلام" اور قوم کے دیگر جریدوں میں انجمنوں کو اس طرف توجہ دینے کی اپیل کی جا چکی ہے۔ سالِ گزشتہ اس ضمن میں نہایت ہی اہم تاریخی حیثیت لئے ہوئے ہے کہ ادارہ "معارف اسلام" نے بنگالی زبان میں اپنا لٹریچر شائع کر کے مشرقی پاکستان کے تمام اضلاع میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ اس کا سہرا حقیقت میں ادارہ معارفِ اسلام کے سیکرٹری برائے حلقہ مشرقی پاکستان یعنی محترم جناب سید محمد سبطین صاحب تیج گاؤں (ڈھاکہ) کے سر ہے۔ جنہوں نے اپنی شب و روز کی کوشش سے اس اہم اور ضروری کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ابھی تک ہمارے دو کتابچے یعنی "نفسِ رسول" اور "دلیلِ عزا" کے بنگلہ ترجمے علی الترتیب ماہ رمضان اور محرم میں ڈھاکہ چٹاگانگ کھلنا اور برسال وغیرہ کے اضلاع میں تقسیم ہوئے ہیں۔ اور ادارہ کے اتحادی پوسٹر جو حسبِ معمول ماہِ محرم میں شائع ہوتے ہیں اُن کا بنگالی ترجمہ کروا کر بھی وہاں چسپاں کروائے گئے ہیں۔ اور ہینڈبل کی صورت میں بھی عوام الناس میں تقسیم ہوئے۔

مشرقی پاکستان میں "ادارہ معارف اسلام" کا علیحدہ فنڈ قائم کر دیا گیا ہے اور اس کا حساب آمد و خرچ لاہور میں ادارہ کے مرکزی دفتر میں رہے گا۔ آئندہ ادارہ کا تیسرا بنگلہ کتابچہ "ختم نبوت" ہوگا۔ کیونکہ وہاں کی پبلک شیعہ سُنّی اتحاد کے قیام کیلئے اس موضوع کو پسند کرتی ہے۔

(۳) ماہنامہ معارف اسلام:۔ یہ عین ممکن تھا۔ کہ ادارہ سالِ گزشتہ میں اور بھی کئی مفید کتب شائع کر کے عوام کے سامنے پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا۔ مگر ماہنامہ معارفِ اسلام کا باقاعدگی سے شائع ہونا ایک ایسا کارنامہ ہے جو ادارہ کے حالات اور بالخصوص مالی حالات کی نسبت بہت بڑا ہے۔ پہلے سال آٹھ صفحات ماہنامہ۔ دوسرے سال بیس صفحات ماہانہ اور اس تیسرے سال چونسٹھ صفحات ماہانہ باقاعدگی سے نکالنا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ درآنحالیکہ ہم نے کوئی پیڈ (Paid) ایڈیٹر نہیں رکھا نہ ہی اِس کے لئے کوئی علیحدہ مخصوص اسٹاف رکھا ہے۔ بلکہ اراکین کے خلوص و محبت کا اعزازی تحفہ ہے ـــــ ماہنامہ کے شروع کرنے سے پیشتر ہمارا خیال تھا۔ کہ ادارہ کے لئے یہ ایک Profitable یعنی منافع بخش کام ہوگا۔ اور حقیقت میں ہے بھی ایسا ہی۔ مگر منافع اُسی حالت

ہونا شرط ہے کہ اس کام کو محض دوکانداری یعنی صرف تجارتی بُنیادوں ہی پہ چلایا جائے۔ مگر یہاں تو مقصد تجارت نہیں۔ فراہمی سرمایہ کے لئے بھی اگر کوئی تجویز سوچی جاتی ہے یا پروگرام بنایا جاتا ہے۔ تو محض ادارہ کے مقاصد کے حصول کیلئے اور مقاصد تعلیمات محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کی اشاعت ہی ہے اور اشاعت کو وسیع طور پہ قائم کرنے کے لئے ماہنامہ کو قریباً ہر منظور شدہ لائبریری اور ریڈنگ روموں اور کلبز وغیرہ میں مُفت بھیجا جاتا ہے۔ جہاں کہ ایک ایک پرچہ کو سینکڑوں آدمی پڑھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ادارہ کو ماہنامہ کے اکاؤنٹ میں مالی فائدہ نہیں پہنچا۔ اور منافع کی بجائے آمد و خرچ برابر بھی نہیں ہو سکا۔ بلکہ اخراجات آمدن کی نسبت زیادہ ہو گئے۔

ماہنامہ کی افادیت کا ثبوت خود اس کا اپنا وجود ہے یا بیسیوں خطوط ہیں جو کہ مختلف ذمہ دار افراد و جماعتوں کی طرف سے آتے رہتے ہیں۔ اور ادارہ کی فائل پہ موجود ہیں۔ چند ایک دلچسپ اقتباسات محض آپ کی اطلاع کے لئے پیش کرتا ہوں:۔

(۱) آغا محمدؐ سلطان مرزا بالقابہ (مصنف البلاغ المبین وغیرہ) نے تحریر فرمایا:۔

"آج آپ کے معارفِ اسلام کا مطالعہ بغور کیا۔ ماشاءاللہ تمام پاکستان میں یہ پرچہ مسلمانوں کا بہترین رسالہ ہے آپ نے مسئلہ غیبتِ امام۔ غرباء سے نابلد علماء ...... وغیرہ صحیح اسلامی ذوق۔ جوش و حمیت کے ساتھ لکھا ہے۔ سارا ہی پرچہ واقعی معارفِ اسلام سے مملو ہے۔ مُبارک ہو۔ اور خداوند تعالیٰ آپ کو مذہب حق کی تائید رائے و حمایت کی توفیق وافر عنایت فرمائے۔ آمین۔ آپ بہت عمدہ کام کر رہے ہیں۔ میری طبیعت آپ کے پرچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی ہے۔ یہ تصنع یا بناوٹ یا تکلف نہیں ہے۔ میں دل سے عرض کر رہا ہوں ....."

(۲) ایک محترم سید مجتبیٰ صاحب نقوی سوہدرہ سے تحریر فرماتے ہیں:۔

آج مبلغ دس روپے کا منی آرڈر بھیج رہا ہوں۔ جس میں -/۱۲/۳ روپیہ میرے زرِ رکنیت اور بقایا رقم معارف اسلام پریس فنڈ کے لئے ہے۔ میں پہلے ہی "معارف اسلام" کا خریدار ہوں۔ میرا خریداری کا نمبر ۶۲۹ ہے۔ اب آئندہ سے مجھے "معارف اسلام" کا ممبر تصور فرمادیں ...... میں امامیہ مشن لاہور کا بھی ممبر ہوں۔ اور صداقت کا پرچہ بھی میرے پاس آتا ہے مگر معارف کی تحریر اور مضامین پڑھ کر جو لطف آتا ہے وُہ بیان سے باہر ہے۔ صداقت کے جوابات مع حوالہ جات ضرور درست ہوتے ہیں۔ مگر زبان اتنی پاکیزہ نہیں یہ کمال "معارف اسلام" ہی کا دیکھا ہے کہ اعتراض کا جواب بھی مستند اور نہایت سنجیدگی اور متانت سے۔ مجھے شوق ہے اور دُعا بھی ہے کہ معارف اسلام پریس جلدی ہی جاری ہو جائے ......"

(۳) محترم فتح محمد صاحب جماعتِ اسلامی راولپنڈی سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"...... جہاں تک "معارف اسلام" کی افادیت کا تعلق ہے اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کا نقطۂ نظر اس سے بالکل صحیح طور پر واضح ہوتا رہتا ہے......"

(۲) سید ظہیر الحسن صاحب لکھنؤ سے تحریر فرماتے ہیں۔ "آپ کا رسالہ "معارف اسلام" اپنے خاص اسالیب تبلیغ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ میں یہاں کے ہائی سکول میں ٹیچر ہوں۔ اس علاقے کا سو فیصدی ماحول سُنّی ہے۔ شیعہ حضرات کے دیگر رسالوں کی بابت ان لوگوں کا یہ اعتراض تھا کہ شیعہ لوگ دوسروں کی دل آزاری کرتے ہیں۔ لیکن بحمد اللہ "معارف اسلام" سے ان کو یہ گلہ نہیں۔ وہ اسے شوق سے پڑھتے ہیں۔ دعا ہے۔ کہ معارف اسلام دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ انشاء اللہ مجھے اور خریدار کرنے کی کوشش کروں گا......"

(۵) اسلامک ریسرچ سنٹر جھنگ والے سید جواد حسین نقوی تحریر فرماتے ہیں۔ "ماہنامہ معارف اسلام کی افادیت سے انکار محال ہے۔ یہ مجلہ اللہ کے فضل سے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ میں نے جب مجلہ کو ملاحظہ کیا تو مجھے "ترجمان القرآن" اور اس کے معیار میں چنداں فرق نظر نہیں آیا۔ حالانکہ "ترجمان القرآن" کئی برسوں کی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس آپ کے مجلے نے ابھی اپنی زندگی کے چار منازل ہی طے کئے ہیں۔ شیعہ عوام جامد نہیں۔ بلکہ مذہبی لٹریچر جامد تھا۔ اسلئے عوام فرسودہ باتوں سے تنگ آ گئے تھے۔ یہ مجلہ میں نے میانوالی کے قیم جماعت اسلامی کو دکھلایا۔ تو وہ حیران و ششدر رہ گئے۔ آپ کی ضخیم کتاب "فتنۂ تفسیر بالرائے" میں نے خریدی تھی۔ جب یہ میری نظر سے گذر گئی تو میں نے دار المطالعہ جماعت اسلامی میانوالی میں قیم جماعت کو دکھلائی۔ تو وہ حیران ہو گئے۔ اور انہوں نے بھی یہ کتاب خرید لی۔ وہ ان دنوں محترم پرویز کے رسالہ "طلوع اسلام" کو فائل کر رہے ہیں تاکہ مکمل کر کے مولانا مودودی سے اس کا جواب لکھوایا جائے۔ یہ کتاب ان کے لئے نعمت غیر مترقبہ تھی۔ اور انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لے لی۔"

(۶) ایک تازہ خط کل ہی آیا ہے۔ محترم ڈاکٹر سید ممتاز حسین زیدی لاہور (چیل روڈ) سے تحریر فرماتے ہیں۔ "آپ کے معارف اسلام میں مضامین نہایت دلچسپ پُر از معلومات اور نہایت مفید ہوتے ہیں کتنے عوام اور خود اس سب یقیناً استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے قوم کا اتحاد جس کے لئے ایک تعزیہ بردار صاحب تبلیغ فرماتے ہیں۔ انشاء اللہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ کیونکہ کم از کم دو شخص اہلسنت والجماعت کے میری واقفیت میں ایسے ہیں جو مجھ سے آپ کا رسالہ حاصل کر کے اس کا مطالعہ ضرور کرتے ہیں......"

یہ چند اقتباسات ہیں جو مختلف خطوط سے پیش کئے۔ ورنہ بیسیوں خطوط بہت ہی حوصلہ افزا تحریروں کے ایسے موجود ہیں۔ جن کے بیان کرنے کی اس جگہ گنجائش نہیں۔

ماہنامہ "معارف اسلام" کی باقاعدہ طباعت و ترسیل میرے خیال میں حالات کو دیکھتے ہوئے ایک بڑا کام ہے۔ اگر اس پر ذرا مزید توجہ کی جائے۔ اور ممبران ادارہ اس کا تھوڑا خرچ اور برداشت کریں تو اسے موجودہ حالت سے بھی زیادہ مفید اور زیادہ معیاری بنایا جا سکتا ہے۔

(۴) **مفت لٹریچر کی تقسیم:-** یہ آپ کے ادارہ کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے حقائق و براہین اور استدلال محکم اور غیر متزلزل ہیں۔ اور یہ عقل اور فطرت کے عین مطابق ہیں۔ آپ کا لٹریچر پڑھنے کے بعد مشکل ہی سے کوئی متاثر ہوئے بغیر رہ سکتا ہے مگر آپ خود ہی اسے شائع کر کے بار بار اسے آپ ہی پڑھتے جائیں تو "جنگل میں مور ناچا کس کام" بیشک لٹریچر پڑھنے سے خود آپ کے عقائد پختہ ہونگے۔ علم حاصل ہوگا اور لٹریچر آپکے علم و عمل کی اصلاح کریگا۔ مگر دیگر عوام کو بھی تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اسلام کا پیغام تو ہر ایک کیلئے ہے۔ آپکا لٹریچر اگر دوسروں تک نہیں پہنچا اور آپ ہی کے حلقہ میں چکر لگا رہا ہے۔ تو یہ ہماری کمزوری میں شمار ہوگا۔ اور ہم اس سے فائدہ نہ اٹھا سکینگے۔ یہ شرف آپ کے اس ادارہ ہی کو حاصل ہے۔ کہ ہزاروں روپیہ کا لٹریچر سالانہ مفت تقسیم کرتا ہے۔ اور خاص طور پر ملک کی مشہور و منظور شدہ لائبریریوں۔ پبلک ریڈنگ روموں۔ سکولوں اور کالجوں کی لائبریریوں۔ ہسپتالوں میں مریضوں کے لئے اور یتیم خانوں میں یتیم بچوں کے مطالعہ کے لئے مفت فراہم کرتا ہے۔ نہ صرف لٹریچر کی قیمت برداشت کرتا ہے بلکہ وہاں پر پہنچانے کے اخراجات مثلاً پوسٹیج وغیرہ بھی خود اپنی گرہ سے ادا کرتا ہے۔ سابقہ سال ۱۷۲۶/۵/۰ روپیہ مالیت کا لٹریچر مفت تقسیم کیا گیا تھا۔ اور سال گذشتہ میں ۳۱۵۹/۱۲/۰ روپیہ کی مالیت کا لٹریچر مفت تقسیم ہوا۔ گویا کہ پہلے سے قریباً دوگنی رقم اس سال مفت لٹریچر پر خرچ ہوئی۔

(۵) **اتحادی اشتہارات:-** اتحاد بین المسلمین کی فی زمانہ جس قدر ضرورت ہے وہ سب پر عیاں ہے ملک کے دیگر شیعہ سنی اداروں نے اس اہم امر کی طرف بہت ہی کم توجہ دی ہے جو خاص فرقہ وارانہ جماعتیں ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے ہی علمی طور پر دست و گریباں رہیں۔ جسکے نتیجے میں ایام محرم میں جس قدر جھگڑا پایا جاتا تھا۔ وہ سب معلوم ہے۔ ادارہ معارف اسلام ہر سال اتحادی پوسٹر شائع کر کے طول و عرض مشرقی و مغربی پاکستان میں پبلک مقامات پر چسپاں کرواتا ہے۔ اس سال بھی محرم کے موقع پر قریباً دس ہزار کی تعداد میں چھ قسم کے پوسٹر شائع کئے گئے۔ جن میں عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام کے سلسلہ میں مسلمانان اشتراک عمل اور اتحاد و تعاون کی موثر طریقوں سے تبلیغ کی گئی تھی۔ یہ پوسٹر مشرقی و مغربی پاکستان میں ممبران ادارہ کے ذریعے چسپاں کئے گئے جن کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور اس مرتبہ محرم میں جو امن و امان اور صلح و آشتی کا مظاہرہ (ماسوائے ایک یا دو مقامات کے) جو عام دیکھنے میں آیا۔ اس میں حکومت کی کوششوں کے علاوہ ادارہ معارف اسلام کا بھی کافی حصہ ہے۔ دس ہزار پوسٹروں کی اشاعت کا خرچ کوئی معمولی خرچ نہیں اور

رسالوں میں سب خرچ ہی خرچ ہوتا ہے۔ آمد کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ کافی رقم آپ کی ان پر بھی صرف ہوئی ہے۔ جوکہ اخراجات میں شامل ہے۔

ان تمام اُمور خیر و ثواب کے باوجود ممبرانِ ادارہ بالخصوص ممبران بیرونجات نے اُتنی توجہ نہیں فرمائی جو اُن کا حق تھا۔ اگرچہ بعض ممبرانِ بیرونجات نے پورا پورا تعاون کیا اور اپنے ذمہ رقوم ادا فرماتے رہے۔ مگر اکثر ایسے ہیں۔ جنہوں نے آجتک اپنے ذمہ بقایا واجب الادا رقوم ادا نہیں فرمائیں۔ لٹریچر وصول فرماتے رہے۔ حالانکہ یہ امر سب بخوبی جانتے ہیں۔ کہ بغیر سرمایہ کے کوئی نشر و اشاعت کا کام نہیں ہو سکتا۔

ادارہ کے مالی اُمور کے متعلق مکمل رپورٹ مدیر مالیات شیخ شوکت علی صاحب نسیم علیحدہ پیش کر رہے ہیں۔ مگر میں چند ایک ایسی چیزیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جن کی آئندہ ضرورت ہے:۔

(۱) سب سے مقدم چیز جس پر ادارہ کی کافی رقم خرچ ہو رہی ہے۔ وہ ادارہ کا دفتر ہے قریباً ایک ہزار روپیہ سالانہ ادارہ کے دفتر کا خرچ ہے۔ اگر یہ جگہ ادارہ کی اپنی ملکیت ہو تو ایک ہزار روپیہ سالانہ کی بچت ہو سکتی ہے۔ اور اُس جگہ سے بھی مزید فائدہ حاصل ہو سکتا ہے دُنیا میں جرائم اور بد اخلاقیوں کا بھی زور ہے۔ اور ضرورت ہے کہ ہفتہ وار درسیا اخلاق کے سلسلے شروع کئے جائیں۔ اگر ادارہ معارفِ اسلام کی کوئی اپنی جگہ ہو تو وہاں پر اپنے دفتر کے علاوہ ایک چھوٹا سا Sermon Hall آئمہ معصومین میں سے کسی کے نام پر تعمیر کرایا جا سکتا ہے۔ اور اسی جگہ لائبریری و پبلک ریڈنگ رُوم بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں میں اختتام جلسہ پر اپنی حقیر تجاویز پیش کروں گا۔

(ب) لٹریچر کی نشر و اشاعت کیلئے پریس کی ضرورت سب سے مقدم ہے۔ اگر اپنا پریس ہو تو یہ کام نہایت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ اور روزنامہ نکالنا بھی آسان تر ہو جاتا ہے۔ اسکے لئے گذشتہ مہینوں میں معارف اسلام پریس کی تجویز عہدیداران ادارہ کی جانب سے پیش ہوئی اور محترم مدیر مالیات نے بحث کرنے کے سب سے پہلے خود اپنی گرہ سے رقم ادا کر کے پریس اکاونٹ بھی بنک ہی کھلوا دیا۔ اور اسکے متعلق ہلکا پروپیگنڈا بھی شروع کیا گیا مگر افسوس ہے کہ قوم نے اس طرف بہت ہی کم توجہ دی ہے۔ یا ممکن ہے کہ جیسے پوری طرح توجہ نہ دلائی ہو۔ یہ ایک قومی پریس ہوگا۔ کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہوگا۔ اسمیں شک نہیں کہ معارف اسلام کے علاوہ اور بھی دو ادارے پریس قائم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ ہم ان کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ قوم کے جتنے بھی قومی پریس قائم ہوں۔ اُتنا ہی اچھا ہے اللہ کرے سب ادارے کامیاب ہوں۔ معارف اسلام کا سلسلۂ اشاعت جاری ہے۔ اور یہ کسی کا ذاتی بھی نہیں لہذا اس طرف تمام قوم کی بالعموم اور ممبران ادارہ کو بالخصوص فوری توجہ دینی چاہیئے تاکہ ہم اپنا پروگرام زیادہ خوش اسلوبی اور زیادہ توجہ اور جوش و خروش سے جاری رکھ سکیں۔

(ج) آئندہ مزید لٹریچر کی اشاعت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ یہی ہمارے پروگرام کا سب سے بڑا جزو ہے

اس کے لئے فنڈز کی ضرورت ہے۔ اور تمام ممبران کی اس طرف فوری توجہ درکار ہے۔ کون کون سی کتب چھاپی جائیں؟ کون کون سی مفت دی جائیں اور کون کون سی قیمتاً دی جائیں؟ اور کون کون سی کتب کی اشاعت عوام کے لئے مفید ہے۔ اور کون کون سی کتابیں پسندیدہ نگاہوں سے دیکھی جائیں گی اور جلد فروخت ہو جائیں گی۔ تاکہ ادارہ کے مالیات پر برا اثر نہ پڑے؟ ان سب امور کا فیصلہ تو "ادارہ معارف اسلام کا علمی بورڈ کرے گا۔ مگر چند ایک کتابیں جو زیر غور ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) **استقرار حق عزاداری**۔ اس کتاب کا مسودہ محترم علامہ سید امداد حسین صاحب کاظمی کی کی دن رات کی کوششوں سے مرتب و تالیف ہو چکا ہے۔ جو اندازاً ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اس کو عزاداری امام حسین علیہ السلام کا انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو بالکل درست ہے۔ سالہا سال سے عزائے امام مظلوم پر قسم قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ اور رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ عزا میں مکمل ترین ہو۔ اور کسی چیز کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ لہٰذا اس کتاب میں کسی گوشہ کو نہیں چھوڑا گیا۔ تاریخ عزاداری کے علاوہ۔ مقدمات عزاداری کے قریباً تمام فیصلے، حکومتوں کے اعلانات۔ مسلمانوں کے بڑے فرقوں کی تاریخ۔ مذاہب کی تاریخ۔ عزاداری کے ایک ایک عمل کا جواز از قرآن۔ حدیث افعال واقوال اہلبیتؑ۔ افعال واقوال امہات المومنین۔ افعال واقوال تابعین۔ افعال واقوال تابعین۔ افعال واقوال بزرگان دین۔ افعال اقوال علمائے کرام وغیرہ وغیرہ اور مزید کئی تاویلوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی اشاعت پر اندازاً دس ہزار روپیہ صرف ہوگا۔ اگر قوم اور ممبران ادارہ توجہ فرمائیں تو سلسلہ شروع کر دیا جائے گا۔ (۲) دوسری کتاب قابل طباعت جو ترجمہ کتاب "اہمیت وخوبی نماز روزہ ہے"۔ اصل کتاب فارسی میں ہے۔ اور بانی انجمن تبلیغات اسلامیہ تہران آقائے حشمت السلطان دولتشاہی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب موجود ہے اور اس کے ترجمہ و اشاعت کی اجازت مدیر انجمن تبلیغات سے آپکا ادارہ حاصل کر چکا ہے۔ آجکل جبکہ نماز روزہ کو غیر ضروری افعال سمجھا شروع ہو گیا ہے۔ اور تفسیر بالرائے کر کے نماز جیسے اہم رکن دین کے معنی و مفہوم کچھ اور لئے جانے شروع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت نہایت ضروری ہے۔ اس میں نماز کے فوائد دینی و روحانی جسمانی و اخلاقی اور احتماعی قرآن۔ حدیث اقوال معصومینؑ۔ اور علم سائنس وطب سے ثابت کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر جسم انسانی ہر عضو کی ساخت اور حادثات سے اور حیوانات نباتات وغیرہ وغیرہ سے توحید ثابت کی گئی۔

(۳) تیسری کتاب توحید مفضل کا ترجمہ ہے۔ یہ توحید کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

کے دو یا تین دن کے لیکچرز ہیں جو کہ حضرت مفضلؓ نے نوٹ فرمائے ہیں۔ ان میں اثباتِ توحید کے متعلق جملہ علوم کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ اور دنیا کا شاید ہی کوئی شعبہ ہو جس سے امامؑ نے توحید کو ثابت نہ فرمایا ہو۔ مثال کے طور پر جسم انسانی ہر عضو کی ساخت اور بناوٹ سے اور حیوانات۔ نباتات وغیرہ وغیرہ سے توحید ثابت کی گئی۔ ان تین کتابوں کے علاوہ اور بھی کئی زیر غور ہیں جن کا فیصلہ علی ہمارے رسائل میں سے کچھ ایسے بھی ہیں۔ جو ختم ہو چکے ہیں۔ اور ان کی DEMAND بھی ہے۔ لہٰذا ان کا دوسرا ایڈیشن چھاپنا بھی ضروری ہے۔ ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) نفسِ رسولؐ۔ (امیر المومنینؑ کی مختصر سوانح عمری)

(۲) تحفہ زوجین (زن و شوہر کے تعلقات پر قرآن حدیث اور معصومینؑ کی ہدایات)

(۳) بنو امیہ۔ (بنو امیہ کی مستند مختصر تاریخ)

مجھے یقین ہے کہ ادارہ کی ان مفید تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کیلئے آپ کوئی ٹھوس تجاویز پاس کریں گے۔

آخر میں میں قبلہ علامہ مرزا احمد علی صاحب و علامہ سید امداد حسین صاحب کاظمی اور مدیر مالیات شیخ شوکت علی صاحب نسیم خاص طور پر شیخ شریف حسین صاحب جعفری و سید اختر علی شاہ صاحب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے ادارہ کے معاملات میں پوری طرح سے حصہ لیا۔ اور اپنی مساعی سے ادارہ کے کاموں کو جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ پوری طرح سے کامیاب بنانے کی کوشش کی۔

غیاث الدین
مدیر ادارۂ معارف اسلام ۱۰ / اکتوبر ۱۹۵۶ء
بروز جمعۃ المبارک

التماس دعا

میری والدہ درد پتہ کے اپریشن کے سلسلہ میں داخل ہسپتال ہے ناظرین ماہنامہ معارف اسلام ان کی صحت کاملہ و سلامتی کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا فرماویں۔

سید محمد تنویر عباس نقوی
اڈا ٹانگہ جھنگ شہر

(حاشیہ: بروز جمعہ - ایف - اے شاہ)

رپورٹ منجانب مدیر مالیات بابت سال اختتامی ۳۱ مارچ ۱۹۵۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کسی ادارے کی کامیابی یا ناکامی کا اندازہ اس کی مالی ساکھ سے ہی ہوتا ہے۔ اور اس لحاظ سے بحمداللہ ہمارا ادارہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہے اگرچہ اس کے وسائل محدود اور آمدن قلیل ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ادارہ جو قومی و دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہیں۔۔

ہماری آمدن کے صرف دو ذرائع ہیں۔ ایک ماہنامہ کا چندہ اور دوسرا اراکین و معاونین کی اعانت و معاونت۔ اگرچہ مقامی اراکین و معاونین اس کارِ خیر میں حصہ لے کر ہمارا ہاتھ بٹاتے ہیں لیکن اکثر ممبران بیرون لاہور قطعاً اس طرف توجہ نہیں دیتے۔ اور بار بار یاد دہانیوں کے نہ تو وہ اپنا چندہ زکوٰۃ اور نہ ہی چندہ ماہنامہ ادا کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات ادارے کی طرف سے روانہ کردہ وی پی بھی واپس کر کے ادارہ کی امداد کی بجائے اسے مزید زیر بار کرتے ہوئے ہمارے لئے مشکلات پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

ان دشواریوں کے باوجود ہماری آمدن کا اکثر حصہ ماہنامہ اور دیگر لٹریچر مفت تقسیم میں صرف ہو جاتا ہے۔ اور قوم میں یہ واحد ادارہ ہے۔ کہ جو اپنی مطبوعات پاکستان کی تمام لائبریریوں۔ کالجوں۔ سکولوں اور دیگر مذہبی۔ علمی اور ادبی حلقوں میں مفت تقسیم کرتا ہے۔ کیونکہ ہمارا مقصد تجارت نہیں۔ بلکہ اشاعتِ دین اور تبلیغ تعلیمات اہلبیت ہے۔

سال گذشتہ یہ فیصلہ کیا گیا تھا۔ کہ ادارہ اپنی مطبوعات کے شعبہ میں ترقی کرتے ہوئے ضخیم کتب شایع کرے اور اسی کے مطابق اس سال فتنہ تقصیر بالا ہے۔ مواعظ حسنہ اور اسلامی معاشرہ جیسی بلند پایہ کتب شایع کرنے پر زر کثیر صرف کیا۔ اگرچہ یہ بہت بڑی خدمت تھی۔ لیکن مالی طور پر اس خرچ سے ہمارے ادارہ کی مالی حالت بہت کمزور ہو گئی۔ اور یہ تجربہ کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوا اور قوم کی بے حسی نے ہماری توقعات کو پورا نہیں کیا بلکہ ہمیں مایوسی ہی ہوئی ہے۔

ادارہ کے حساب آمد و خرچ۔ نفع و نقصان اور توازن بقایا سے ظاہر ہے۔ کہ اس سال ادارہ کو مجموعی طور پر 9-12-2091 روپے کا خسارہ ہوا۔ اگرچہ سال کے دوران میں ہمارا حلقہ کار بہت بڑھ گیا۔ اور اس میں کافی وسعت ہو گئی۔ لیکن اس کے باوجود خسارہ ہوا۔ کیونکہ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں ہم نے سال میں 0-12-3189 روپے کا مفت لٹریچر تقسیم کیا۔ 0-14-1603 روپے سٹاف کی تنخواہوں اور کرایہ عمارتِ دفتر ادا کئے گئے۔

اگرچہ عہدہ داران ادارہ کی دلی کوشش ہوتی ہے۔ کہ ادارہ کو کسی بھی خرچ کا زیر بار نہ ہونا

پڑے لیکن اہم اور ضروری اخراجات کے بغیر چارہ نہیں۔ اور اگر ہم مفت تقسیم کو بند کر دیں یا محدود کر دیں تو یہ خسارہ 1057-15-5 نفع میں بدل جاتا۔
لیکن ہمارا مقصد نفع اندوزی نہیں۔ بلکہ خدمت دین اور نشر و اشاعت تعلیم محمدؐ و آل محمدؐ ہے لہٰذا ہمیں اس نقصان کو بخوشی برداشت کرتے ہوئے اپنی امداد اور تعاون کے دامن کو اور وسیع کرنا چاہیئے۔ تاکہ آپ کا یہ عزیز ادارہ اس سے بھی زیادہ خدمت کر سکے۔
ہمیں صرف ان نیک جذبات یا خیالات سے ہی مطمئن نہ ہو جانا چاہیئے۔ بلکہ یہ سوچنا ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم اس ادارہ کی ترقی و توسیع اور خود کفیل بنانے کیلئے کیا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر ادارہ اسی طرح ہر سال نقصان میں جاتا رہا۔ اور اس کا بقایا گھٹتا رہا تو مجھے خطرہ ہے۔ کہ ہم اس ادارہ میں مزید ایک دو سال چلا سکیں گے۔ اور اس کے بعد خدانہ کرے۔ ہمیں یا تو ادارہ کو ختم کرنا ہو گا یا اس کے حلقہ کار کو تنگ کرتے ہوئے برائے نام زندہ رکھنا ہو گا۔ جو کہ کوئی بھی پسند نہ کرے گا۔ میں مایوسی کا اظہار نہیں کر رہا بلکہ ایک مرض کی نشاندہی کر رہا ہوں۔ اور یہ میرا فرض ہے۔ کہ آپ کو بتاؤں کہ آپ کے ادارہ کی مالی حالت تسلی بخش نہیں۔ اور اگر ہم تھوڑی سی کوشش کریں اور دلچسپی لیں۔ تو ہمارا مستقبل پُر اُمید اور تابناک ہو جائے گا۔ انشاءاللہ۔
اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔
(۱) مغربی پاکستان کے ہر ضلع میں ادارہ کی شاخ قائم کی جائے اور وہاں کے مومنین اور مخلصین کے تعاون سے تنظیم قائم کرتے ہوئے ایک مقامی سیکرٹری مقرر کیا جائے جو ادارے کے مفاد کا محافظ ہو۔ اس طرح ہماری ممبر سازی کی مہم بھی کامیاب رہے گی۔ اور چندہ وغیرہ کی وصولی میں آسانی رہے گی۔ اگر اس مقصد کیلئے مدیر صاحب تمام صوبہ کا دورہ کریں۔ تو زیادہ بہتر ہے۔
مدیر صاحب مقامی سیکرٹریوں کے نام اور فوٹو کو اپنے رسالہ اور دیگر جرائد میں نشر و اشاعت کریں۔
(۲) مفت تقسیم کو محدود کر دیا جائے اور صرف خاص الخاص اداروں اور منتخب افراد ہی مفت مطبوعات بھیجی جایا کریں۔
(۳) ہر رکن یہ عہد کرے کہ اس سال کم از کم دو نئے رکن بنائے اسی طرح ہمارے کئی مسائل حل کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔
(۴) سال میں ایک دن "یوم معارف اسلام" منایا جائے اس دن تمام شہروں اور قصبوں میں پبلک مقامات پر پبلک جلسے کئے جائیں۔ اور صاحب ثروت و متمول حضرات سے خصوصی طور پر چندے اور عطیئے وصول کئے جائیں۔ انجمن حمایت اسلام کی مانند 8. 10. 25. 50. 100 کے ٹکٹ چھپوائے جائیں۔ جو فروخت کرنے سے ایک اچھی معقول رقم ہر سال جمع ہو سکتی ہے۔

(۵) ادارے کے مربی خاص و دوامی بنائے جائیں اور ان سے ۔/500 روپے وصول کیے جائیں۔ ان کے اعزاز کی اشاعت خاص طور پر اپنے رسالہ اور دیگر پیشہ جرائد میں کی جائے۔ اور ان کی فوٹو بھی شائع کرنے کا اہتمام ہو تو بہت بہتر ہے۔

(۶) ماہنامہ کے حجم کو کم کیا کر دیا جائے۔ اور کسی بھی حالت میں 32 صفحہ سے زائد شائع نہ کیا جائے رسالہ میں ضخیم کتب کے اجزا کی اشاعت فوراً بند کر دی جائے۔ کیونکہ ادارہ ان کثیر اخراجات کا متحمل ہونے سے قاصر ہے۔ رسالہ میں صرف ضروری شرعی مسائل اور عوامی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے مضامین شائع کیے جائیں۔ تاکہ رسالہ کی افادیت میں اضافہ اور اخراجات میں کمی ہو سکے۔

(۷) رسالہ کیلئے اشتہارات حاصل کرنے کی کوشش کو دو چند کیا جائے۔ اور مشہور فرموں کے اشتہارات حاصل کرنے کے لئے خاص تگ و دو کی جائے۔

(۸) ضخیم کتب کی اشاعت و طباعت کا سلسلہ فوری طور پر بند کر دیا جائے! اور ہر ماہ صرف ایک 16 صفحہ کا رسالہ اصول دین اور فروع دین۔ آئمہ طاہرین کی پاک زندگی اور ان کی تعلیمات کے مختلف موضوعات پر شائع ہوا کرے۔ اس طرح جہاں ہم اپنے اراکین کے سامنے ایک نئی پیشکش پیش کیا کرینگے۔ اور متواتر ربط قائم رہیگا۔ وہاں ہمارے اخراجات میں بھی کافی کمی ہو جائے گی۔ اس وقت ضرورت ہے۔ کہ ہم عوام کو مسائل ضروریہ اور روزمرہ کی ضروریات دین سے روشناس کرائیں۔ اور یقینی طور پر یہ بڑی خدمت ہو گی۔

اس کے بعد مجھے ایک اہم قومی مسئلہ پر روشنی ڈالنی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ سال گذشتہ ایک پریس فنڈ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ لیکن سال بھر میں صرف ۔4-4-784 روپے کی حقیر رقم ہی جمع ہوئی ہے۔ قوم نے جس بے حسی سے ہماری آواز پر لبیک کہی ہے۔ وہ یقینی طور پر حوصلہ شکن اور افسوسناک ہے۔ یہ افسوس کا مقام ہے۔ کہ مغربی پاکستان میں ہمارا ایک بھی باثر روزنامہ نہیں۔ جو ہمارے مسائل کو عوام اور حکومت کے سامنے پیش کر سکے۔ کہ اس کی آواز موثر بھی ہو۔

روزنامہ کی ضرورت جتنی آج ہے اتنی پہلے کبھی نہ تھی۔

اور اگر ہمارے علماء و ذاکرین اس طرف توجہ دیں اور اس کی اہمیت عوام پر واضح کریں۔ تو مجھے یقین ہے۔ کہ انشاء اللہ بہت جلد ہماری خواب کی تعبیر سامنے آ سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ ہمارے محترم مدیر جو اپنی انتھک کوششوں، خلوص اور محنت کے لئے مشہور ہیں۔ اس سلسلہ میں کوئی تعمیری قدم اٹھا کر تمام قوم کو شکریہ کا موقع دیں گے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں ختم کرتے ہوئے امید کرتا ہوں کہ آپ میری معروضات پر غور کرتے ہوئے قابل عمل تجاویز کو منظور کرتے ہوئے سال موجودہ کیلئے ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔ کیونکہ یہ ادارہ آپ ہی

کا ہے۔ اور اس کی بھلائی اور بہتری کے ذرائع اختیار کرنا اور عہدہ داران کو ہدایت و پند آپ کا کام ہے۔

ہم آپکے تعاون کیلئے ہر وقت محتاج ہیں۔ پروردگار عالم ہمیں اتفاق اور محبت اہلبیت عطا فرمائے کہ ہم آپ کے معصومین کی تعلیمات کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کرتے ہوئے اپنے لیے توشۂ آخرت تیار کر سکیں۔ آمین۔

شوکت علی نسیم
مدیر مالیات ادارہ معارف اسلام (پاکستان) لاہور

۱۲ ۱/۵۸

ٹریڈنگ اکاؤنٹ سال اختتامی 31 3/58

فروخت کتب	3404—1—9 روپے	شاک سال شروع	5021—12—6 روپے
چندہ ممبران	2319—7—0	خرید کاغذ	1934—11—0
" ماہنامہ	1890—8—0	" کتب	2491—14—9
عطیات	194—11—3	کتابت طباعت و دفتری	2075—10—0
اشتہارات	443—0—0		
پرلیس فنڈ	753—4—0		11,524—0—3
قیمت کتب تقسیم	3159—12—0	کل نفع	4,867—7—9
	12164—11—0		
شاک سال آخر 31 3/58	4226—13—0		
	16,391—8—0 روپے		16,391—8—0 روپے

حساب نفع ونقصان

کل بچت	4867-7-9 روپے	ایڈورٹائیزمنٹ	340-8-0 روپے
خالص نقصان	1338-8-9	خرچہ ڈاک	528-12-6
		سفر خرچ	109-13-0
		سٹیشنری	43-10-0
		بل بجلی	46-0-0
		مفت تقسیم رسالہ وکتب	3159-12-0
		بنک کمیشن	1-12-0
		کرایہ	595-3-0
		مزدوری اخراجات	78-6-6
		تنخواہ سٹاف	1008-11-0
		کمیشن فراہمی چندہ	280-15-6
		ڈائیڈ کمیشن کتب	12-9-0
	6206-0-6 روپے		6206-0-6 روپے

توازن بقیہ بابت سال اختتامی 31/3

بنک اختتام سال کوآپریٹو بنک میں موجود	4226-13-0 روپے	سرمایہ سال شروع	9217-7-9 روپے
	2081-8-9	خالص نقصان	1338-8-9
حبیب " "	753-4-0	سرمایہ سال آخر 31/3	6878-15-0
نقد موجود	120-14-0	رقوم واجب الادا	1630-9-6
سیکرٹری کی تحویل میں	200-0-0		
فرنیچر	243-5-0		
ٹکٹ ڈاک موجود	4-11-0	میزان	8509-8-6 روپے
رقم واجب الوصول	968-9-3		
	8,499-1-0		
فرق حساب	10-7-6		
میزان	8509-8-6 روپے		

سالِ نو کیلئے انتخاب عہدیداران و تجاویز

اراکین ادارہ معارفِ اسلام (رجسٹرڈ) پاکستان کا سالانہ اجتماع

علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ سرپرست چن لیے گئے

صدر ادارہ علامہ سید امداد حسین کاظمی پھر چنے گئے

اراکین ادارہ معارفِ اسلام (رجسٹرڈ)، پاکستان کا سالانہ اجتماع مورخہ ۱۲ اکتوبر بروز اتوار (بوقت دس بجے صبح) بمقام حسینیہ ہال (موچی گیٹ لاہور) زیر صدارت علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ منعقد ہوا۔ ممبران کی حاضری توقع سے زیادہ تھی۔ اجتماعِ سالِ گذشتہ کی روئیداد کی توثیق کے بعد مدیر ادارہ نے اپنی سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ اسکے بعد مدیر مالیات نے اپنی سالانہ رپورٹ بابت مالیات پڑھ کر سنائی۔ یہ دونوں رپورٹیں اسی شمارہ میں دوسری جگہ پر من و عن درج ہیں۔

اس کے بعد عہدیداران ادارہ کے سالانہ چناؤ کا مرحلہ پیش ہوا (واضح رہے کہ ادارہ کا چناؤ اس کے دستور العمل کے صفحہ ۴ دفعہ ۹ کے مطابق رائے شماری کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ بلکہ قابلیت تعاون اور عمل صالح کی بنیادوں پر بالاتفاق رائے ہوتا ہے) سالانہ چناؤ سے پیشتر علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ کو بالاتفاق رائے ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) پاکستان کا سرپرست چنا گیا جو کہ جناب حافظ صاحب مدظلہ نے بخندہ پیشانی منظور فرمایا۔ آئندہ سال کیلئے صدر علامہ سید امداد حسین صاحب کاظمی المشہدی چنے گئے۔

نائب صدر:۔ پروفیسر سید فقیر حسین صاحب بخاری

مدیر:۔ (شیخ) غیاث الدین صاحب

نائب مدیر:۔ شیخ نصیر احمد صاحب عاقتی

مدیر مالیات:۔ شیخ شوکت علی صاحب نسیم

مدیر نشر و اشاعت:۔ شیخ محمد صدیق صاحب

مدیر "رضاکار" چنے گئے۔

ادارہ کا علمی بورڈ

مندرجہ ذیل علمائے کرام ادارہ کے علمی بورڈ کے ممبر چنے گئے:۔

(۱) علامہ الحاج مرزا احمد علی صاحب قبلہ

(۲) علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ

(۳) علامہ سید امداد حسین صاحب کاظمی المشہدی

(۴) پروفیسر سید فقیر حسین صاحب بخاری ایم اے

(۵) پروفیسر سید قمر الزمان صاحب ایم۔ اے

(۶) جناب مولوی سید مرتضےٰ حسین صاحب صدر الافاضل

(نوٹ: جناب سید مرتضیٰ حسین صاحب اس علمی بورڈ کے کنوینر ہونگے۔ اور ادارہ کی مطبوعات (کتب و رسائل) اسی بورڈ کی منظوری کے بعد شائع ہونگی)

ادارہ کے لوکل سیکرٹریان

دیگر مقامات کیلئے مندرجہ ذیل حضرات بالاتفاق رائے لوکل سیکرٹری چنے گئے:۔

(۱) برائے حلقہ مشرقی پاکستان: سید محمد سبطین صاحب (ڈی - ایل - او - آفس تیج گاؤں ڈھاکہ)

(۲) برائے حلقہ کویت: سید غلام حسنین حیدری مقام احمدی - کویت۔

(۳) برائے حلقہ کراچی: سید محمد مہدی صاحب رضوی

(۴) برائے حلقہ راولپنڈی: سید علی حسنین صاحب شیدا نقوی ایم اے سٹلائٹ ٹاؤن

(۵) برائے حلقہ بہاولپور: ماسٹر عبدالکریم صاحب جعفری محلہ پاٹ شالہ بہاولنگر

(۶) برائے حلقہ ملتان: خلیفہ جعفر حسین صاحب ملہ جھک

(۷) برائے حلقہ سیالکوٹ: چوہدری سلامت علی صاحب بھٹی سانگیس گنج۔

(۸) برائے حلقہ سرگودھا: چوہدری غلام حیدر صاحب

ممبران مجلس نظامت

علاوہ عہدیداران ادارہ کے مندرجہ ذیل حضرات ادارہ کی مجلس نظامت کے ممبر چنے گئے:-

(۱) علامہ الحاج مرزا احمد علی صاحب لاہور

(۲) مولوی سید مرتضیٰ حسین صاحب صدر الافاضل مغلپورہ

(۳) ڈاکٹر مرزا حسن عسکری صاحب ایم بی بی ایس لاہور

(۴) خواجہ نذیر حسین صاحب پیپر مرچنٹ لاہور

(۵) حکیم محمد حسن صاحب جعفری ایم۔ اے۔ ایل ایل بی گوجرانوالہ

(۶) سید ہادی حسین صاحب ترمذی ماڈل ٹاؤن

(۷) شیخ شریف حسین صاحب جعفری - لاہور

(۸) ڈاکٹر حاذق نقی صاحب مدظلہ - سرگودھا

(۹) سید محمد یحییٰ علی شاہ صاحب - لاہور

(۱۰) حکیم و ڈاکٹر شاہدین صاحب لاہور

آڈیٹر حسابات ادارہ - ادارہ کے حسابات کیلئے آئندہ سے شیخ شریف حسین صاحب جعفری کو اعزازی آڈیٹر مقرر کیا گیا ہے۔

تجاویز

مندرجہ ذیل تجاویز بالاتفاق رائے طے ہوئیں:

(۱) تمام اضلاع میں ادارہ معارف اسلام کی برانچیں کھولی جائیں - اس کے لئے شیخ شریف حسین صاحب جعفری اور مدیر ادارہ منصوبہ تیار کریں۔

(۲) رقوم واجب الوصول کیلئے سرگرمیاں تیز کر دی جائیں اگر وصول نہ ہو سکیں تو دو دو آدمیوں کے وفد کی صورت میں جا کر تقاضا کیا جائے۔

(۳) مجلس نظامت کے اجلاس سال میں کم ازکم چار مرتبہ ضرور ہوں اور ہر جلسہ میں حالات ادارہ کی رپورٹ پیش کی جائے۔

(۴) ماہنامہ و مطبوعات ادارہ کی حسب سابق مفت تقسیم جاری رہے۔

(۵) بعض حضرات کو بہت ہی تخفیف یعنی برائے نام قیمت پر لٹریچر دیا جائے۔ اس کا طریقہ مجلس نظامت طے کرے۔

(۶) سال میں ایک دن "یوم معارف اسلام" منایا جائے۔ اس کے متعلق تین ماہ کے بعد رپورٹ پیش کرنے پر غور کیا جائے اور مناسب فیصلہ کیا جائے۔

(۷) ادارہ کے دوامی سرپرست بنائے جائیں جو کم ازکم پانچصد روپیہ یکمشت ادا کریں ان کی تصویر تعارف کیلئے ماہنامہ میں شائع کی جائے

(بقیہ صفحہ ۵۱ پر)

مسافرت حضرت امام حسین علیہ السلام بعراق (قسط ۲)

(مدینہ سے کربلا تک)

(از قلم آقائی الحاج سید الف شاہ صاحب پاکنہاد)

(سلسلہ کیلئے دیکھئے "معارف اسلام" ماہ محرم ۱۳۷۹ھ صفحہ ۳۲)

قیس کے کوفہ جانے کے بعد امام حسین علیہ السلام نے الحاجر سے کوچ کیا اور آگے بڑھے۔ راستے میں کئی جگہ پانی آئے۔ ایک پانی کے قریب سے گزرے جہاں عبداللہ بن مطیع ٹھیرا ہوا تھا۔ عبداللہ کی نظر آنحضرت علیہ السلام پر پڑی تو تعظیماً اٹھ کھڑا ہوا۔ حضرت کو گھوڑے سے پیادہ کیا اور عرض کی "اے پیغمبر زادے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ یہاں کہاں؟" حضرت نے فرمایا۔ کہ معاویہ کے مرنے کے بعد جو واقعات رونما ہوئے ہیں البتہ تم ان سے مطلع ہو گے۔ جب اہل کوفہ و عراق نے موجودہ وضعیت دیکھی تو انہوں نے مجھے خطوط بھیجے اور مجھے عراق آنے کی دعوت دی"۔ عبداللہ بن مطیع جو دیارِ انصار مدینے سے کافی دور ایک بیابان میں ٹھیرا ہوا تھا سیاست بنی امیہ سے پوری طرح آگاہ تھا۔ سیاست بنی امیہ اس وقت عبارت تھی از دنیائے مطلق برضدِ دین مطلق۔ اس نے مناسب سمجھا کہ امام حسینؑ کے حضور میں اپنے باطنی احساسات کا اظہار کر دے۔ لہذا پہلے تو اس نے امام علیہ السلام کو کوفہ جانے سے روکا۔ ثانیاً اس نے امام حسینؑ کی عظمت مقام اور شرافت و نجابت خاندانِ نبوت کو صریح الفاظ میں بیان کیا۔ ثالثاً اس نے بنی امیہ کی رسوائے عام دنیوی سیاست کو جو انسانیت، شرافت اور عدالت کے اصول کے سراسر منافی تھی چند غیر مبہم الفاظ میں بے نقاب کرتے ہوئے آنحضرت علیہ السلام سے التماس اور درخواست کی کہ ہرگز کوفے نہ جائیں۔ حضرت نے قبول نہ کیا اور اپنے ارادے میں استوار رہے۔

ایک مامور من اللہ حقیقت مشیت ایزدی کو خوب سمجھتا ہے۔ وہ اپنی ماموریت کے انجام دینے میں رک نہیں سکتا۔ امام حسین علیہ السلام اپنی اور ذراری نبوت کی سرنوشت سے آگاہ تھے اور مدینہ چھوڑنے سے پہلے ہی اپنے بھائی محمد حنفیہؒ سے کہہ چکے تھے کہ "شاء اللہ ان یراھن سبایا" مشیت الٰہی یہی ہے کہ خدا تعالےٰ ان عورتوں اور بچوں کو قیدیوں کی حالت میں اسیر دیکھے۔

ظاہراً آنحضرت علیہ السلام کوفیوں کی دعوت پر عراق آ رہے تھے اور کوفیوں کے مہمان تھے۔ امام زمان از حیث پیشوائے دین شرعاً مکلف ہے کہ دینی امور میں مخلوق خدا کی دادرسی کرے اور ان کو صراط مستقیم دکھائے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ امام زماں کس کو کہتے ہیں اور اس کے خصائص

کیا ہیں؟ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے انشاء اللہ مختصراً معارف اسلام کی کسی آئندہ اشاعت میں اس پر روشنی ڈالونگا۔ امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ سفر عراق شہادت عظمےٰ کا پیش خیمہ ہے اور (وفدیناہ بذبح عظیم) کی تفسیر کا وقت آپہنچا ہے۔ اسی مناسبت سے حضرتؑ نے مندرجہ بالا کلمات فرمائے تھے۔ مدعا یہی ہے کہ بیگمیں زنان و کودکاں اسی وقت دشمن کے ہاتھوں اسیر ہونگے جب ان کا کوئی سرپرست مرد باقی نہ رہیگا۔ یعنی سب کے سب شہید ہو چکے ہونگے۔ اور شہدائے کربلا میں خود امام حسین علیہ السلام بھی شامل تھے۔ فاضل جلیل آقائے محمد علی خلیلی نے اپنی کتاب زندگانیٔ حسینؑ ابن علیؑ (دو جلد۔ از نشریات شرکت تضامنی علمی۔ تہران۔ ایران) میں شہدائے کربلا کی تفصیل دیتے ہوئے بنی ہاشم کی تعداد تیس (۳۰) اور یاران و انصار امام حسینؑ کی تعداد ایک سو چار (۱۰۴) لکھی ہے جو حد اکثر ہے۔ میں یہ تفصیل یہاں لکھ دیتا۔ مگر یہ میرے مقالے کے موضوع سے خارج ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے عبداللہ بن مطیع سے ملنے کے بعد اپنا سفر جاری رکھا۔ راستے میں کچھ عرب ملے۔ آنحضرتؑ نے جب اُن سے وہاں کی وضعیت پوچھی تو انہوں نے عرض کی "واللہ ہمیں کسی جگہ کے متعلق کوئی خبر نہیں ہم فقط اتنا جانتے ہیں کہ ہم پر راستے بند کر دئے گئے ہیں اور ہم کو ورود و خروج سے روکا گیا ہے"

(۴) زرود۔ شرفیابیٔ زہیر بن القین نیک انجام در حضور امام حسین علیہ السلام۔ سفر کرتے کرتے امام حسین علیہ السلام زرود کی آبادی کے قریب پہنچ گئے اور وہیں قیام کیا۔ آنحضرتؑ نے دیکھا کہ ایک بڑا خیمہ نصب ہے اور نوکر چاکر خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ پوچھا یہ خیمہ کس کا ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ زہیر بن القین بجلی سے متعلق ہے۔ امام علیہ السلام نے اُسے بلا بھیجا۔ یہ خدا تعالےٰ کی شان ہے کہ جب بخت بیدار ہوتا ہے تو اسباب سعادت خود بخود بن جاتے ہیں لیکن جب قسمت میں نارِ جہنم لکھی ہو تو ابوجہل محمد مصطفےٰؐ کے حضور میں بھی ابوجہل ہی رہتا ہے۔ زہیر ابن القین اسی سال حج کے لئے مکہ مکرمہ گیا تھا اور زیارت حرم سے مشرف ہو کر واپس آرہا تھا۔ راستے میں اس نے سنا کہ امام حسینؑ بھی عازم عراق اور اس کے ہمسفر ہیں۔ زہیر اور اس کے خدمتگار حضرت عثمان بن عفان کے طرفدار تھے اور حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے ساتھ کوئی لگاؤ نہ رکھتے تھے۔ دوران سفر امام حسینؑ سے دور دور رہتا آخر چلتے چلتے یہ زرود پہنچے اور وہیں ٹھہر گئے۔ بعد میں امام حسین علیہ السلام بھی آ پہنچے اور آنحضرتؑ نے بھی یہیں قیام فرمایا۔ جب امام علیہ السلام نے زہیر کو ملاقات کے لئے بلایا تو وہ آنے میں جھجکا اور مائل نہ تھا کہ حضرتؑ کی خدمت میں آئے۔ اس کی عورت کو برا معلوم ہوا وہ بولی "سبحان اللہ۔ فرزند رسول خدا تمہیں بُلا رہے ہیں اور تم حاضر خدمت ہونے سے پہلو تہی و تخود داری

کررہے ہو۔ اگر وہاں جاکر حضرت کی فرمائش سنو اور واپس آجاؤ تو اس میں تمہارا کیا بگڑ جائیگا۔" زہیر سے کوئی جواب بن نہ آیا۔ نہایت جبر واکراہ نہایت بے دلی سے اٹھا اور امام حسینؑ کے حضور میں شرفیاب ہوا باتوں باتوں میں اس کو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بزرگانہ نصیحت یاد آگئی جس نے اس کی طبیعت میں انقلاب پیدا کردیا۔

بلنجر کی فتح کے بعد (بلنجر خزر کے شہروں میں سے ایک شہر ہے) جب مسلمان [غیر واضح] بیشمار مال غنیمت میں سے اپنا اپنا حصہ لیکر اظہار مسرت و خورسندی کررہے تھے تو سلمانؓ فارسی نے جو اس جنگ میں موجود تھے فرمایا تھا "اگر جنگ شباب آل محمدؐ را درک کردید در جنگ کردن در راہ او خورسند تر از حال باشید کہ بدین غنائم اظہار سرور میدارید۔" اگر شباب آل محمدؐ یعنی حسین علیہ السلام (اشارہ بحدیث نبوی الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ) کی جنگ (یزید کے ساتھ) کو تم نے پالیا یعنی تمہارے جیتے جی چھڑی تو اس کی راہ میں (شباب آل محمد امام حسینؑ کی راہ میں) شریک جنگ ہو کر تم اس وقت کہیں زیادہ خورسند و مسرور ہوگے بہ نسبت اس وقت کے کہ دنیوی مال غنیمت حاصل کرکے خوشوقتی و خورسندی کا اظہار کررہے ہو (کیونکہ آخرت کا ثواب دنیا کی جزا سے بہتر ہے) سلمان فارسیؓ کے یہ کلمات یاد آتے ہی زہیر کی سابقہ بے دلی و بے رخی از اہل بیت نبوت محبت اہل بیت میں بدل گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ کسب مثوبات اخروی جزائے دنیوی سے بمراتب بیشتر و بہتر ہے وہ خوشی خوشی اٹھا اپنے خیمے میں گیا اور نوکروں کو حکم دیا کہ میرا خیمہ اور تمام مال و اسباب امام حسین علیہ السلام کے خیموں کے نزدیک لے جاؤ۔ اس کے بعد اپنی عورت سے مخاطب ہوا اور کہا "میں نے تمکو طلاق دیا۔ تم بسلامت اپنے باپ کے گھر چلی جاؤ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم کو میری طرف سے سوائے خیر و خوبی کے کوئی اور چیز ملے میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ امام حسینؑ کے ساتھ ان کے ملتزم رکاب رہوں اور ان کی نصرت و یاری میں اپنی جان قربان کردوں میں نہیں چاہتا کہ تم میرے ساتھ آؤ۔" اس کے بعد زہیر نے اپنی عورت کے تمام شرعی حقوق جو اس کے ذمے تھے ادا کردئے اور اپنے ایک چچیرے بھائی کو تاکید کی کہ عورت کو اس کے باپ کے گھر اور قبیلے میں پہنچا دے۔ عورت نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اپنی جگہ سے اٹھی اور روتے ہوئے اپنے شوہر سے خدا حافظی کی اور کہا "خدا تمہیں جزائے خیر دے امید ہے مجھے نہیں بھولوگے میری یہ خواہش ہے کہ روز قیامت امام حسین علیہ السلام کے جد امجد کے حضور میں میرا بھی خیال رکھنا"۔ اس کے بعد زہیر اپنے یاروں اور ہمراہیوں سے مخاطب ہوا اور کہا "تم میں سے جو شخص میرے ساتھ آنا چاہے آسکے اور جو نہیں آنا چاہتا وہ جس طرف جانا چاہے

نوٹ: یہی زہیر جو ان دنوں اثنائے سفر میں امام حسینؑ سے دور دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ کربلا میں روز عاشور شہادت کے بعد آسمان امامت حقہ کے زیر سایہ بدر کامل کی مانند درخشاں ہوا۔

چلا جائے لیکن جدا ہونے سے پہلے میں تم کو ایک حکایت سناتا ہوں" ۔ زہیر نے سلمانؓ فارسی کی حکایت سنائی جو اوپر مذکور ہوئی ہے ۔ پھر کہا اب میں تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں ۔ یاروں سے خدا حافظی کر کے زہیر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور تادم شہادت ملتزم رکاب امامؑ رہا ۔

(۵) خزیمیہ ۔ امام حسین علیہ السلام زرود سے کوچ کر کے خزیمیہ کی آبادی میں پہنچے اور ایک دن رات وہیں متوقف رہے کوئی تازہ واقعہ پیش نہ آیا ۔

(۶) ثعلبیہ ۔ امام حسینؑ جب مکہ معظمہ سے حج کئے بغیر عازم عراق ہو گئے تو اہالی مکہ اور وہاں کی محافل خاص و عام سیاسی میں ایک ہل چل مچ گئی ۔ امام حسینؑ کوئی معمولی شخصیت کے آدمی نہ تھے کہ یہ خبر چھپی رہتی ۔ ابن کثیر از روایت ابو مخنف لکھتے ہیں کہ جب عبداللہ بن سلیمان و حذری بن قشعل (از بنی اسد) نے یہ خبر سنی تو ان کے اپنے قول کے مطابق دونوں حج سے فارغ ہو کر مکے سے چل پڑے تاکہ امام حسینؑ سے مل کر دریافت کریں کہ آنحضرت علیہ السلام اب کیا قدم اٹھانے والے ہیں ۔ آخر بڑی کوشش اور تگ و دو کے بعد وہ ثعلبیہ میں پہنچ گئے ۔ ادھر امام حسین علیہ السلام بھی عصر کے وقت ثعلبیہ کی آبادی کے نزدیک آ گئے اور ان دونوں نے حضرتؑ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا ۔ زرود کے قریب انہوں نے ایک عربی (اہل کوفہ) کو دیکھا تھا جو قبیلہ اسد سے تھا اور اس سے اوضاع کوفہ کے متعلق جویا ہوئے تھے ۔ اس عربی نے جواب میں کہا تھا "میں ابھی کوفے سے باہر نہیں نکلا تھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کو قتل کر کے ان کی لاشوں کو بازار میں گھسیٹتے لئے جا رہے تھے" ۔ عبداللہ بن سلیمان و حذری بن قشعل کہتے ہیں کہ جب ہم نے یہ خبر امام حسین علیہ السلام کو سنائی تو حضرت نے کئی بار فرمایا انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ اس کے بعد ہم نے عرض کی کہ "آپ کو خدا کی قسم اپنی جان کو اور اپنے اہل بیت کو ہلاکت میں نہ ڈالیں اور یہیں سے واپس ہو جائیں کیونکہ کوفے میں آپ کا کوئی مددگار اور پیرو نہیں ہے ۔ ہم ڈرتے ہیں کہ یہی اہل کوفہ آپ کے برخلاف قیام کریں گے" ۔

امام حسینؑ نے بنی عقیل کی طرف دیکھ کر فرمایا "جیسا کہ تم نے سنا ہے مسلمؑ کو شہید کر دیا گیا ہے اب تمہارا کیا خیال ہے ؟" بنو عقیل نے جواب دیا "بخدا ہم واپس نہیں لوٹیں گے جب تک کہ ہم دشمن سے انتقام نہ لے لیں یا یہ کہ ہم بھی مثل مسلم شہید کر دئیے جائیں" ۔ پس امام علیہ السلام نے رات وہیں ثعلبیہ میں گزاری ۔ دوسرے دن ایک شخص اہل کوفہ جس کی کنیت ابو ہرہ ازدی تھی حاضر خدمت امام علیہ السلام ہوا اور عرض کی "اے پسر پیغمبرؐ آخر کیا باعث ہوا کہ آپ حرم خدا اور حرم جد بزرگوار محمد صلی اللہ علیہ و آلہ سے نکل کر اس طرف تشریف لے آئے" ۔ امام علیہ السلام نے فرمایا "اے ابو ہرہ ۔ بنی امیہ نے میرے تمام املاک میری تمام دارائی لے لی میں نے صبر کیا ۔ انہوں نے میرے باپ اور میرے بھائی کو دشنام دی

شروع کیں میں نے صبر کیا۔ لیکن جب وہ میری جان لینے کا قصد اور میرا خون بہانے کا تہیہ کرنے لگے۔ تو میں حرمین سے باہر نکل آیا۔ بخدا یہ ستمگر اور متعدی لوگ مجھے مار ڈالینگے لیکن خدا انھیں بھی ان کو ذلیل اور شمشیر کو اُن پر مسلط کریگا اور کسی ایسے آدمی کو ان پر مقرر کریگا جو ان کو خوار و رسوا کرے تا اینکہ قوم سباء سے بھی ذلیل تر ہو جائیں جن پر ایک عورت حکمران تھی"۔ پس امام علیہ السلام نے کوچ کا حکم دیا اور غلاموں سے فرمایا کہ پانی کی زیادہ سے زیادہ مقدار اپنے ساتھ رکھیں (اب ثابت ہو گیا کہ امام علیم اور شہید علی الناس ہوتا ہے۔ اس منزل سے پہلے کیوں ارشاد نہیں ہوا کہ زیادہ سے زیادہ پانی اونٹوں پر بار کیا جائے۔ اس میں کیا راز ہے؟) آخر سفر کرتے کرتے زبالہ کی آبادی کے قریب پہنچ گئے۔

(۷) زبالہ۔ طبری لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ نے دوران سفر کسی ایک منزل سے عبداللہ بن یقطر کو جو حضرت کے برادر رضاعی تھے (بعض کا خیال ہے کہ برادر رضاعی نہ تھے۔ مادر عبداللہ بن یقطر حسینؑ کی پرستار تھیں حسین علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ کے سوا کسی غیر عورت کے پستان سے دودھ نہیں پیا) کوفے بھیجا تھا کہ وہ مسلم بن عقیل کو حضرت کے سفر عراق کی خبر پہنچا دے۔ عبداللہ مسلم کی شہادت کی ناگہانی اور حوادث طرق سے بے اطلاع تھے۔ لہٰذا وہ بدوں واہمہ سفر کرتے رہے تا آنکہ منطقہ محصور میں پہنچتے ہی گرفتار کر لئے گئے اور ان کو ابن زیاد کے پاس بھیج دیا گیا۔ ابن زیاد بن سمیہ نے حکم دیا کہ عبداللہ قصر دارالامارہ پر جا کر حسین علیہ السلام کو گالیاں دے۔ عبداللہ بن یقطر نے بھی قیس کی طرح پشت بام پر جا کر اہلِ کوفہ کو امام حسینؑ کی تشریف آوری کی اطلاع دی اور ابن زیاد اور اس کے باپ کو نا سزا کہا چنانچہ عبداللہ کو بھی قیس کی طرح پشت بام قصر سے گرا دیا گیا۔ امام حسینؑ ابھی زبالہ میں ہی تھے کہ آنحضرت کو عبداللہ یقطر کی شہادت کی خبر پہنچی۔ حضرت بہت متاثر ہوئے۔ اب کا رواق اہل بیت پر اہل کوفہ کی خیانت اور ان کی غداری کا ملام آشکار ہو گئی۔ اگرچہ پہلے بھی کوفیوں کی بدقولی اور بے ثباتی رسوائے عام ہو چکی تھی۔ لیکن ماموریت پر جا رہے تھے بجز تسلیم و رضا کوئی چارہ نہ تھا۔

جب تک امام حسینؑ مکے میں مقیم رہے حجازیوں اور اہل بصرہ کی خاصی جمعیت حضرت کے گرد جمع ہو گئی تھی۔ اور اس جمعیت میں سے بہت آدمی سفر عراق میں حضرت کے ساتھ ہو گئے تھے۔ راستے میں بھی بعض طالبان دنیا اس جمعیت میں شامل ہوتے گئے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ امام حسینؑ کوفہ میں پہنچتے ہی مسند نشین خلافت ہو جائینگے دشمن بھاگ گیا ہوگا وہ جتنا مال غنیمت ہاتھ لگیگا۔ بس پھر کیا۔ اللہ دے اور بندہ لے۔ جنگ و ستیزہ کا کسی کو وہم تک نہ تھا ان میں سے کوئی نہ جانتا تھا کہ حسین ذبح عظیم کا دعبہ پورا کرنے جا رہے ہیں۔ امام بعلم امامت کی رو سے سب کچھ جانتے تھے کہ مخلصانہ افراد کربلا میں پہنچ کر ہی امام کے پروگرام میں مخل ہوں گے جبھی آپ نے اس وقت

ایک مختصر تقریر فرمائی جو تمام کو سنا دی گئی جس کا مفہوم یہ تھا کہ ـــ

مجھے بڑی ہولناک اور بڑی بری خبر ملی ہے اور وہ یہ کہ مسلم بن عقیل و ہانی بن عروہ و عبداللہ بن یقطر قتل کر دیئے گئے ہیں اور اہل کوفہ و عراق نے ہمارے ساتھ خیانت کی ہے اور ہم سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ پس تم میں سے جو شخص جانا چاہے چلا جائے اس پر کوئی خوف نہیں ہے اور ہم اس کی گردن پر کوئی عہد و پیمان نہیں رکھتے (یعنی وہ مشغول الذمہ نہیں ہے) یار لوگوں نے جب سنا تو یہاں تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ آئے تھے مال غنیمت سمیٹنے اور یہاں جان ہی خطرے میں نظر آ رہی ہے تتر بتر ہو کر رفو چکر ہوئے اور صرف وہی ارواح سعیدہ، وہی نیک انجام اور نجیب الفطرت ہستیاں باقی رہ گئیں جو حقیقی معنوں میں پروانہ ہائے شمع امامت تھیں اور جو طلعت زیبائے حسین علیہ السلام پر جلنے مرنے کے لئے بیتاب اور موت کے انتظار میں گھڑیاں گن رہی تھیں علیہم السلام۔

بعض روایات کے مطابق امام حسینؑ ابھی زبالہ میں ہی تھے کہ کوفے سے [illegible] آ گئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے حضور میں شرف باریاب ہوئے اور انہوں نے مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر امام علیہ السلام کو سنائی مسلم نے شہادت سے پہلے وصیت کی تھی کہ اس کے قتل کی خبر امام حسینؑ کو پہنچا دی جائے اور اس کی (مسلم) طرف سے کہا جائے کہ امام علیہ السلام کوفے نہ آئیں۔

امام حسینؑ اپنے ارادے پر استوار رہے اور فرمایا "جو کچھ ہمارے مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا" اور اپنے سفر کو جاری رکھا۔ معروف ہے کہ فرزدق شاعر بھی فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد واپسی پر امام حسینؑ کی خدمت میں باریاب ہوا اور سلام عرض کرنے کے بعد کہا اے فرزند پیغمبرؐ آپ کس طرح کوفیوں پر اعتماد کر رہے ہیں؟ وہ تو وہی ہیں جنہوں نے مسلم بن عقیل اور ان کے یاروں کو قتل کر دیا ہے۔ امامؑ نے فرمایا "خدا رحمت کرے مسلم پر کہ وہ جوار حق میں داخل ہو گئے اور جو وظیفہ اس کے سپرد تھا وہ انجام دے دیا لیکن ہمارا وظیفہ ابھی باقی ہے اور ہم نے اس کو انجام دینا ہے۔ (اب شہادت کی طرف صریحی اشارہ ہو رہا ہے)۔

(۸) بطن عقبہ۔ کاروان اہل بیت نے زبالہ سے کوچ کیا اور سفر کرتے کرتے بطن عقبہ کے قریب پہنچ گئے۔ اس آبادی میں ایک عرب نے بتلایا کہ ابن زیاد کے سواروں نے راستے بند کر رکھے ہیں اور وہ کسی کو آنے جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ تاریخ طبری و ارشاد مفید میں مرقوم ہے کہ اس جگہ بنی عکرمہ کے ایک معمر شخص نے امام حسینؑ سے ملاقات کی اور پوچھا کہ حضرت کہاں کا ارادہ ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا عازم کوفہ ہوں۔ اس پیرمرد نے کہا میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اسی جگہ سے واپس چلے جائیں کیونکہ آپ اپنے رستے میں سوائے برچھی نیزہ و شمشیر کے کوئی اور چیز نہ دیکھیں گے۔ جو

(بقیہ صفحہ ۱۴۲ پر)

اسلامی معاشرہ المیہ کربلا کی روشنی میں

اجتماعی زندگی اور حسین علیہ السلام

[آخری قسط]

(از سید تصور حسین نقوی - فاضل شرقیات - حسن ابدال اٹک)

(سابقہ سلسلہ کیلئے دیکھو معارف اسلام محرم نمبر ۵۳ء)

اسلامی اجتماعی زندگی میں انتشار کا آغاز

اسلام سے پہلے عرب میں قبائلی نظام حیات کارفرما تھا۔ جبکہ "تاریخ تو یہ بتاتی ہے۔ کہ عرب کی بدویانہ ذہنیت کی پستی کا یہ عالم ہمیشہ رہا۔ کہ ان میں اجتماعی زندگی کے شعور تک کا فقدان تھا۔ ان کی نظروں نے قبیلہ سے بڑھ کر وطنی جمعیت تک کا بھی تصور نہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کسی قسم کے اجتماعی نظام کا سراغ نہیں ملتا۔ اور نہ ہی ان کے تمدن و معاشرت میں معاشری زندگی کی اجتماعی اقدار کا کوئی نشان پایا جاتا ہے۔ ہمیشہ اہل عرب طوائف الملوکی کا شکار رہے اور قبائل میں اقتدار کی جنگ شعلہ ریز رہ کر معاشرتی سکون کے خرمن امن کو جلاتی رہی۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ جہاں اجتماع، سوسائٹی، جمعیت اور معاشرے کے تصور کا ہی سرے سے فقدان ہو۔ وہاں نظام زندگی کا آئین و ضوابط سے آشنا ہونا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ ایسی لاابالی زندگی میں اخلاقی قدریں سرے سے مفقود ہوتی ہیں۔ ایسے افراد اور قبائل ایک وحشیانہ زندگی کے خوگر ہوتے ہیں۔ قتل و غارت، لوٹ مار، مار دھاڑ، یہ ان کے محبوب مشاغل ہوتے ہیں۔ گناہ و ثواب، نیکی، بدی، اچھائی برائی۔ ان میں سے کسی ایک چیز کا شعور تک ہی نہیں ہوتا ہے۔ عرب کا یہی عالم تھا۔۔۔ اور عرب کی اجتماعی زندگی کی یہی ابتر حالت تھی ۔۔۔ کہ اتنے میں مکہ کے افق سے آفتاب رسالت کا طلوع ہوتا ہے۔ جس کی نور بخش اور ضیا پاش کرنوں سے عرب کا چپہ چپہ روشن ہو جاتا ہے۔ ان منتشر و پریشان متفرق و سرگرداں جاہل عربوں کو اجتماعی زندگی کا شعور دیا جاتا ہے۔ "اخوت اسلامی" سے اس اتفاق کی انسانی برادری کی طرح ڈالی جاتی ہے۔ ایک اسلامی معاشرہ عالم وجود میں آتا ہے۔ جس کی اجتماعی و معاشرتی زندگی نے آگے چل کر انسانیت کے لئے نمونہ کامل بننا تھا۔۔۔! وحشی انسان الفت کی زنجیروں کو پہنتے ہیں، مروت کے رشتوں میں منسلک ہوتے ہیں۔ الفت کے روابط کو مضبوط کرتے ہیں اور وہ تمام کوششیں جو کفار قریش نے اس نظام حیات کو ناکام بنانے کی کی تھیں، ایک ایک کر کے ناکام ہو جاتی ہیں ۔۔۔ تو افتراق و نفاق کے یہ پرستار، کفر و بطلان کے یہ علمبردار، حالات سے مجبور ہو کر اسلام کے سامنے سپر انداختہ ہو جاتے ہیں اور اضطراری حالات میں اطاعت اختیار کر لیتے ہیں۔ بظاہر اسلام کو قبول تو کرتے ہیں ان کو اب سراسر گھاٹا نظر آتا ہے۔ اس لئے اظہار اسلام

کے بغیر کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا — ! اُموی سرداروں کو جب اس طرح اپنے ناپاک ارادوں میں بُری طرح ناکام و نامراد ہونا پڑا۔ اور ان کی پُر غرور گردنوں کو، اسلام کی تلوار یعنی اسد اللہ علیؑ کی ذوالفقار نے یا تو توڑ کر رکھ دیا، یا جھکنے پر مجبور کر دیا — تو گردنیں تو بے شک جھک گئیں لیکن دل اسی طرح سیخ رہے۔ اور اسلام سے عناد و دشمنی کو دلوں کی گہرائیوں میں چھپا دیا گیا — اور اندر ہی اندر انتقام کے جذبات ابلتے رہے، کینہ و عداوت کی دیگیں جوش کھاتی رہیں — بدسگالی اور بداندیشی کے فروزاں شعلے بھڑکتے رہے — لیکن چارۂ کار کی تمام راہیں مسدود ہو چکی تھیں — اب موقع کی تاک کی آرزو پر زندگیاں گزر رہی تھیں — اتنے میں معاشرہ اسلامیہ کو یہ روزِ بد دیکھنا پڑتا ہے کہ سرکارِ رسالت (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) دعوتِ حق کو لبیک فرما کر عقبیٰ کی ابدی راحتوں پر فائز ہوتے ہیں، حالات پیش کھاتے رہتے ہیں پھر کچھ سیاسی طالع آزما، بزرگ معاشرے کی قیادت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے میدان میں اُتر آتے ہیں — ان کا میدان میں اترنا تھا۔ کہ وہ تمام عناصر جو اسلام سے عناد و عداوت کی آگ چھپائے ہوئے تھے۔ ان کی بن آتی ہے۔ اسلامی صفوں میں انتشار سے ان کو خوشی حاصل ہونا فطری تھا، اور کبھی کے چراغ جلانے میں وہ حق بجانب تھے۔ ایسے تمام عناصر کا مفاد اسی میں تھا، کہ اسلامی معاشرہ کی زمامِ قیادت جہاں تک ممکن ہو ان ہاتھوں میں نہ جانے دی جائے۔ جو اس کے اہل و سزاوار ہیں۔ تاکہ ہم تخریبِ اسلام میں من مانیاں کرنے میں آزاد رہیں چنانچہ مختلف عناصر اپنے اپنے مفاد کے پیشِ نظر ایک ہو گئے۔ ان کے ایکا سے ان کو کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ یہ اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ وہ دین جو انسانی وحدت کا نصب العین لیکر اٹھا تھا۔ اس کی صفوں میں یہ انتشار — !! ہم اسلامی تاریخ کے اس نازک باب کا بیان ذکر کرنا مناسب خیال نہیں کرتے — بہرصورت بنی امیہ کے بوڑھے اور جہاندیدہ سردار نے اپنی سیاسی فہم و فراست کی ——— ایک گراں قدر قیمت پالی — شام کی حکومت — اس کے بیٹوں کی جاگیر قرار دے دی گئی۔ بظاہر ایک صوبہ پر قناعت کا اظہار — یہ مقصد لئے ہوئے ہے کہ ——— اُس کی سیاسی پیش بینی دیکھ رہی تھی، کہ یہ شام نہیں — تمام سلطنت اسلامیہ ہے — چنانچہ اس کی پیش بینی، تھوڑی مدت نہ گزرنے پائی کہ، ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آ گئی — اور دنیا نے دیکھ لیا کہ امیرِ شام نے کن کن حیلے بہانوں سے خلافت کا تاج و تخت حاصل کیا۔ اور آج وہ تمام مملکتِ اسلامی کا تاجدار ہے — ! امیر المومنین — خلیفۃ الرسول — کون ابوسفیان کا فرزند دلبند ——— !! انقلابات ہیں زمانے کے — !!!

بیٹے کو بھی اسلام سے اتنا ہی لگاؤ تھا، جتنا اس کے باپ کو ——— یہ دونوں باپ بیٹے آخر دم تک اسلام کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ آخر میں مجبور ہو کر اسلام کی اطاعت کر لی۔

زمانہ گذرتا گیا ــــــــ جونہی اقتدار حکومت کی باگ ڈور انکے ہاتھوں میں آئی دلی مقصد بر لانے کا وقت آگیا ۔ جمعیت اسلامی کے شیرازہ کو تار تار کرکے رکھ دیا ــ حضرت امیرالمومنینؑ نے ان کی شخصیت کی کتنے جامع اور مختصر الفاظ میں تصویر کھینچ کے رکھ دی ہے فرماتے ہیں ما اسلموا ولکن استسلموا و أسرّوا الکفر، فلما وجدوا اعواناً علیہ اظہروہ (یہ لوگ اسلام نہیں لائے تھے۔ بلکہ اطاعت کرلی تھی، اور دلوں میں کفر کو چھپائے رکھا تھا اب جبکہ یار و مددگار مل گئے۔ تو اسے ظاہر کر دیا) نہج البلاغہ جلد سوم مکتوب ۱۶)

جنہیں تاریخ اسلام کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اور انہیں قدرت نے یہ صلاحیت بھی دی ہے کہ واقعات اور ان کے اسباب و علل کی کڑیوں کو باہم جوڑ کر نتائج اخذ کر سکتے ہیں انکے سامنے بنو امیہ کے مقاصد کا کوئی پہلو ڈھکا چھپا مخفی و پوشیدہ نہیں انکی خلاف اسلام سرگرمیوں نے نہ صرف اس وقت اسلامی جمعیت کو جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جھونک کر آتش بداماں کر دیا۔ بلکہ اسلامی معاشرے کے تار و پود کو ایسا پارہ پارہ کیا کہ آج تک اسلامی اجتماعی زندگی کے نظام کا خواب، خواب پریشاں ہوکر رہ گیا ہے اور اس کا شرمندۂ تعبیر ہونا نظر نہیں آتا۔ اموی اقتدار کے لئے امیر شام نے وہ وہ کام کئے۔ جن کے تذکرہ سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اصحاب رسول اور صلحائے امت کا خون کوئی معمولی بات نہیں اور یہ تاریخی حقائق مٹانے سے نہیں مٹ سکتے۔ بنی امیہ کی ملوکیت کا ایسا سنگ بنیاد رکھا۔ کہ صدیوں ملوکیت کی لعنت مسلمانوں کے سروں پر مسلط رہی۔ اور انسانی حریت کو فنا کی گھاٹ اتار کر رکھ دیا گیا ــ!

ــ بنو معاویہ کی برسر اقتدار آنے کی داستان "تاریخ اسلامی" کے کسی ادنیٰ طالب علم سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ بادشاہت کی چاہت میں جن گمراہیوں اور پستیوں پر انہیں اترنا پڑا۔ وہ ایک روشن حقیقت ہیں۔ ان کی سیاسی سوجھ بوجھ غلط سیاست یعنی ڈپلومیسی کے گرد گھومتی رہی۔ اور مطلب برآری کا بڑا نصب العین رہا۔ انہیں یہ پرواہ نہیں تھی کہ اس کام میں اجتماعی و اسلامی مفاد کو کتنا دھچکا لگتا ہے امیر شام نے جب اپنے لئے تاج و تخت کو اس نے محفوظ کر لیا۔ تو اسے یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ جس سلطنت کو آخرت کا خیال کئے بغیر حاصل کیا ہے۔ یہ میرے افراد خاندان، اولاد و احفاد کی جاگیر رہے۔ چنانچہ اس فکر نے اس سے دن کا چین اور رات کا سکون چھین لیا تھا ہر وقت وہ اسی ایک فکر میں غلطاں و پیچاں رہتا۔ خواب و خور، راحت و آرام، اطمینان و طمانیت اس پر حرام ہو چکے تھے ۔ وہ سوچتا تو صرف یہی سوچتا کہ وہ اپنے بعد یزید کو مسند حکومت پر کیونکر اور کیسے بٹھا سکتا ہے۔ کیونکہ یزید کی لاابالی زندگی نے اسے اتنا بے پرواہ کر دیا تھا۔ کہ

کہ وہ مصلحت کوشی کے پردوں میں اپنے آپ کو چھپانے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتا تھا، کہ ظاہری رکھ رکھاؤ کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ اس کے اُس کا والد اسلام ہی کے نام کے ماتحت وہ سب کچھ کرنے کے حق میں تھا ——— یزید اپنی افتاد طبیعت میں اسے ایک بے معنی تکلف سمجھتا تھا۔ معاویہ نے اپنے اس لاڈلے فرزند کو ہر چند اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی لیکن بیٹے کو اس بات میں اپنا ہم خیال نہ بنا سکا کہ تمام امور پس پردہ انجام دیئے جائیں اور اپنے کردار کو پردوں کے پیچھے چھپا دیا جائے۔ تاہم معاویہ اپنی لگن میں مگن رہا۔ اور سیاست کے داؤ پیچ لڑاتا رہا۔ اس نے حوصلہ کر کے یزید کی تخت نشینی کے خیال کو لوگوں کے سامنے پیش کر ہی دیا۔ اور بڑی ہوشیاری سے عمومی ردِ عمل کو مطالعہ کرتا رہا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے بخوبی اندازہ کر لیا کہ اس مہم کو سرانجام دینے کی خاطر کن عناصر سے مدد لی جا سکتی ہے کہاں کہاں سے مخالفت ہوگی۔ اور اس کے لئے راہِ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حالات کا جائزہ لے کر اس نے عملی طور پر اپنی مہم کا آغاز کر ہی دیا۔ مغیرہ ابن شعبہ کو اپنے ذاتی وسیاسی مفاد کے لئے معاویہ کی خوشنودی ورضا جوئی مطلوب تھی۔ اور معاویہ کی دلی پریشانیوں کے راز سے وہ واقف تو تھا ہی، اس نے جس ڈرامائی انداز میں معاویہ و یزید سے الگ الگ ملاقاتیں کر کے ان کو عملی اقدام پر آمادہ کیا، اور قیمتی خدمات کی پیش کش کی، وہ سب جانتے ہیں، اور اس نے کن کن طریقوں سے لوگوں کو ہموار کرنے کی مہم کا آغاز کیا۔ یہ تاریخ میں آج تک محفوظ ہے۔ زیاد اور اس قسم کے افراد سے معاویہ کی ملاقاتیں ——— پھر معاویہ کا اس مقصد کے لئے دورے کرنا مکہ و مدینہ میں ورود یہ سب طویل داستانیں ہیں ——— اور جو افراد یزید کی تخت نشینی کے سیاسی پس منظر سے واقف ہونا چاہتے ہیں، ان کے لئے تاریخ کے اوراق کھلے پڑے ہیں۔ بہر نہج معاویہ نے اپنی مخصوص صلاحیتوں، سیاسی حکمت عملی کی تمام ترکیبوں کو کام میں لا کر، زر پاشیوں، سیاسی رشوتوں اور ہر نوعیت سے غیر پسندیدہ حربوں سے مقصود کو پا لینے کی سر توڑ کوششیں شروع کر دیں۔ مخالف قوتوں کو یا تو کسی نہ کسی طریقہ سے ہموار کر لیا گیا، یا ان کو راستہ سے ہٹانے کی خاطر خفیہ ریشہ دوانیوں سے کام لیا گیا۔ کسی کو زہر نے موت کی نیند سلا دیا، تو کسی کو تلوار کی باڑھ نے جھکنے پر یا مر مٹنے پر مجبور کر دیا۔ معاویہ کو اپنی اس مہم میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اور یزید بالآخر خلافت کی مسندِ اقتدار پر بیٹھ ہی گیا ——

(یزید کا کردار (تاریخ کے آئینہ میں)

یزید (ابن) معاویہ ابن ابو سفیان کا بیٹا اور ابو سفیان ابن اُمیہ کا پوتا تھا۔ الولید مسرالابیہ

ابتدائے اسلام کے غزوات کا نقشہ ہمارے سامنے ہے یزید نے آخر کیسا ہونا تھا۔ توارث
صفات ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ پھر سیرت و کردار میں ماحول اور تعلیم کے اثرات بھی مسلمہ ہیں یزید
ماحول کیسا نصیب ہوا۔ شاہی ناز و نعمت میں اس کی جوانی پروان چڑھی، درباری ماحول جس
میں کسرویت، قیصریت کے تمام ساز و سامان جمع کر دئے تھے۔ پھر شام کا دینی ماحول، بنی امیہ
جیسے دشمنان خدا و رسول کی رات دن کی صحبتیں، اوباش قسم کے نوجوانوں سے اٹھنا بیٹھنا۔
تعلیم کے لئے جس استاد پر معاویہ کی نظر انتخاب پڑتی ہے، وہ بھی عیسائی جس قسم کی تعلیم اس نے
دی تھی، دی۔ ایک کریلا دوسرے نیم چڑھا۔ خاندان بنو امیہ کا چشم و چراغ،
اس پر خارجی اثرات کا یہ عالم، سونے پر سہاگہ واقع ہوئے۔ اور یزید ایسا رنگین مزاج شہزادہ
بن کر نکلا، جس کے سامنے شاہد لالہ رخ، دختر رنگین، رقص و سرود، عیش و عشرت اور لہو و لعب
ہی زندگی کا کوئی دوسرا مفہوم تھا ہی نہیں۔ اجتماعی زندگی کے انسانی تقاضوں کو سمجھنے کا خواب
اس کے اجداد کو بھی نہ آیا تھا، اس کے سامنے اسلامی معاشرے کا تصور ایک بے معنی بات
تھی۔ انسانی اخوت اس کے پر غرور دماغ میں کب اور کیونکر سما سکتی تھی، اسلام کے ساتھ عناد
و دشمنی وہ اپنی گھٹی میں لے کر پیدا ہوا تھا۔ حق و صداقت، نیکی و تقویٰ، صلاح و فلاح سے اسے
بڑا بیر تھا۔ جب اس نے مسند حکومت پر قدم رکھا، تاج و تخت کو اپنے تصرف میں دیکھا، اپنی حدود
سلطنت کی وسعت پر ایک نظر کی، اپنے اشارے پر لاکھوں تلواروں کو نیام سے باہر آتے دیکھا، اور
یہ بھی دیکھا کہ حکومت کے بھرپور خزانے اس کے دست تصرف میں ہیں۔ غرور و تکبر نے اس کو بہکا
دیا۔ اور اقتدار کے نشہ نے اسے بدمست کر دیا۔ اور اس نے اسلام سے اپنی دشمنی کا اظہار کھلے بندوں
شروع کر دیا۔ مے رنگین کے دور چلنے لگے، شاہدان بازاری کے جسم تھرکنے لگے، رقص و سرود کی
محفلیں گرم ہوئیں، موسیقی کی مجالس میں نغمات سے دل بہلانے کی خاطر نغمہ و سرود کو گرم بازاری
ملی یہ ہمارا کہنا نہیں۔ بلکہ تاریخ اسلام کے اوراق یزید کے فسق و فجور کے واقعات سے بھرے ہیں۔
بہت سے علمائے اسلام اس کے کفر و نفاق کے معترف ہیں۔ اگر تمام تاریخوں کے مندرجات کو جمع
کیا جائے اور علمائے اسلام کے تاثرات کا ذکر کیا جائے، تو اس کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت
ہے۔ ہم ایک دو واقعات کا اجمالی تذکرہ پر اکتفا کرکے اپنے مقصود کی جانب بڑھنا چاہتے ہیں یہی
یزید کی شخصیت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔ جو تفصیل کے طالب ہیں وہ خود تاریخ کا
مطالعہ اور غور کر کے اندازہ فرما سکتے ہیں کہ یزید کس کردار کا مالک تھا۔ اگر یزید کا یہ کردار اس کی ذات
تک محدود ہوتا۔ اور اس سے اجتماعی زندگی متاثر نہ ہوتی۔ تو شاید اتنا قابل گرفت نہ ہوتا لیکن جب
وہ مسند خلافت پر جا بیٹھا اور اسلام کی تخریب و تکذیب کی کوششوں سے اس کی بدکرداری کے شرار

کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ اجتماعی زندگی اس سے متاثر نہ ہو۔ یا معاشرہ پر اس کے اثرات بد اثر انداز نہ ہوں۔ اجتماعی زندگی جس کو اسلام نے انتہائی جانفشانیوں سے نوع انسانی میں رواج دیا تھا۔ اس کی بنیادیں یزید کے ہاتھوں منہدم کی جا رہی تھیں اور تمدن اسلامی کو بیخ و بن سے اکھاڑا جا رہا تھا۔ انسانی آزادیوں کا سر کچل کے رکھ دیا گیا تھا۔ یہ سب کچھ یزید کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ جو تاریخ اسلامی کا ایک ناپسندیدہ کردار ہے۔ جس کی تصویر کشی تاریخوں نے ان الفاظ میں کی ہے۔

یزید کا حج بیت اللہ: یزید اپنے باپ کے زمانہ میں حج کے لئے (کسی سیاسی مصلحت کے پیش نظر) آیا تو حرم کعبہ میں ہی شراب کا دور چلا (گویا دور جاہلیت کے عکاظ کا تصور تھا) یہ حالات مدینۃ الرسول میں بھی پیش آئے۔ اتفاق سے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ عین اس وقت تشریف لے آئے۔ جب جام شراب گردش میں تھا اور مے آشامی کی محفل گرم تھی۔ ابن عباس نے ملاقات کی اجازت چاہی۔ یزید کو یاروں نے کہا کہ اگر ابن عباس اس حالت میں اندر آئے۔ تو وہ شراب کی بو سے بھانپ جائیں گے۔ اس لئے ان کا آنا مناسب نہیں ہے کچھ وقت ٹال دئے گئے۔ جب باریابی کی اجازت ملی۔ اندر آئے تو انہیں بو آئی۔ دریافت کرنے لگے یہ عجیب سی بو ہے بھئی یہ کیا چیز ہے؟ یزید کہا کہ ایک مفرح شربت ہے جو شام میں بنتا ہے۔ ایک پیالہ اسی وقت منگوایا۔ اسے پی لیا۔ پھر دوسرا طلب کیا۔ اور آگے بڑھا کر کہا کہ پیو — کہا میں نہیں پی سکتا۔ مجھے معاف رکھا جائے۔ یزید نے گنگناتے ہوئے کچھ اشعار پڑھے۔ "میں نے تمہیں دعوت دی تم نے رد کر دی۔ میں نے تمہیں عیش و طرب کی طرف بلایا۔ تم نے اسے قبول نہ کیا۔" (تاریخ کامل جلد ۴)

واقدی کی شہادت: واقدی نے متعدد طریق سے یہ روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ نے بیان کیا ہے کہ بخدا ہم نے ایسی حالت میں یزید پر خروج کیا۔ جب ہمیں خوف ہو گیا تھا کہ کہیں ہم پر آسمان سے پتھر نہ پڑنے لگیں۔ غضب ہے کہ یزید اپنی امہات الاولاد (سوتیلی ماؤں) اپنی بیٹیوں تک کی حرمت کا خیال نہ کرے اور شراب پئے۔ نماز چھوڑ دے — یزید نے ان سب کا ارتکاب کیا۔ ذہبی لکھتے ہیں "کہ جب یزید اہل مدینہ کے ساتھ اس بری طرح پیش آیا اس پر طرہ یہ کہ شراب تو پیتا ہی تھا، اور بھی ہزاروں منکرات کا ارتکاب کرنے لگا۔ تو عام طور پر لوگوں میں سخت برہمی پھیلی اور بہتیروں نے اس پر خروج کیا۔"

اور شہادتیں —! "یزید اول درجہ کا بدکردار تھا۔ برابر شراب پیتا تھا۔ اس کے باپ معاویہ نے اس کی خوشامد کی کہ بیٹا خوب شراب پیو۔ مگر سب کے سامنے نہ پیا کرو۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۳۳)

"معاویہ کے مرنے پر اس کا بیٹا یزید بادشاہ ہوا جو دن رات کھیل کود، سیر و شکار، شراب و کباب، زنا و عیاشی میں ڈوبا رہتا تھا"۔ (تاریخ فخری ص۸۳)

علامہ مسعودی نے لکھا ہے: "یزید عیاشی و فسق و فجور، کتوں، بندروں کی بازی اور دوسری شیطانی حرکات میں ڈوبا رہتا تھا۔ اس کے زمانے میں مکہ و مدینہ میں بھی ناچ گانے کا رواج ہو گیا تھا اور کھلم کھلا شراب پینے لگے تھے، یزید کو علماء و پیشوایانِ دین سے اتنی نفرت تھی کہ اس کے پاس ایک بندر تھا جس کو علماء و محدثین کا لباس پہنا کر گدھے پر پھراتا تھا (مروج الذہب بر حاشیہ تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۶ ص۱۴۲) نیز مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے "کہ جب یزید اور اس کے مصاحبوں کا ظلم و ستم عام ہو گیا، اس کا فسق و فجور شائع ہو گیا۔ اس کی فرعون پرستی اچھی طرح کھل گئی، بلکہ فرعون تو یزید سے کہیں بہتر اور انصاف ور تھا، تو مدینہ والوں نے اس کے حاکم کو نکال دیا (مروج الذہب جلد۲ ص۔۔)

علامہ ابو الفدا نے لکھا ہے: "یزید اول نمبر کا شراب خوار تھا۔ بلکہ شراب خواری میں ڈوبا رہتا تھا۔ طبلہ و سارنگی و آلات عیاشی میں پڑا رہتا تھا۔ (تاریخ ابو الفدا جلد ا ص۱۸۶) اس دور کے "حکیم الامت" علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کا خیال ملاحظہ ہو:-

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید
این دو قوت از حیات آمد پدید

یزید اپنے اشعار کے آئینے میں —— یزید کا دربار لگا ہوا ہے۔ حضرت امام حسین —— ذبیح نینوا —— علیہ السلام کا کٹا ہوا سر ایک طشت میں رکھا ہے۔ یزید کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہے فرزند رسول کے دندان مبارک سے بے ادبی کرتا ہے۔ نشۂ اقتدار، غرور و پندار، اس پر مے لعل گوں کا خمار، اپنی مسرتوں کا اظہار کرتا ہے۔ جذبات و احساسات کا پیمانہ چھلک پڑتا ہے اور قلبی کیفیات اشعار کی صورت میں باہر ٹپک پڑتے ہیں —— گویا یزید اپنے اصلی روپ میں باہر آ جاتا ہے۔ سنئے یزید کے دلی تاثرات اور اس کی اسلام دشمنی کا اندازہ کیجئے —— !!

لیت اشیاخی ببدر شہدوا
جزع الخزرج من وقع الاسل

لاھلوا و استھلوا فرحا
ثم قالوا یا یزید لا تشل

قد قتلنا القرن من ساداتھم
وعدلنا قتل بدر فاعتدل

لست من عتبة ان لم انتقم
من بنی احمد ما کان فعل

لعبت ھاشم بالملک فلا
ملک جاء ولا وحی نزل

"کاش۔! آج وہ میرے بزرگ (کفار) جو جنگ بدر میں مارے گئے، موجود ہوتے تو خوش ہو کر سب کے سب مجھ کو داد دیتے۔ کہ میں نے رسول کے خاندان سے کیسا اچھا بدلہ لیا۔ میں نے ان کے چنے ہوئے بزرگوں کو قتل کیا، جنگ بدر کا بدلہ لیا۔ اور بدلہ و انتقام خوب ہی پورا ہو گیا۔ اگر میں

رسول خدا کی اولاد سے اس قدر انتقام نہ لیتا، تو عتبہ کے خاندان میں شمار ہونے کے قابل ہی نہ رہتا
درحقیقت بنو ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے، ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ محمدؐ کے پاس
کبھی کوئی فرشتہ نہ آیا۔ اور نہ کبھی کوئی وحی نازل ہوئی"۔ (کتاب وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ
ص۹۹ مفتاح النجاۃ الاتحاف مطبوعہ مصر ص۱۸ تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۱ ص۳۵۸)

اب یزید کے کردار کے "تاریک پہلو آپ کے سامنے ہیں۔ اس کی زندگی کا کوئی روشن پہلو ہے
ہی نہیں۔ اس لئے تاریخیں خاموش ہیں مسند خلافت پر ایسے کفر پیشہ، عیاش اور بے دین کا قابض
ہوجانا۔ اسلامی معاشرے کی زندگی کے لئے کتنا خطرناک تھا۔ اجتماعی زندگی کی رگ حیات کو کاٹ کر اس
نے رکھ دیا تھا آزادی افکار و کردار کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ حریت فکر کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا۔ اخوت
اسلامی کا نام و نشان مٹا کر رکھ دیا گیا تھا۔ وہی طبقات کی برتری و عظمت کا غیر اسلامی نظام از سر نو
رائج ہو چکا تھا۔ یزید نے ارادہ کیا اور مصمم ارادہ کیا کہ وہ اپنی مادی طاقتوں کے سہارے اور فرعونی
وطاغوتی طاقتوں کو بروئے کار لاکر اسلامی نظام زندگی کو صفحہ روزگار سے نیست و نابود کر دے۔
اور عرب کے جاہلانہ تمدن کو نئے سرے سے زندہ کر دے۔ اگر اس کا بس چلتا۔ تو اس نے اپنی مذموم
کوششوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، کعبہ کو منہدم کیا، حرم نبوی مدینۃ الرسول کو تاخت و تاراج کیا
مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے۔ ہزاروں صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین، اخیار و ابرار اہل مدینہ کو
قتل وغارت کیا۔ ظلم و ستم کی حد ہو گئی پاکدامن صحابہ زادیوں کی عفت و حرمت کا خیال نہ کیا گیا اس
درندگی۔ شقاوت اور ظلم و ستم کی انتہا یہ ہے کہ اس نے اہلبیتؑ نبوت کو بڑی بے دردی، بے رحمی
اور شقاوت سے قتل کرایا۔۔ اس کی انتقامی آتش غضب نے اس پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ نبی زادیوں
کو ترک و دیلم کے قیدیوں کی مانند بے مقنعہ و چادر۔ قریوں، قصبوں، شہروں، بازاروں اور
درباروں میں تشہیر کیا۔۔ نبی کی نواسیاں فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی بیٹیاں رسن بستہ
ننگے سر بے مقنعہ و چادر یوں تشہیر ہوئیں۔۔ ! اس سے بڑھ کر انسانی حقوق کی پامالی کا تصور
ہی نہیں۔۔ ان مظالم کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔
اور رو رو کے بے ساختہ چیخ آہ۔۔ ؎

شامیاں بستند بازو زینبؑ و کلثومؑ را

استقامت علی الحق —— (حسینؑ کا ثبات و استقلال)

جب چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔ اجتماعی زندگی کا تار و پود۔ تار تار کر
دیا گیا۔ اسلامی معاشرے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا گیا۔ معاشرت اسلامی کی بنیادوں کو منہدم
کرنے کے لئے یزید ایسے سفاک وحشی کے ہاتھ بڑھنے لگے۔ تو اسلامی دنیا کا یہ عالم تھا۔۔ کہ

چاروں طرف سے خاموشی، ذاتی مفاد، شخصی اغراض نے اپنی خیر منانے ہی میں بہتری دیکھی حمیت دینی کی بے حسی کا جنازہ ہی اٹھ چکا تھا۔ یزید۔ کی بے باکی بڑھتی جارہی تھی، اسلامی تعلیمات کی ٹمٹماتی شمع، چراغ رہگذر رہتی۔ یزیدیت کے جھکڑ، اموی فساد باطل کے تیز جھونکے اسے بجھا ہی دیتے، لیکن رسول خدا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیارا نواسا۔ حسینؑ ابن علیؑ۔ آگے بڑھتے ہیں۔ یزیدیت کے طوفان کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ اپنی بے پناہ شجاعت، عدیم النظیر استقامت اور فقید المثال استقلال سے۔ کفر و باطل کے ناپاک عزائم کو ایسی شکست فاش دیتے ہیں۔ کہ قیامت تک باطل کو سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔!

حسینؑ۔ رسول عربیؐ۔ فداک ابی وامی کا فرزند، بتولؑ عذرا سیدہ فاطمہ زہراؑ کا دلبند۔ شیر اسلام علیؑ ابن ابیطالب کا بیٹا۔ بنی ہاشم کے شہرہ آفاق خاندان کا چشم و چراغ۔ اسلامی تعلیمات کا فطری عالم۔ حسینؑ کی شخصیت اگر تمام دنیا میں بلند نہ ہو تو کس کی ہوگی۔ جسے تربیت کے لئے آغوش رسولؐ، پرورش کے لئے دامانِ بتولؑ، تعلیم و تعلم کے لئے علیؑ "ایسا عالم علم لدنی، باب مدینۃ العلم رسولؐ۔ باپ کا سایہ۔ مدینہ طیبہ کا دینی ماحول، جہاں علم و عمل ہی کے ہر وقت چرچے ہوں۔ ایسے پاک و پاکیزہ ماحول میں پروان چڑھ کر حسینؑ کی شخصیت کی تعمیر ہوئی تھی اور ایسے ہی مقدس و طاہر سانچوں میں ان کی سیرت و کردار ڈھل کر نکلی تھی۔ حقیقت ہے۔ کہ حسینؑ کی ذات میں وہ تمام خوبیاں جمع تھیں، جو رسولؐ خدا، علیؑ مرتضٰی اور سیدہ فاطمہؑ زہرا میں۔ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسینؑ کی زندگی کا ہر ورق ایسے سدابہار پھولوں کا گلدستہ ہے جس میں نیکی و صلاح کی زنگینیاں و رعنائیاں ہیں۔ تو تقویٰ و تقدس کی خوشبو بسی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کا یہ پیارا فرزند، بچپن میں اگر یتیم، مسکین اور اسیر کو روٹیاں دے کر فقر و فاقہ میں صائم و روزہ دار نظر آتا ہے۔ تو شباب و شیب میں بھی مساکین و غربا سے محبت میں فرق نہیں آتا۔ فقرائے مدینہ کا ماوا و ملجا یتیموں و بے نواؤں کا تکیہ و سہارا یہی حسینؑ ابن علیؑ ہے۔ بچپن میں روزہ رکھنے والے زندگی کی ہر منزل میں صائم الدہر نظر آتے ہیں، شعائر اسلامی کے عشق کا یہ عالم ہے کہ ہزاروں سواریوں کے ہوتے ہوئے پا پیادہ حج کئے جاتے ہیں۔ عبادت کا یہ عالم ہے کہ راتیں ذکر خدا سے بسی ہوئی ہیں۔ جب دنیا خواب راحت کے مزے لوٹ رہی ہوتی ہے۔ ساری کائنات خاموش بس آسمان پر تارے ہی جھلملا رہے ہوتے ہیں۔ لیکن نبی کا یہ لال۔ مناجات میں۔!! مضطرب و بے چین۔ اللہ تعالٰی۔ کے دربار میں ہو رہا پورا انکسار۔ صفحہ، معتبر کتب احادیث کی ذیا تی عَنِ الصَّادِقِ (علیہ السلام) اَنَّهُ قَالَ اِنَّ الْحُسَيْنَ وَ اَنَسَ بن مالک سائران فاتیا قبر خدیجة فبکی الحسینؑ۔ حضرت صادق علیہ السلام

سے منقول ہے کہ ایک روز فرزند رسول، امام حسینؑ اور انس بن مالک کہیں جا رہے تھے ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؑ مادر گرامی جنابِ سیدہؑ کی قبر مقدس پر پہنچے۔ تو حسینؑ روئے۔ ثُمَّ قَالَ اِذْهَبْ عَنِّی ۔۔ انس بن مالک سے کہا فرمایا۔ ذرا میرے پاس سے الگ ہو جاؤ۔ انسؓ آپ سے جدا ہوا، قریب ہی چھپ کر بیٹھ رہا کہ دیکھوں حضرت کیا کرتے ہیں۔ فَلَمَّا طَالَ وَقُوفُہٗ فِی الصَّلٰوۃِ سَمِعْتُہٗ قَائِلاً ۔ انس کہتے ہیں کہ میں دیر تک دیکھتا رہا کہ حضرت نماز میں مشغول ہیں ۔۔۔ طویل وقفہ کے بعد درگاہِ قاضی الحاجات میں زبان مناجات کو کھولا ۔ اور عرض کرنے لگے ۔۔۔!

حسینؑ کی مناجات !

یَا رَبِّ یَا رَبِّ اَنْتَ مَوْلَاہٗ فَارْحَمْ عُبَیْدًا اِلَیْکَ مَلْجَاہٗ

(اے میرے پروردگار ۔ اے میرے پالنے والے ۔! تو ہی میرا آقا و مولا ہے ۔ میں تیرا عبد، غلام اور حقیر بندہ ہوں۔ تیری ہی بارگاہ عظمت و جلال میں پناہ لایا ہوں ۔ تو ہی میرا ماوا و ملجا ہے ۔ رحم کر ۔ رحم ۔ !! اے ارحم الراحمین) ۔

یَا ذَا الْمَعَالِیْ عَلَیْکَ مُعْتَمَدِیْ طُوْبٰی لِمَنْ کُنْتَ اَنْتَ مَوْلَاہٗ

(اے شرف و عظمت، جبروت و قدرت کے مالک آقا ۔! تو ہی محل اعتماد ہے ۔ تکیہ و بھروسہ کے لائق ہے ۔ خوشحال اس بانصیب بندے کا جس کا تو آقا و مولا ہو ۔ کتنا اچھا نصیبہ ہے اس غلام کا، جس کا تو آقا ہو)۔

طُوْبٰی لِمَنْ کَانَ خَادِمًا اَرِقًا یَشْکُوْا اِلٰی ذِی الْجَلَالِ بَلْوَاہٗ

(خوشحال ۔! تیرے اس مطیع و فرمانبردار بندے کا جو تمام رات تیرے خوف میں بیدار رہے اس کی آنکھیں تیری آرزو میں نیند کے خمار سے بوجھل نہ ہوں، اپنی بلا و مصیبت کی زبان شکوہ، سوائے تیرے کسی کے سامنے نہ کھولے) ۔

وَمَا بِہٖ عِلَّۃٌ وَّلَا سَقَمٌ اَکْثَرُ مِنْ حُبِّہٖ لِمَوْلَاہٗ

(کوئی بیماری و آزار، کوئی رنج و محن اور کوئی مرض و سقم تیرے بندے کو، تیری محبت و الفت کے سوا نہیں ہے ۔ اگر وہ بندہ بیمار ہے تو محض تیری محبت کا اسے روگ ہے، اور اگر کرب و بے چینی میں تڑپ رہا ہے ۔ تو تیرے عشق نے بے تاب کر رکھا ہے)

اِذَا اشْتَکٰی بَثَّہٗ وَغُصَّتَہٗ اَجَابَہُ اللّٰہُ ثُمَّ لَبَّاہٗ

(تو ایسا آقا و مولا ہے ۔! کہ جب بندہ تیرے حضور میں اپنے رنج و الم کی شکایت لاتا ہے تو تو ازراہِ بندہ نوازی اسے جواب دیتا ہے، اے میرے بندے ۔ میں تیری حاجت روائی کو حاضر ہوں

اِذَا ابْتَلَا بِالظَّلَامِ مُبْتَهِلاً ۔ اَکْرَمَهُ اللّٰهُ ثُمَّ اَدْنَاهُ

(خداوندا! ۔ تو ایسا بندہ نواز ہے کہ جس وقت تیرا بندہ، تیرہ و تاریک راتوں کے پردوں میں، دست تضرع تیری بارگاہ قدس میں دراز کرتا ہے تو تُو اپنے لطف و کرم سے اسے عزت و بزرگی عطا کرتا ہے اور اپنے قرب میں اسے جگہ دیتا ہے)۔

— کیا حسین علیہ السلام کی یہ پر اثر دعا فضا کی وسعتوں میں گم ہو کر رہ گئی —؟ یا اجابت کے پردوں سے ٹکرائی —؟ انس بیان کرتے ہیں کہ حضرت مناجات میں ہی ہمہ تن مصروف تھے کہ غائب سے یہ ندا آئی — کہنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ لیکن جواب میں گوینده کے یہ اشعار تھے

لَبَّیْکَ عَبْدِیْ وَاَنْتَ فِیْ کَنَفِیْ ۔ وَکُلَّمَا قُلْتَ قَدْ عَلِمْنَاهُ

(حاضر ہوں اے میرے بندے —! تو میری پناہ میں ہے اور جو مناجات تو نے میری بارگاہ میں کی ہے، میں نے سنی اور مطلع ہوا)۔

صَوْتُکَ تَشْتَاقُهُ مَلَائِکَتِیْ ۔ فَحَسْبُکَ الصَّوْتُ قَدْ سَمِعْنَاهُ

(اے میرے بندے تیری آواز کے میرے ملائکہ بھی مشتاق ہیں۔ تیری وہ آواز کافی ہے جو ہم نے اور ملائکہ نے بھی سنی)

دُعَاکَ عِنْدِیْ یَجُوْلُ فِیْ حُجُبٍ ۔ فَحَسْبُکَ السِّتْرُ قَدْ سَفَرْنَاهُ

(اے حسینؑ —! تیری دعا ہمارے حجاب ہائے قدرت سے ٹکرائی ہم تیری حاجت روائی کے لئے بس ہیں۔ ہم نے حجاب تیرے روبرو سے اٹھا لئے)

لَوْ هَبَّتِ الرِّیْحُ مِنْ جَوَانِبِهٖ ۔ خَرَّ صَرِیْعًا لِمَا تَغَشَّاهُ

(تیرے خشوع و خضوع اور حضور قلب کا یہ عالم ہے کہ ہوا کا بھی تیرے اطراف سے گذر ہو، تو بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے)

سَلْنِیْ بِلَا رَغْبَةٍ وَلَا رَهَبٍ ۔ وَلَا حِسَابٍ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ

(اے میرے محبوب حسینؑ —! مانگ جو تیرا جی چاہتا ہے۔ میں تجھے بے حساب عطا کرونگا)

— یہ ہے حسینؑ کی شخصیت و کردار کی ایک ہلکی سی جھلک، تاکہ آپ کو حسینؑ و یزید کے سمجھنے میں آسانی ہو، اور ان دو مختلف کرداروں کا موازنہ کر سکیں —

حسینؑ کو ذات خداوندی پر کامل ایمان تھا۔ اور حقیقت میں حسینؑ ہی نفس مطمئنہ تھے اور اس آیہ مجیدہ کے مصداق — قالو ربنا اللّٰه ثم استقاموا، لاخوف علیھم ولا یحزنون۔ جنہوں نے یہ کہا۔ کہ بس اللہ ہی ہمارا رب ہے اور اس پر استقامت و پائیداری بھی دکھائی۔ ان کے لئے نہ خوف ہے نہ حزن —!

آپ نے میدان کربلا میں حسینی استقامت کو ملاحظہ فرمائیے ۔ ایک جانب بہتر نفوس، اللہ والے ہیں اور ان کے مقابلہ میں یزید کی پوری کی پوری عسکری طاقت ہے ۔ یزید چاہتا ہے کہ اپنی طاغوتی طاقتوں سے حسین " ایسے مصلح عالم کو جھکا دے اور ایک فاسق و فاجر کی بیعت پر آمادہ کرکے ــــ اسلام کو اسلام کے ہادی کے ہاتھوں فنا و برباد کردے ۔ لیکن اس نے " حسین " کی شخصیت کا اندازہ لگانے میں ٹھوکر کھائی ــــ وہ نہیں جانتا تھا کہ حسینؑ اس رسولؐ کا نواسہ ہے جس کے عزم کے سامنے عرب کو جھکنا پڑا ــــ دنیا بھر کے مصائب نے حضور کو دعوت حق سے باز نہ رکھا ۔ تو حسینؑ ــــ پر ان آلام و مصائب کا کیا اثر ہو سکتا ہے ــــ حسینؑ ــــ نے تین دن کی بھوک و پیاس کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا ۔ یار و انصار، اصحاب و اعوان کے قتل گوارا کئے، اقربا کو اپنے ہاتھوں موت کی جانب رخصت کیا ۔ عباس ایسے وفا شعار بھائی ــــ قاسم ایسے گل عذار بھتیجے، علی اکبر ایسے لخت جگر کو ــــ اسلام کی راہ میں غذر دے دیا ــــ یہاں تک کہ شش ماہہ مجاہد علی اصغر بھی اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر ــــ نازک گلو پر تیر ستم کھا کر ــــ موت کی آغوش میں ابدی نیند سو گیا ۔ اب حسینؑ یکہ و تنہا تھے ــــ میدان کارزار میں داد شجاعت دے کر لوگوں کے دلوں میں " علیؑ " کی یاد تازہ کردی ــــ ! ہزاروں تیر ، نیزے ، بھالے ، تلواریں ایک حسینؑ پر ــــ آہ سبط پیغمبر زخموں سے چور ہو کر ، ضعف و ناتوانی سے نڈھال ہو کر ــــ فرش زمین پر تشریف لاتے ہیں ــــ ! ریگ بیابان کے ایک گرم ٹیلے کے دامن میں ــــ کہہ دول ۔ آرام فرما ہیں ــــ آواز استغاثہ بلند فرماتے ہیں ــــ ھل من ناصر ینصرنا ہے کوئی میری مدد کرنے والا ــــ ! آہ ــــ اتنے میں ظلم و ستم کی حد ہو جاتی ہے گلوئے حسینؑ پر خنجر ــــ آہ ــــ ! آہ ــــ !! نیزے پر سر بلند ــــ

قد قتل الحسین بکربلا ، قد ذبح الحسین بکربلا

حسینؑ کا استغاثہ رہتی دنیا تک فضا میں گونجتا رہے گا اور ہزاروں فرزندان اسلام ۔ اسلام کے اس محسن کے غم میں اشکبار رہیں گے ــــ اور حسینیت کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا کر فرزند رسولؐ کے استغاثہ کا عملی جواب دیں گے ۔

لبیک یا ابن رسول اللہ

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است

پس بنائے لا الہ گردیدہ است

(بقیہ صفحہ ۳۲) (۸) ماہنامہ میں مسلسل نثری کتب کی اشاعت بند کردی جائے۔

(۹) ماہنامہ کی مستقل اشاعت کی ضخامت چونسٹھ (۶۴) صفحات سے زیادہ نہ ہو۔

(۱۰) ماہنامہ کیلئے اشتہارات فراہم کرنے کے لئے خاص کوشش کی جائے۔ صدر ادارہ مدیر اور دیگر ممبران اس کے لئے خاص توجہ دلویں۔

(۱۱) اشاعت کتب :- ایکسال میں ۳۰۰ صفحات سے زیادہ کا لٹریچر شائع نہ کیا جائے اگر کوئی زیادہ ضخیم کتاب شائع کرنا منظور ہو تو کسی دوسرے فرد کی شراکت سے شائع کی جائے جس کے منافع میں سے اُسے حصہ دیا جائے جس کا فیصلہ مجلس نظامت کرے

(۱۲) معارف اسلام پریس فنڈ کیلئے محترم ربانی مرزا (اکاونٹ سپیشلسٹ) رکن ادارہ اپنی مناسب تجاویز اور منصوبہ ایک ماہ کے اندر اندر پیش فرماویں اور وہ مجلس نظامت میں پیش کر کے فیصلہ کیا جائے۔

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا   جب احمد مرسل نہ رہے ! کون رہیگا

مومنین میں یہ وحشتناک خبر نہایت ہی رنج وغم سے سُنی جائیگی کہ ادارہ معارف اسلام کے رکن و معاون جناب ڈاکٹر سید قاسم علی شاہ صاحب ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر اوکاڑہ جو کہ گرمیاں گزارنے کیلئے کوئٹہ تشریف لے گئے تھے یکم ستمبر ۸۳ء بروز پیر کوئٹہ میں اچانک حرکتِ قلب بند ہونے سے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم نے ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ ہومیوپیتھک کے ایک قابل ڈاکٹر تھے اور مفت لوگوں کو ادویات دیا کرتے تھے۔ آپ ایک نیک اور ہمدرد انسان تھے۔ اور اس ضعیفی کے عالم میں بھی خازن کی حیثیت سے اوکاڑہ میں قوم کی خدمت کر رہے تھے۔ مرحوم اکثر اپنی مفید رائے سے ادارہ کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ہمیں اُن کے لواحقین سے دلی ہمدردی ہے اور خاص کر سید اختر علی الباقری سے کیونکہ انہیں اپنے اس بزرگ سے کافی الفت تھی ہمدردی کا احساس ہے اور مومنین سے التماس کی جاتی ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ سے مرحوم کو یاد فرمائیں۔ مرحوم کی لاش بذریعہ ریل کوئٹہ سے اوکاڑہ لائی گئی تھی۔ اور اوکاڑہ میں سپرد خاک کیا گیا تھا۔

شریکِ غم :- ادارہ

اعلانِ "ادارہ معارف اسلام کی پالیسی"

بعض حضرات نے دریافت فرمایا ہے کہ "معارفِ اسلام" کی پالیسی کیا ہے؟ معارف اسلام کی پالیسی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اسکے متعلق متواتر بیانات دیئے جاتے رہے ہیں۔ مکرر عرض ہے کہ معارفِ اسلام اتحاد بین المسلمین کا سب سے زیادہ حامی ہے۔ وہ تمام اسلامی فرقوں میں پیار و محبت اور تمام مسلمانوں میں آپس میں ہمدردی کا سچے دل سے خواہاں ہے۔ اپنے اپنے عقائد پر عمل کرتے ہوئے بھی مسلمانوں کا ایک ہونا اور تعصب سے کنارہ کش رہنا اشد ضروری اور عین ممکن ہے۔ معارف اسلام کو اس امر کا پورا یقین ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اہلبیتؑ طاہرین ہر فرقہ اسلام کے نزدیک متفقہ طور پر واجب الاحترام و تکریم ہیں۔ لہذا معارف اسلام اہلبیتؑ طاہرین کی تعلیمات کو پیش کرتا ہے اور یہ سب کے نزدیک قابل قبول ہے۔ امہات المومنینؓ و اصحابؓ اخیار رسول کی عزت و تکریم کا معارفِ اسلام معترف ہے۔ فرقہ بندی میں الجھ کر ایک دوسرے کی مخالفت کرنا مسلمانوں کیلئے اشد نقصان دہ ہے۔ مسلمانوں کی کمزوریوں کا واحد علاج اخلاق و محبت ہے۔ جو تعلیمات محمدؐ و آلِ محمدؐ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اِس پالیسی پر معارف اسلام گامزن ہے۔

معارف اسلام قومی پریس فنڈ

جیسا کہ پیشتر بھی اعلان کیا گیا ہے کہ پریس قومی ملکیت ہوگا۔ شرکت یا لمیٹڈ کمپنی نہیں بلکہ تمام قوم ضابطہ کے ماتحت اس کی مالک ہے۔ پریس قوم کے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے۔ ہمارا کوئی روزنامہ نہیں ہماری کتب احادیث و تفاسیر وغیرہ نایاب ہیں اگر آپ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو معارف اسلام قومی پریس فنڈ میں دل کھول کر اضافہ کریں۔ اور اپنے عطیات کم یا زیادہ براہ راست حبیب بنک لمیٹڈ شاہ عالمی گیٹ لاہور کو روانہ فرمائیں۔ اطلاع مدیر ادارہ یا مدیر مالیات ادارہ معارف اسلام کو دیدیں۔

(ادارہ)

رشتوں کی تلاش

اگر آپ اپنے عزیزوں کیلئے موزوں رشتوں کی تلاش میں مدد چاہتے ہیں۔ تو مندرجہ ذیل پتہ سے ضروری تفصیلات کے فارم طلب فرمائیں۔ خط و کتابت صیغہ راز میں رہے گی۔

طلب فارم کے وقت وضاحت کیجئے کہ آپکو لڑکے کیلئے رشتہ مطلوب ہے یا لڑکی کیلئے۔ نیز جواب طلب امور کیلئے واپسی لفافہ یا ٹکٹ بھجوانا ضروری ہے۔

نوٹ:- اجلال و احترام محرم الحرام کے باعث آخر ذوالحجہ سے شعبہ شادی کا کام بند تھا اب پھر سے شروع ہوگیا ہے لہذا طلب گار حضرات خبر کریں۔

سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان (شعبہ شادی) اردو بازار لاہور

(۸) وما من غائبۃٍ فی السّمآءِ والارضِ اِلاّ فی کتٰبٍ مبین (پ ۲۰ النمل ع)

یعنی اور آسمان و زمین میں کوئی غیب چیز ایسی نہیں ہے جو کھلی کتاب میں نہ ہو۔

مندرجہ بالا آیات ۵ تا ۸ سے ظاہر ہے کہ کتاب اللہ میں ہر شئے کا ذکر موجود ہے اور کوئی شئے کوئی امر۔ کوئی علم۔ کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ایسی نہیں جس پر اس کا علم محیط نہ ہو۔ لہذا قرآنی قوانین کو نافذ کرنے والے یا اسلامی دستور کو رائج کرنے والے کا علم بھی ہر شئے کو احاطہ کئے ہوئے ہونا چاہئے۔ اسی لئے اُسے راسخون فی العلم کہا گیا ہے۔ اگر اُسے مکمل قرآن کا عالم نہ سمجھا جائے۔ تو وہ قرآنی قانون کیونکر نافذ کر سکے گا۔ لہذا ہر امر میں اُسے سوائے خدا کے کسی کا محتاج نہ ہونا چاہئے۔ کہ پہلے دوسروں سے علم حاصل کرے اور پھر نافذ کرے بصورت دیگر جن سے وہ علم حاصل کریگا وہ اُس سے زیادہ اس عہدہ عظیم کے مستحق ہونگے۔ آیت ۸ سے تو امام کا زمین و آسمان کی غائب چیزوں کا عالم ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ امام کو شورے یا جمہور کے دوٹوں کا محتاج نہ ہونا چاہئے۔ بالخصوص ایسے امر میں جو کہ اُمت کے اجتماعی امور کا اصولی پہلو رکھتا ہو۔ قرآن میں شورے کا حکم اپنے ذاتی گھریلو امور کے متعلق ہے اور وہ بھی عام آدمیوں کیلئے۔ نہ کہ امیر المسلمین کیلئے۔ رسولؐ کو بھی محض نو مسلموں کی تالیف قلوب کیلئے بعض غیر بنیادی وقتی امور کے سلسلہ میں صرف اُن سے مشورہ کیلئے فرمایا گیا۔ فیصلہ کا حق کُلی طور پر رسولؐ ہی کو دیا گیا۔ (شورے کی مفصل بحث صفحہ ۱۳۸ پر ملاحظہ ہو) بہرحال اولی الامر اُمت کا بعد از رسولؐ خالق عالمین یا حاکم مطلق کے ماتحت عالم کُل ہونا لازمی و لابدی ہے۔ جب قرآن میں علوم کُل موجود ہیں۔ تو قرآن کو رائج کرنے والے کو بھی علوم کُل سے کما حقہٗ واقفیت ضروری ہے بلکہ ان امور کے ابتدائی مقام سے انتہائی مقام تک کا عالم باعمل ہونا لازم ہے۔ وگرنہ وہ قرآن کو رائج نہیں کر سکتا۔ خداوند عالم نے خود قرآن ہی میں اس کا فیصلہ فرما دیا ہے۔۔۔ ارشاد ہے:۔

(۹) وکلّ شیءٍ احصینٰہُ فی امامٍ مُّبین ٥ (پ ۲۲ ع ۱۸ سورہ یٰسین)

یعنی اور ہم نے ہر چیز کو (از روئے علم و شمار) امام مبین میں احاطہ کر لیا ہے۔

امام مبین سے مراد قرآن لینا سراسر جہالت ہے کیونکہ قرآن صامت ہے۔ وہ اپنا علم خود اپنی زبان سے کسی دوسرے کو نہیں بتا سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں اختلافات نہ رہتے کیونکہ ہر فرقے کے علماء و عوام اُسے شب و روز پڑھتے ہیں۔ مگر بعض فرقوں کے علماء مطلب قرآن اپنے دماغ و مقدار عقل و قابلیت کے مطابق نکال لیتے ہیں اگرچہ یہ منع ہے۔ مگر وہ اپنا اپنا دماغ

رہ جاتے ہیں۔ اگر قرآن اپنا صحیح مطلب بتا سکتا تو سب ایک ہی مطلب قبول کرتے۔ مگر ایسا نہیں قرآن میں ہر چیز تحریر ہے۔ جیسا کہ آیت وغیرہ سے ظاہر ہے۔ وہاں پر "کل فی کتاب مبین" ہے۔ یہاں "کل شیءٍ احصینٰہُ فی امام مبین" ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز بھی کتاب میں مرقوم ہے یعنی "کل" امام کو مکمل طور پر اس "کل" سے کما حقہٗ واقفیت حاصل ہونا ضروری ہے۔ تاکہ جس وقت بھی قرآن سے جس امر کی ضرورت ہو وہ پیش کر سکے یا جاری کر سکے۔ اس کی ایک واضح مثال قرآن ہی سے پیش کرتے ہیں جس سے آپ کو معیار علم امامت کا اندازہ ہو جائیگا:۔

(۱۰) وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ط (پ۱۳ ع۱۰ الرعد)

(اور اگر کوئی قرآن (ایسا) ہوتا۔ کہ پہاڑ اس کے ذریعے سے چلائے جاتے اور زمین اس کے ذریعے سے ٹکڑے کر دی جاتی یا مُردوں سے اس کے ذریعہ سے باتیں کی جاتیں (تو وہ یہی قرآن ہوتا) لیکن ہر قسم کا اختیار خدا ہی کو ہے۔)

پس اولی الامر یا امام اُمت کے پرکھنے کی یہ ایک بیّن کسوٹی ہے۔ وہ وہی ہو سکتا ہے جس کو اس آیہ مجیدہ کی رو سے ان ہر سہ امور میں جو آیت میں بیان کئے گئے حکم خدا کے ماتحت پوری مہارت ہو۔ پس موجودہ داعیان علم قرآن کیا اس قابل ہیں کہ وہ پورے اتر سکیں علم قرآن سے پہاڑ چلانا تو درکنار وہ ایک ذرہ بے مقدار کو جنبش تک نہیں دے سکتے۔ اور مُردوں سے گفتگو کرنا کیسا وہ زندہ سے بھی گفتگو نہیں کرا سکتے۔ اس کے برعکس تو خود رسول اکرم کے ہاتھوں پر کنکریوں کا کلمہ پڑھنا اور درختوں کا رسالت محمدیہ پر گواہی دینا مستند تاریخوں میں مذکور ہے۔ امیرالمومنین علیہ السلام کیلئے اقبال علیہ الرحمۃ کا یہ شعر کافی ہے ؎

ہر کہ در آفاق گردد بو تراب ۔۔۔ باز گرداند ز مغرب آفتاب

جو آفتاب کو اپنی جگہ سے ہلا سکتا ہے۔ کیا وہ پہاڑوں کو اپنے مقام سے نہیں چلا سکتا پس امام یا اولی الامر وقت جو اپنے زمانے میں وارث قرآن و راجع امر قرآن ہوتا ہے۔ اس کا حکم خدا کے تحت ان ہر سہ امور میں کامل ہونا ضروری ہے۔

(۱۱) لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ○ (پ۲۴ ع۱۹ حٰم السجدہ) یعنی نہ گذشتہ کے متعلق اس کی خبریں غلط ہیں اور نہ آئندہ کے متعلق

غلط ہونگی۔ وہ صاحبِ حکمت ولائقِ تعریف (خدا) کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔
ظاہر ہے کہ امام جو قرآنی قانون رائج کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اور جس کا قرآن سے پوری طرح واقف ہونا لازمی امر ہے۔ وہ گذشتہ و آئندہ تمام خبروں سے کما حقہٗ واقف ہو تاکہ دور اندیشی سے صحیح قدم اٹھا سکے۔ مگر کیا موجودہ دعویداران تفہیم قرآن اس کسوٹی پر پورے اترتے ہیں؟ ایں سعادت بزورِ بازو نیست ۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ۔ علوم کلی طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ودلیعت ہوتے ہیں۔ کسبی نہیں بلکہ لدُنّی ۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

(۱۴) الرحمٰن ٥ علم القرآن ٥ خلق الانسان ٥ علمہ البیان ٥

(پ ۲۷ ع ۱۱ الرحمن) یعنی (خدائے) رحمٰن نے قرآن مجید تعلیم فرمایا۔ انسان کو پیدا کیا اور بیان کرنا سکھایا ۔ یہ آیہ مجیدہ عام انسانوں کیلئے نہیں۔ وگرنہ دنیا میں کفر نام کو بھی نہ ہوتا۔ جب قرآن تعلیم فرما دیا تو کفر کہاں رہا۔ اس آیہ میں خلق الانسان سے پیشتر تعلیم قرآن کا ذکر ہے۔ پہلے قرآن تعلیم فرمایا پھر خلق کیا اور پیدا کرنے کے بعد قرآن کا بیان کرنا سکھایا۔ ظاہر اور واضح ہے کہ معلمین الٰہی کے متعلق یہ آیت ہے (نہ کہ عام انسانوں کے متعلق) جنہیں پیدائش سے پیشتر علم قرآن حاصل تھا۔ شیعہ مسلمانوں کا یہ دعوےٰ جو کہ وہ تاریخی واقعات سے پیش کرتے ہیں۔ کہ نبی یا امام ماں کے پیٹ میں ہی صفات نبوت و امامت سے متصف ہوتا ہے۔ آئمہ معصومین اثنا عشریہ میں سے ہر امام پیدا ہوتے ہی اپنے سے پہلے امام کے ہاتھوں پر تلاوت قرآن کرتا تھا۔ وہ علم لدنی رکھتا تھا۔ دنیا میں آکر در در کی ٹھوکریں کھا کر علم دوسروں سے حاصل نہ کرتا تھا۔ وگرنہ اس کے پڑھانے والے اس کے معلم اس سے پہلے امام ہوتے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ نبوتوں کا دعوےٰ کرنے والے پہلے سکولوں میں اور ماسٹروں کے زیر تعلیم رہے۔ جب ان کے استاد ان کو علم سکھانے والے نبی یا امام نہ تھے تو یہ خود نبی یا امام کیونکر قرار دئے جا سکتے ہیں۔ "امام" کا اس آیت کی رو سے پیدائش سے پیشتر عالم قرآن ہونا ضروری ہے۔ اس کی تائید آیت قرآن قال انی عبد اللہ اٰتنی الکتٰب وجعلنی نبیاً ٥ (سورہ مریم) سے بھی ہوتی ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہونے سے معاً بعد گہوارہ ہی میں گفتگو فرمائی یعنی آیت قرآن پڑھ کر یہ ثابت کر دیا کہ معلم الٰہی پیدا ہونے پر ہی قرآن جانتا ہے۔ پس اس قرآن کے حکم کو دنیا میں جاری کرنے والے یعنی اولی الامر یا امام کا اس مقام پر فائز ہونا بالکل واضح ہے قرآن میں بیشمار آیات ہیں۔ جو کہ اولی الامر یعنی جانشین نبی یعنی امام وقت کے معیار علم کو نمایاں

کرتی ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم ان دو اٹردو آیات پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ جوکہ ہمارا مطلب واضح کرنے کے لئے کافی وشافی ہیں +

امام شاہد رسالت و نوید نبوت ہوتا ہے

امام کے ذمہ چونکہ نبی کے لائے ہوئے دین کی حفاظت واجب ہے اس لئے سب سے پہلا کام اس کے ذمہ اس نبی کی نبوت کی گواہی دینا اور اس کی تائید وتصدیق کرنا ہے۔ جو عین عقل وخرد کے مطابق ہے۔ قوانین شریعت اسلامیہ میں گواہ کی ضرورت سب سے مقدم سمجھی گئی ہے۔ نکاح ہو یا طلاق۔ وراثت ہو یا وصیت۔ بائع ومشتری کا معاملہ ہو یا تجارت وامانت کی صورتیں پیش آئیں۔ غرضیکہ تمام معاملات کیلئے گواہ کا وجود لازمی ہے۔ جرائم کی صورتوں میں اس کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ تاکہ سزا یا برئیت کے فیصلے کے وقت کسی پر ظلم یا زیادتی نہ ہوسکے۔ اسی طرح ہر دعوے کے واسطے گواہ کی ضرورت ہے۔ خالق کائنات نے انبیاء ومرسلین کو باوجود عظیم المرتبت عہدۂ نبوت مرحمت فرمانے کے بھی گواہ کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا۔ حتیٰ کہ رسالت جناب محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک کیلئے خداوند تعالےٰ نے گواہوں کے وجود کو ضروری قرار دیا۔ پڑھئے آیہ مبارکہ

(۱) قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ○ (پ ۱۳ ع ۱۲ سورۃ الرعد)

تم یہ کہدو (اے رسولؐ) کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کو (ایک تو) اللہ کافی ہے اور (دوسرے) وہ جن کے پاس کتاب کا پورا علم ہے

نئے اعتراض ۱۲ :۔ ہر مسلم شاہد رسالت ہے۔ جبتک کلمۂ شہادت نہ پڑھے مسلم نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ رسالت محمدیہ پر گواہی دینے کے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا بھی گواہ ہے جس پر کلمۂ شہادت کا پہلا جز و روشنی ڈالتا ہے۔

جواب: کلمۂ شہادت ادا کرنے اور امام کے گواہ رسالت ہونے میں بہت فرق ہے۔ کلمۂ شہادت کے الفاظ میں بیشک خدا اور رسولؐ کو تسلیم کرنے کی گواہی ہے مگر حقیقت میں یہ کہنے والے کی خود اپنے متعلق گواہی ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں یعنی اپنے عقیدے کی گواہی دے رہا ہے۔ بالفاظ دیگر خدا کے سامنے یا کاتبان اعمال کے سامنے اپنے بچاؤ کیلئے اپنے عقیدے کا اظہار کر رہا ہے نہ کہ امام کی طرح لوگوں کو تسلیم کروانے کیلئے اتمام حجت کر رہا ہے۔ اور بحیثیت نبی کے خود کو بطور شاہد رسالت پیش کر رہا ہے۔ بس یہی ان دونوں میں فرق ہے۔ (مولف)

(۲) افمن کان علیٰ بینۃٍ من ربہ ویتلوہ شاھدٌ منہ ومن قبلہٖ کتٰب موسیٰ اماماً ورحمۃً ط اُولٰئک یومنون بہٖ ومن یکفر بہٖ من الاحزاب فالنار موعدہٗ ج فلا تک فی مریۃٍ منہ انہ الحق من ربک ولکن اکثر الناس لا یومنون ○ (پ ۱۲ ع ۲ سورہ ہود)

کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہو اور اُس کے پیچھے پیچھے گواہ آتا ہو۔ جو اسی کا جزو ہو اور اُس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت ہو (کر شاہد بھی) اُسی پر تو ایمان لاتے ہیں۔ اور گروہوں میں سے جو بھی اُس کا منکر ہوگا پس آگ اُس کا ٹھکانا ہے۔ لہٰذا تم اِس سے شک میں نہ رہنا۔ بیشک وہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے۔ لیکن اکثر انسان ایمان نہیں لاتے۔

مندرجہ بالا ہر دو آیات میں نبوتِ محمد مصطفےٰ (ص) کے گواہوں کا تذکرہ ہے۔ پہلی آیت میں گواہ نبوت کے معیار کی وضاحت کی گئی ہے۔ جس کا مکمل عالم علم کتاب" یا "عالم علم مکمل کتاب" ہونا شرط ہے۔ اس کے متعلق اس سے پیشتر کے باب میں کسی حد تک روشنی ڈالی جا چکی ہے جو ہمارے مطلب کی وضاحت کیلئے کافی ہے۔ لہٰذا بعد از رسولؐ امام یا جانشین نبی کیلئے پہلی شرط تو یہ ہوئی کہ وہ مکمل کتاب کا مکمل عالم ہو۔ علم حاصل کرنے کیلئے سوائے خدا یا نبیؐ کے اور کسی کا محتاج نہ ہو۔ نہ ہی کسی امر کا فیصلہ کرنے یا کوئی امر جاری کرنے کیلئے لوگوں کی رائے کا بصورت ووٹنگ یا شورئے کے پابند ہو۔ بلکہ بذاتِ خود مکمل عالم علم کتاب ہو۔ جبتک کتاب موجود ہے مکمل عالم علم کتاب کا وجود بھی عقلی طور پر موجود ہونا لازم ہے۔ لہٰذا امام جو کہ جانشین نبیؐ یا دستورِ کتاب اللہ کا جاری کرنے والا ہوتا ہے۔ وہی اپنے عہد میں گواہِ رسالت ہے۔ آیت مندرجہ میں کتاب سے اگر "قرآن" مراد لیا جائے تو بموجب صفتِ قرآن "تبیانٌ لکل شئی" عالم علم کتاب و شہید رسالت صرف وہی ہوسکتا ہے جس کو علم کل شئے پر حاوی ہو جسے خدا کی طرف سے ہر شئے کا علم مطلق حاصل ہو۔ اور کسی کے کسی قسم کے سوال کے جواب دینے میں عاجز نہ ہو۔ اس ضمن میں امام اول یعنی ابوالائمہ امیرالمومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے مشہور عام اقوال "سلونی قبل ان تفقدونی عما شئتم فانی اعلم بطریق السموٰت من طرق الارض (پوچھ لو مجھ سے قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ جس شئے سے تم چاہو۔ میں طُرق زمین سے طُرق آسمان کا زیادہ عالم ہوں) اور "لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً" (یعنی

اگر خالق و مخلوق کے درمیان تمام قسم کے حجاب اٹھا دئے جائیں تو بھی میرے علم و معرفت میں کچھ زیادتی نہ ہوگی۔) کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ اور اگر کتاب سے مراد "علم مطلق" لیا جائے تو معیار اور بلند ہو جاتا ہے دوسری شرط دوسری آیت سے ظاہر ہے۔ جیسا کہ الفاظ آیت سے ہویدا ہے کہ آیت مخصوص جناب نبی اکرم کی نبوت کے متعلق ہے۔ گواہ رسالت کا نبی (ص) کے پیچھے پیچھے آنا ضروری ہے یعنی نبیؐ کے بعد پیدا ہوا ہو پیشتر نہیں۔ اور پھر اسی کا جزو بھی ہو یا اسی میں سے ہو۔ لہذا گواہ کا جزو نبوت ہونا بھی شرط ہو گیا۔ اس کی تائید میں احادیث صحیح "انا و علی من نور واحد"[1] "یا علی انت منی و انا منک"[2]۔ "انا و علی من شجرة واحدة و الناس من اشجار شتی"[3]۔ "انا و علی ابن ابیطالب خلقنا من تربتہ واحدة"[4]۔ اور تبلیغ سورۃ براۃ کے وقت ارشاد ہوا "لا یودی منی الا انا و رجل منی"[5]۔ وغیرہ وغیرہ بھی روشنی ڈال کر ہمارے مطلب کی تائید کرتی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ان ہر دو آیات کی تفسیر کے سلسلے میں علمائے اسلام کے بیانات بطور تصدیق و توثیق پیش کر دئے جائیں تاکہ معقول اور منقول ہر دو طریق سے ہمارے بیان کی تائید ہو سکے۔

"اے رسولؐ تم ان لوگوں سے کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان میری رسالت کی گواہی کیلئے خدا اور وہ شخص جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے کافی ہیں"۔

جناب مولوی عبید اللہ صاحب بسمل امرتسری نے اس آیت کو امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کی

---

[1] "میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں"۔ اخرجہ مردویہ و الخوازمی و شہاب الدین احمد و النطنزی و العاصمی و فقیہ ابن مغازلی و ابن السوع الاندلسی فی کتاب الشفا۔ و سید محمد جعفر مکی و ابراہیم وصابی وغیرہ وغیرہ۔ رواہ خود امیرالمؤمنینؑ و امام حسینؑ و سلمان فارسیؓ و جابرؓ بن عبداللہ انصاری۔ و ابن عباسؓ وغیرہ وغیرہ۔

[2] "علیؑ میرا ہے اور میں علی کا ہوں"۔ اخرجہ احمد و الطبرانی فی الکبیر۔ نسائیؒ و ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ

[3] "میں اور علی ایک ہی شجرہ سے ہیں اور دوسرے لوگ متفرق شجروں سے ہیں"۔ ارجح المطالب۔ اخرجہ الطبرانی و الذہبی۔ و الحاکم و ابوبکر مردویہ و الخوازمی وغیرہ رواہ جابرؓ و ابن عباسؓ و خود علیؑ ابن ابیطالب۔

[4] "میں اور علیؑ ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں"۔ ارجح المطالب۔ اخرجہ العاصمی۔ رواہ حضرت انسؓ بن مالک

[5] "میری طرف سے کوئی (تبلیغ دین) ادا نہیں کر سکتا۔ میں یا وہ جو مجھ سے ہو"۔ اخرجہ النسائیؒ رواہ سعد بن ابی وقاصؓ و احمد رواۃ ابن عباسؓ وغیرہ وغیرہ۔

شان میں قرآن کی اٹھترویں آیت ثابت کیا ہے ۔ [۱]

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں ومن عندہ علم الکتاب سے حضرت علی علیہ السلام ہیں [۲]

علامہ شیخ سلیمان قندوزی حنفی مرشد سلطان روم و قاضی القضاۃ ترکی اس مضمون کی بہت سی احادیث رسول جمع کی ہیں کہ یہ آیت امیر المومنین علی علیہ السلام کی شان میں ہے [۳]

ان کے علاوہ تفسیر معدن الجواہر [۴] اور روح المعانی [۵] میں بھی اس مضمون کی کئی احادیث رسول نقل کی ہیں

دوسری آیہ مبارکہ یعنی افمن کان علیٰ بینۃ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ کے متعلق بھی قریباً تمام مفسرین نے اسبات پر اتفاق کیا ہے کہ اس آیہ میں علیٰ بینہ سے مراد جناب رسول اکرم اور یتلوہ شاھد منہ سے مراد امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں [۶]

غرضیکہ قرآن چونکہ عہد رسالت میں حضرت ہی پر نازل ہوا اور بعد از رسول اُس وقت

---

[۱] ارجح المطالب بار چہارم مطبع عالمگیر لاہور ص۱۱

[۲] اخرجہ ابی نظ ابو نعیم والثعلبی والنطنزی (ارجح المطالب ص۱۱) [۳] ینابیع المودۃ ص۸۲ تا ۸۴
[۴] تفسیر الجواہر جلد ۳ [۵] روح المعانی جلد ۴ ص۳۰۳ " کتاب مستطاب نفس رسول جلد ۲ ص۲۹۵

[۶] ابن ابی حاتم اور ابو نعیم ابن عساکر اور ابن مردویہ نے کئی طریقوں سے یہی روایت کی ہے ۔
تفسیر در منثور جلال الدین سیوطی جلد ۳ ص۳۲۴ مطبوعہ مصر ۔ مولوی عبید اللہ امرتسری ۔
ارجح المطالب بار چہارم ص۸۵ زیر اسم شاہد ص۸۶ و ص۸۷ اخرجہ ابن ابی حاتم و ابن مغازلی فی المناقب و ابن عساکر و ابن مردویہ والسیوطی فی در منثور والثعلبی والواحدی فی تفسیرہما و ابن جریر الطبری والطبرانی فی معجم الکبیر و ابن منذر و ابو الشیخ و ابو نعیم والمتقی فی کنز العمال و صاحب تفسیر معالم التنزیل ۔ اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کی ہے ۔ اور تفسیر روح المعانی جلد ۳ ص۵۳۱ و غریب القرآن جلد ۲ ص۳۱۷ و معدن الجواہر جلد ۳ ۔ موفق کی کتاب مناقب حموینی کی فرائد السمطین ۔ سیوطی کی اتقان باب ۱۷ اور فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر جلد ۵ میں بھی اس مضمون کی روایتیں موجود ہیں ۔

کے امام وقت حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں ۔ لہٰذا یہ آیات آپ ہی کی ذات مقدس کے متعلق ہیں اور آئندہ کیلئے ان آیات نے فیصلہ کر دیا کہ اپنے اپنے عہد میں ہر امام گواہ رسالت ہوتا ہے جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نہ دیکھا وہ اپنے اپنے زمانہ میں امام کو دیکھ لے ۔ دیکھ نہ سکے تو پہچان لے ۔ امام رسالت محمدیہ کیلئے بینات کے ساتھ پوری پوری گواہی دیگا ۔ اس امر سے ہر عہد میں خالق کائنات کی طرف سے اپنی آخری رسالت کیلئے اتمام حجت ہوتا رہیگا ۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک سے وابستہ رہیگا ۔ بصورت دیگر بعد از رسولؐ خدا کو معاملات انسانی و معاملات عالمی میں مستعفی سمجھنا پڑیگا (نعوذ باللہ من ذالک) جو کہ اسلامی عقلی اور فطری تعلیمات کے سراسر خلاف ہے ۔

اندریں حالات ہر زمانہ میں شاہد رسالت محمدیہ (یعنی رسالت آخرویہ) یا شہید دین الٰہی اور شہید علی الناس کا وجود لازمی ہے ۔ اگر اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا جائے تو عقلاً خدا کی خدائی بے ضرورت ہو کر رہ جاتی ہے ۔ اگر خدا ہے " تو اس کا نائب ہر حالت میں " ہے" اور چونکہ ہر آدمی نائب خدا نہیں ۔ خدا ہر ایک کو وحی نہیں کرتا یہ سنت اللہ کے خلاف ہے ۔ اگر ہر ایک کو وحی کرتا انفرادی طور پر رسولوں کے بھیجنے کی چنداں ضرورت نہ تھی لہٰذا آخر تک کے ہر زمانہ میں ایسے مخصوص فرد کی ضرورت ہے اور اس کا وجود لازمی ہے جو خدا کی خدائی اور اس کے دین آخر یا رسالت محمدیہ کی گواہی دیتا رہے ۔ اور یہ گواہی بغیر ثبوت کے نہ ہو بلکہ دلائل و براہین و بینات کے ساتھ ۔

اس میں ایک نکتہ قابل غور ہے ۔ وہ یہ کہ سنی سنائی گواہی ناقابل یقین اور چشم دید گواہی بالکل قابل اعتماد اور صحیح ہوتی ہے ۔ اور چونکہ خدائی امور میں تمام منصوبے اپنے مقام کمال میں عمل پذیر ہوتا ہے ۔ لہٰذا لازم ہے کہ ہر امر میں امام وقت کی گواہی چشم دید ہو ۔ یہ مقام بہت بلند ہے اور امام المسلمین کے معیار علم کو ظاہر کرتا ہے ۔ جو لوگ تمام عمر سکولوں ۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں اور دیگر مدرسین کے زیر تدریس رہے ہوں ۔ اور اپنے گزران زندگی (CARRIER OF LIFE) اور معیشت کو درست کرنے کیلئے علم حاصل کرنا ضروری سمجھتے ہوں ۔ ان کا اس مقام بلند پر پہنچنا کیونکر باور کیا جا سکتا ہے ۔ اگر وہ اپنی کوششوں سے اقتدار حکومت کی انتہائی بلند کرسی پر بھی بیٹھ جائیں ۔ تو بھی نائب خدا یا شاہد رسالت کے مقام کا اس سے کیا واسطہ نوح علیہ السلام دن رات جسم ناتواں پر

کتاب مستطاب

تفسیر بالرائے اور معارف الفرقان

مصنفہ علامہ سید امداد حسین کاظمی و علامہ الحاج مرزا احمد علی ـــــ پر

علمائے کرام کی گراں قدر رائیں

؎ سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا ۔۔۔ کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

(۱) از جناب مستطاب علامہ سید مجتبیٰ حسن قبلہ کامونپوری ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مکرمی سیکرٹری صاحب ادارہ معارف اسلام ۔ سلام علیکم

فتنہ تفسیر بالرائے اور معارف قرآن کے مطالعہ سے بہت لطف اندوز ہوا جس طرح کسی دریا کا بند ٹوٹ جانے سے طوفانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح فتنہ تفسیر بالرائے کے ذیل میں اس قدر کثرت سے مضامین بیان ہو گئے ہیں جس سے طبیعت کے جوش و خروش کا پتہ چلتا ہے ۔ اس کتاب کے لئے خود علامہ مرزا احمد علی صاحب کی تعبیر بہت موزوں ہے آپ نے اپنی تحریر میں اسے "جامع کشکول" کہا ہے ۔

فدائے قوم میجر سید محمد یحییٰ علی شاہ صاحب کے تعارف ۔ مولانا قمر الزماں صاحب کے مقدمہ ۔ ادبی اور مجاہد ملت شیخ غیاث الدین صاحب کے مقدمہ دوم سے ہی اس موضوع پر کافی روشنی پڑ گئی ہے ۔ پھر اس کتاب کے مصنف مولانا سید امداد حسین صاحب نے تقریباً دو سو سال میں تفسیر بالرائے یا تحریف دین میں جو مواد پیدا ہوا ہے ۔ اس پر خوب تنقید کی ہے ۔ آپ نے کتاب کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے ۔ مثلاً ایٹمی دور اور مادی ترقیاں ۔ ایٹمی دور کا مسلمان ۔ عقل انسانی ۔ اسلام دین فطرت ہے ۔ سائنس کی بے اعتباری ۔ فتنہ تفسیر بالرائے ۔ چکڑالویت ۔ آیات قرآن کی تفسیر کیلئے حدیث رسول کی ضرورت ۔ ضرورت حدیث ۔ رسول سے کیا مراد ہے ۔ مسئلہ شفاعت ۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوے ۔ مسئلہ حیات و ممات مسیح ۔ ختم نبوت ۔ غلام احمد پرویز اور انکار حدیث ۔ پرویز کی تفسیر بالرائے ۔ تفسیر بالرائے کے تباہ کن نتائج ۔ الٰہی معلمین کا علم ۔ قرآن کا مفسر اول وغیرہ وغیرہ ۔ ۲۹۷ صفحات تک تعارف ، مقدمات اور متن کتاب پھر اسکے بعد فتنہ تفسیر بالرائے کا ضمیمہ (معارف القرآن) علامہ مرزا احمد علی صاحب کے قلم سے ۔ توحید خدا ۔ عدل ۔ مقام حضرت خاتم الانبیاء ۔ اطاعت و اتباع رسول ۔ اختلافات کے موقع پر رسول کی حیثیت ۔ اجتہادی غلطی کی حقیقت ۔ اعجاز قرآن وغیرہ وغیرہ حقیقتاً کتاب فتنہ تفسیر بالرائے اور ضمیمہ معارف الفرقان کو ایک جامع کشکول کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے ۔

مخلص ۔۔۔ (علامہ سید) مجتبیٰ حسن کامونپوری ۔۔۔ ۳-۴-۵۷

(۲) از جناب مولانا مولوی سید منظور حسین صاحب قبلہ خطیب جامع حائری سادات گنج ۔ لاہور

جناب محترم المقام کاظمی صاحب قبلہ دامت معالیکم ۔۔۔ سلام علیکم ۔ آپ کی مصنفہ کتاب مطلب فتنہ تفسیر بالرائے " زیر مطالعہ ہے اپنی طرز کی واحد کتاب اور بے حد مفید مطالب پر مشتمل ہے ۔ خدا آپ کی سعی کو مشکور فرمائے ۔ والسلام

الاحقر (مولانا سید) منظور حسین نقوی ۔ ملتان روڈ لاہور

۲۱-۱-۵۷

سیرۃ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام

تیسری مرتبہ چھپ کر تیار ہوگئی

مؤلفہ آغا محمد سلطان مرزا دہلوی ایم۔اے ایل ایل بی ڈسٹرکٹ سیشن جج ریٹائرڈ

مصنف کتاب البلاغ المبین۔ کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام۔ نور المشرقین و تاریخ ابتداء و ارتقاء جذبۂ حب قوم و وطن وغیرہ۔ کتاب مندرجہ بالا کی تیسری ایڈیشن بعد نظرثانی مؤلف ممدوح اور اضافہ جات کے چھپ کر تیار ہوگئی ہے یہ کتاب اتنی مقبول ہو چکی ہے کہ قوم میں اس کے خاص تعارف کی ضرورت نہیں اسکی چند خصوصیات یہ ہیں اول خصوصیت تو اس کے مؤلف ممدوح کی طرز تحریر ہے۔ جواب قوم میں محتاج نہیں۔ جناب فاطمہؑ کے زمانہ کی دنیا کے حالات اس زمانہ کی طرز رہائش کا بیان۔ اثبات اسلام حضرت ابوطالبؑ تنقید و جرح اموی روایت کہ حضرت علیؑ نے دوران حیات فاطمہ ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کیا تاریخی و قانونی نقطۂ نظر سے مقدمہ فدک پر بحث حضرت فاطمہؑ اور حضرت امام حسنؑ کے خطبات۔ حضرت زینبؑ۔ حضرت ام کلثومؑ۔ حضرت فاطمہؑ بنت رسولؐ کے تمام خطبات و مراثی جو سفر کربلا۔ دمشق۔ کوفہ اور دربار ابن زیاد اور یزید میں اور مراجعت بہ مدینہ کے وقت بیان فرمائے۔ سکینہ بنت الحسین کی مفروضہ محفل آرائیوں کی تردید مسلمانوں کی موجودہ ازدواجی خرابیوں کا بیان۔ بے پردگی کی برائیاں۔ اور جناب فاطمہؑ کی زندگی سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں ان کا تذکرہ اس کتاب کی چند خصوصیات ہیں۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب۔ کاغذ عمدہ $\frac{20\times 26}{8}$ سرورق خوشنما رنگین۔ کافی تعداد میں اس کے آرڈر موصول ہو چکے ہیں علم دوست و خواہشمند حضرات جلد از جلد آرڈر بھیج کر طلب فرماویں ورنہ اگلے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ قیمت بلاجلد چھ روپے مجلد ولائتی ڈائیدار سنہری سات روپے چار آنہ صرف علاوہ محصولڈاک

تہذیب ماتم شاعر اہلبیت نقش پیر اصحابی کے تازہ اور جدید رنگ میں لکھے ہوئے نوحوں اور سلاموں کا بے نظیر مجموعہ ہے۔ اس کی لکھائی چھپائی نہایت ہی عمدہ ہے۔ قیمت ۵ر

عاشورہ غم اہلبیت رسالت کے جذبہ محبت میں درد بھرے نوحے۔ نظمیں۔ سلام۔ عاشورہ محرم پر خاص کر تاریخی گریہ خیز اور رقت آمیز اس مجموعہ کو پڑھ کر خود بھی داخل حسنات ہوں اور ناشر کو بھی شریک ثواب فرمائیں۔ یہ شاعر آل پیمبر جناب علی اطہر صاحب مرغوب نقوی کا جدید شاہکار ہے اس میں ساٹھ قسم کے نوحہ جات درج ہیں۔ جو کہ محرم کے لئے درد انگیز ثابت ہوئے ہیں۔ لکھائی چھپائی بہترین کاغذ عمدہ۔ ٹائیٹل نہایت ہی خوبصورت حجم ۴۸ صفحات۔ سائز $\frac{20\times 30}{16}$ قیمت صرف ۱۰ر

المشتہر

مینیجر امامیہ کتب خانہ لاہور مغل حویلی موچی دروازہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

(القرآن پ ۴)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۵

ماہنامہ معارف اسلام

نومبر ۱۹۵۶ء — جمادی الاول ۱۳۷۶ھ

نگران اعلیٰ

(اعزازی)

علامہ سید امداد حسین کاظمی المشہدی

ناشر

ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ)

چندہ سالانہ للعہ — لاہور — قیمت فی پرچہ ۸

اِن کا مطالعہ آپ کے تاریک پہلوؤں کو تابناک بنائیگا!
فاطمہ بنت محمد
از
رئیس احمد جعفری
قیمت سوا تین روپے
اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق محمد و آل محمد سے محبت کرنا اس کی رضا کا باعث ہے۔ محبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ "زبانی" اور "عملی"۔ پہلی محبت اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتی دوسری محبت اللہ کی رضا کا باعث ہے۔ اور یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان کی زندگی کے حالات زیادہ سے زیادہ معلوم نہ کر لیے جائیں۔ اس لئے مومنین کیلئے بیحد ضروری ہے ایسی کتابوں کا مطالعہ خود کریں اپنے بچوں کو اس کا عادی بنائیں تاکہ ایسا ماحول پیدا ہو سکے جو محبت محمد و آل محمد کا عملی ثبوت دے سکے۔ "فاطمہ بنت محمد" جو عربی زبان میں عمر ابو النصر نے لکھی اور جسے رئیس احمد جعفری نے اپنے فن کا انداز دیکر پیش کیا ہے۔ نہایت ضروری ہے۔ کہ اس کا مطالعہ کیا جائے اور ہماری خواتین اسی کے رنگ میں رنگ جائیں۔ اس لئے کہ قوم کے بننے اور سنورنے میں ان ہی کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔
نہج البلاغہ
ترجمہ از
رئیس احمد جعفری
علمی، مذہبی اور تاریخی حلقوں میں امیر المومنین کے خطبات توقیعات اور اقوال کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ہر فدائے اہلبیت کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ خاص طور پر اس کتاب کا یہ نسخہ بھی کہ تاریخی الجھنوں کا اس کتاب میں واضح حل موجود ہے جسے پڑھ لینے کے بعد ہر حقیقت کے متلاشی کو جو برسوں تلاش حق میں سرگرداں رہا ہو۔ اس کتاب کا مطالعہ چشم زدن میں حقیقت سے ہمکنار کر دیتی ہے اور یہی اعجاز اس کتاب کی اہمیت اور مقبولیت کا باعث بھی ہے
حسین ابن علی
از
قیمت دو روپے
(سیرت امام حسین علیہ السلام نفسیاتی زاویہ نگاہ سے)
امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ محض درد و الم اور سوز و گداز تک محدود رہا ہے۔ عہد حاضر کے انقلاب نے ہماری زندگی کے ہر پہلو کو شدید زخمی کر ڈالا ہے جس کے باعث ذہنی خلجان کے مریض شہادت حسین علیہ السلام کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ مصنف نے اس کا اندازہ کرتے ہوئے واقعہ شہادت کو نفسیاتی زاویہ نگاہ سے روشنی ڈال کر نہ صرف شکوک کا ہی ازالہ کیا ہے۔ بلکہ اس عظیم شہادت کے مقصد و ماہیت سے بھی روشناس کرایا ہے۔
(ملنے کا پتہ)
شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پوسٹ بکس ۲۸۱ لاہور / بندر روڈ کراچی

"رشنی و سنتی بہترین سیاست است"

معارف اسلام

مدیر اعزازی : غیاث الدین

جلد ۴ | ماہ جمادی الاول ۱۳۷۸ھ مطابق نومبر ۱۹۵۸ء | شمارہ ۸

فہرست

ملت میں اتحاد اور دین اللہ کو پھیلانے کے لئے معارف اسلام کی مدد کیجیے۔

گذشتہ شمارہ میں ہم نے اتحاد و تنظیم کے ضمن میں اپنا ما فی الضمیر پیش کیا تھا۔ عنوان بالا کو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی سمجھیے۔ سب سے پہلے اس بات کا دل میں اچھی طرح سے یقین کر لیجیے کہ آپ ایک ایسے مخصوص طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو سو فیصدی دینی ہے۔ سیاسیات ملکی سے ہمیشہ کنارہ کش رہا ہے۔ اور ابھی تک محض اپنے دینی حقائق ہی وجہ سے قائم ہے۔ اگر آپ کا تعلق ملکی سیاستوں سے ہوتا اور جیسا کہ ہمیشہ سلاطین جو آپ کے خلاف رہے اور اپنی دانست میں پوری طاقت سے آپ کا قلع قمع کرنے میں مصروف رہے۔ اقتدار ہمیشہ دوسری جماعتوں ہی کے ہاتھ میں رہا۔ آپ مدت سے مٹ چکے ہوتے جیسا کہ کئی فرقے مٹ گئے جن کے آج صرف نام ہی نام رہ گئے ہیں۔ لہذا آپ یہ چیز پوری طرح سے ذہن نشین کریں۔ کہ آپ کے کلیہ معاملات پیدائش سے موت تک سو فیصدی دینی ہیں۔ پولیٹیکل نہیں۔ اب آپ اپنے حالات اور خود اپنے نفسوں کا جائزہ لیں۔

ملک میں شاید ہی کوئی ایسا مقام ہو۔ جہاں آپ کی مختلف انجمنیں کام نہ کر رہی ہوں یعنی ایک ایک مقام پر کئی کئی انجمنیں موجود نہیں۔ نہ صرف ایک ایک شہر یا گاؤں میں بلکہ ایک ایک علاقے یا محلے میں کئی کئی انجمنیں تشکیل ہو چکی ہیں۔ اور انجمنوں کا یہ سیلاب دن بدن بڑھتا ہی جاتا ہے۔ کم نہیں ہوتا۔ اس پر طرہ یہ کہ آپس میں بھی کھچاوٹ ہے۔ ایک انجمن دوسری انجمن کے خلاف ہے۔ گو مذہبی یا دینی اختلاف معدوم ہے۔ مگر انجمن سازی کا شوق اور نمائندہ بننے کی ہوس ایک کو دوسرے کا مخالف بننے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس امر سے انکار ناممکن ہے کہ اگر نیتیں بخیر ہوں۔ اور دل میں محبت دین و ایمان ہو تو آپس میں مخالفت محال بلکہ ناممکن ہو جاتی ہے۔ مگر حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ افتراق قوم و مذہب کیلئے زہر قاتل سے کم نہیں اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو آپ کی طاقت دن بدن بٹتی جائے گی۔ اور آپ ایک مردہ جسم کی مانند ہو کر رہ جائیں گے۔

جس قوم کی تعداد صرف ایک ہی ملک میں کئی کروڑ ہو۔ اور جس کا ہر سال کروڑ ہا روپیہ صرف

کارِ خیر ہی پہ صرف ہو جاتا ہو۔ اُس کے روزنامہ اخبارات نہ ہوں۔ کوئی کالج یا مدرسہ نظر نہ آئے۔ باعثِ حیرت و تعجب ہے۔ مظلوموں کے نام لیوا ہونے کے باوجود اُس قوم کے ہسپتال اور خدمتِ خلق کے ادارے نہ ہونے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ اور دِن بدن افرادِ قوم میں اختلافات اور علماء میں حسد و عداوت کا کیا باعث ہے؟ یہ چیزیں ہر ذی علم ہمدردِ ملّت کے سوچنے کے قابل ہیں۔ اِس کی وجہ محض ایک اور صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے۔ قوم کا مختلف گروہوں مختلف انجمنوں، اداروں اور کانفرنسوں میں بٹ جانا۔ طاقت کے بٹ جانے سے جو جو کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ اظہر من الشمس ہیں۔ یہی اسوقت آپ کی ملّت کا حال ہے۔ مرض اُسی وقت جڑ پکڑ لیتا ہے۔ جب کہ مریض کمزور ہو اور اگر مریض طاقتور ہو تو مرض پہ غلبہ حاصل کر لیتا ہے اور مرض دب جاتا ہے۔ آج جس طرح ہمارا ایک خدا۔ ایک رسولؐ۔ ایک قرآن۔ ایک امامؑ۔ ایک اصول ایک فروع ہے۔ اُسی طرح اگر ہماری قوم کا سربراہ بھی ایک اور تنظیم بھی ایک ہی ہوتی تو یہ امر ناقابلِ انکار اور حقیقت کے عین مطابق ہے۔ کہ سب دنیا آپ کی طرف کھنچی آتی اور کوئی طبقہ ایسا نہ ہوتا جو بعد از رسولؐ قرآن اور اہلبیت طاہرینؑ کے پیغام سے متاثر نہ ہو چکا ہوتا۔ اور آپ کے اٹل دلائل و براہین سے مرعوب نہ ہو چکا ہوتا۔ مگر آج جب آپ کا نام کسی کے سامنے لیا جاتا ہے۔ تو فوراً بدعملی کی طرف اُس کے دماغ کا رجوع ہو جاتا ہے۔

قوم کا کروڑوں بلکہ اربوں روپیہ جو ہر سال غیر منظم طریقے سے بطور نذرانہ عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ اگر ایک تنظیم کے ماتحت صرف کیا جائے تو اُس سے اس قدر فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جو ہمارے وہم و گمان سے بھی باہر ہیں۔ اور اسی صورت میں اس کے نذرانہ عقیدت ہونے اور قبولیت میں بھی کچھ شبہ نہ ہو گا۔ قوم کا شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو جو کسی نہ کسی انجمن کا رکن نہ ہو۔ بلکہ اکثر آپ کو ایسے افراد ملیں گے۔ جو کئی کئی انجمنوں کے ممبر ہیں۔ اور باقاعدگی سے اُس انجمن کی مالی معاونت فرما رہے ہیں۔ اتنی انجمنوں کے الگ الگ کام کرنے سے کوئی ایک اہم کام بھی آج تک پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا۔ سب ادھورے پڑے ہیں۔ اگر آج تمام متفرق انجمنوں کے وجود کو ختم کر کے ایک واحد مرکزی انجمن قائم کر کے ہر فرد قوم اُس کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ ہر شہر و قصبہ و قریہ میں اُس مرکزی انجمن کی شاخ ہو۔ ہر فرد قوم کو اُس کا ممبر تصور کیا جائے اور ہر ایک کے لئے اُسی ایک انجمن کی اپنی اپنی مالی حیثیت کے مطابق ایک مقررہ معاونت کرنا ضروری قرار دیا جائے تو آج آپ کے اخبارات بھی جاری ہو سکتے ہیں۔ اور جگہ جگہ مدرسے بھی قائم ہو سکتے ہیں۔ اور آپ کے لئے کاروبار بھی مہیا ہو سکتے ہیں۔ اور آپ کے تبلیغی ادارے بھی چل سکتے ہیں۔ اور آپ کے اپنے ہسپتال بھی قائم ہو سکتے ہیں۔ اور آپ کی آواز بھی سُنی جا سکتی ہے۔ اور آپ کی بات کو آپ کے

مطالبات کو بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے بجٹ بھی بن سکتے آپ کے سیکرٹریٹ بھی قائم ہو سکتے ہیں۔ اور آپ عزت و آبرو سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں۔ اگر آپ کی واحد تنظیم قائم نہیں ہو سکتی تو آپ جدا جدا ہوتے جائیں گے آپ کی طاقت بٹتی چلی جائے گی۔ آپ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوتے رہیں گے۔ اغیار آپ پر ہنسیں گے اور آپ اور آپ کی آئندہ نسل آہستہ آہستہ اپنا دین و مذہب کھو کر اپنی دنیا اور آخرت کی خرابی کا باعث بن جائے گی۔

وما علینا الا البلاغ المبین!

معارف اسلام کے مسلک کی فتح

موجودہ حکومت سے پیشتر ملک میں جس طرح لوٹ کھسوٹ۔ چور بازاری اور غارت گری وغیرہ کا بازار گرم تھا، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ نیا دور جاری ہونے کے بعد امن پسند عوام نے سکھ کا سانس لیا۔ امن کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اور رعیت جو فتنہ و فساد میں مبتلا تھی۔ الیکشن کے لئے غلط پروپیگنڈے جاری تھے۔ سب ختم ہو گئے۔ جو لوگ اقتدار کے خواب دیکھ رہے تھے! اور سادہ دل عوام کے جذبات سے کھیل رہے تھے، ان کے خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ خدا نے ملک کو مصیبت سے بچا لیا۔ سابق صدر مملکت نے ملک میں موجودہ قوانین نافذ کرتے وقت یہ اعلان کیا تھا۔ کہ "عام انتخابات سے ملک کی موجودہ صورت حال کی اصلاح نہیں ہو سکتی" دیگر یہ بھی اعلان میں فرمایا کہ:۔

"سیاسی پارٹیوں کی ذہنیت ملک کے لئے وبالِ جان بن چکی ہے۔ ایسے حالات میں میرا خیال ہے کہ عام انتخابات سے صورتِ حال کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ ..... عام انتخابات میں وہی لوگ ہونگے جنہوں نے پاکستان کو تباہی کے گڑھے تک پہنچا دیا ہے۔ ظاہر ہے یہ لوگ انتخابات کو اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ عام انتخابات علاقائی۔ طبقاتی اور ذات برادریوں کے اصول پر لڑے جائیں گے۔ جن کی وجہ سے جمہوریت ڈھونگ بن گئی ہے۔ اور جن کے باعث ملک میں سخت مایوسی پیدا ہو چکی ہے۔ نظم و نسق اچھا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن پارٹی بدلنے کی عادت اور برسر اقتدار آنے کی ہوس سے نہ تو انتخابات آزاد ہونگے۔ نہ ہی ان کی وجہ سے ملک کے بنیادی مسائل حل ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ ایسے انتخابات ملک کی مایوسی اور رنج و غم میں اضافہ کرینگے..."

یہ معارف اسلام کے مسلک کی بہت بڑی فتح ہے۔ کیونکہ ملکی حالات جو دن بدن بد سے بدتر ہو

ہے تھے۔ ان کی وجہ سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی تھی۔ کہ جمہوریت کا نسخہ اس مریض کے لئے سخت مضر ہے۔ اور کسی وقت بھی جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔ رائے عامہ جو ناقص ہوتی ہے۔ اور عموماً بدلتی رہتی ہے۔ اپنے نفع و نقصان کو حقیقی طور سے نہیں سمجھ سکتی۔ بلکہ اپنے ہر جائز و ناجائز مفاد کے حصول کے لئے اپنی ذاتی خواہش اور ذاتی رائے پر عمل کر گذرتی ہے جا ہے بعد کو اُسے نقصان ہی کیوں نہ اُٹھانا پڑے۔ لہٰذا یہ خلافِ دین اللہ ہے۔ ہمارے ہر فعل و قول اور نیت تک کا خدا تعالیٰ کی مرضی کے ماتحت ہونا ضروری ہے۔ اسلامی اصولوں کے تحت ہماری اپنی ذاتی رائے کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ "قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" (قرآن) اور معیارِ قیادت "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" (قرآن) کی رو سے خوفِ خدا۔ عمل صالح اور قابلیت ہے۔ نہ کہ عوام کے ووٹ جن میں بد بھی ہوتے ہیں اور جاہل بھی۔ لہٰذا موجودہ دنیا کے فسق و فجور اور بدامنی عالم کا واحد علاج یہی ہے۔ کہ تمام دنیا میں جمہوریت کو دفن کر کے معیاریت کو رائج کیا جائے۔ خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ انتظامِ حکومت بر وقت فوج کے سپرد ہو جانے سے ملک پاکستان ایک بڑے خطرے سے بچ گیا اور مرکزی حکومت بھی قابلیت اور نیک نیتی کے لحاظ سے معیاری آدمیوں سے تشکیل دی گئی ہے۔ جب ہر سرکاری دفتر میں ڈیوٹی کے لئے قابلیت اور تجربہ کے معیار کے مطابق افراد لئے جاتے ہیں تو محکموں کے چوٹی کے سربراہ اپنے اپنے کاموں کے بہترین دماغ کیوں نہ ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ ملک صحیح راستہ پر چل نکلا۔

کتاب "استقرارِ حقِ عزاداری"

عزاداری امام حسین علیہ السلام عہد حضرت ختمی مرتبت (صلعم) سے جاری ہے۔ آپ فرمائینگے کہ شہادتِ عظمیٰ تو ۶۱ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ عہدِ رسولؐ میں عزاداری کیسے جاری ہو گئی؟ اس کا جواب یہی ہے۔ کہ قیامت۔ یومِ محشر۔ جنت و دوزخ تو ابھی آئندہ آنے ہیں۔ یہ پہلے ہی اِن کے متعلق بیانات کیسے اور ڈر و خوف کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق حضرت مخبرِ صادق (صلعم) نے بیانات دیئے اُسی طرح واقعۂ کربلا کے متعلق بھی مسلمانوں کو آگاہ فرمایا۔ واقعات بیان کر کے خود روئے اور اہلبیتؑ۔ امہات المومنینؓ اور صحابہؓ کو رلایا۔ قرآن میں اس واقعۂ عظمیٰ کی خبر نہ صرف عہدِ رسولؐ میں دی گئی۔ بلکہ عہدِ حضرت ابراھیم خلیل اللہ میں بھی آگاہ کیا گیا۔ اور اس کے لئے

"ذبحِ عظیم" کا لفظ ارشاد فرمایا۔ قولِ اقبال علیہ الرحمۃ سے

الله الله بائے بسم الله پدر ⁂ معنیِ "ذبحِ عظیم" آمد پسر

اور تاریخوں سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراھیم خلیل اللہ بھی واقعہ شہادت سن کر گریہ وزاری فرماتے رہے۔ [1]

غرضیکہ یہ عزاداری قدیم الایام سے جاری ہے۔ اور تمام مسلمان اہل تشیع حضرات صوفیاء اور اہلسنت والجماعت وغیرہ وغیرہ اپنے اپنے طریقوں سے عزاداری مناتے ہیں۔ مگر ایک مسئلہ امر ہونے کے بوجوہ چند یہ مسئلہ متنازعہ رہا۔ یہ محض اس لئے کہ چونکہ یہ واقعہ بنی اُمیہ کے عہد میں ہوا تھا۔ اور حکومت ۱۳۲ھ تک بنی اُمیہ کے ہاتھوں میں رہی۔ لہذا عزاداری الاعلان نہ منائی جا سکی۔ یہ بات چل نکلی اور بعض حالات کی وجہ سے ابھی تک مختلف طریقوں کے متعلق بحث جاری ہے۔

آپس میں بے اتفاقی مسلمانوں کے لئے سخت نقصان دہ اور بربادی کا باعث ہے۔ عزاداری امام مظلوم چونکہ سب مناتے ہیں۔ لہذا سب مسلمانوں کے لئے یہ مرکزِ اتحاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اس امر کے لئے آپ کے اس محبوب ادارہ (معارفِ اسلام) نے کتاب مستطاب "استقرارِ حقِ عزاداری" تیار کی ہے۔ جسے عزاداری امام حسین علیہ السلام کا قاموس سمجھ لیجئے۔ اس ضمن جس چیز کی بھی آپ کو ضرورت ہو گی۔ آپ کو کتاب میں مل جائے گی۔ یہ مسئلہ عزاداری امام مظلوم کے متعلق یہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ جو اپنے موضوع میں کامل واکمل ہے۔ جس کی مثل گذشتہ تیرہ ۱۳ سو سال میں موجود نہیں۔

کتاب کو ایک ہی جلد میں تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ حصہ اول "مقدمہ استقرارِ حق" ہے۔ جس میں مسئلہ عزاداری پہ ایک جامع تبصرہ ہے۔ جو اپنے پہلو میں بیسیوں مضامین لئے ہوئے ہے۔ یہ دنیا کی مختلف حکومتوں کے مذہبی آزادی کے اعلانات ہیں۔ جن سے ہر فرقہ کی اپنے مذہبی اعمال کی انجام دہی میں مکمل آزادی شامل ہے۔ اگر اسی حصہ کو بغور مطالعہ کر لیا جائے تو تمام تنازعات کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ حصہ دوم "دعوےٰ استقرارِ حق" کے نام سے موسوم ہے۔ جس میں مختلف تنقیحات قائم کر کے سب سے پہلے اسلام کے دو مایہ ناز فرقوں شیعہ و سُنی کے متعلق مکمل حالات درج ہیں لغت قرآن۔ تفاسیر۔ احادیث اور تواریخ سے مدلل کی گئی ہے۔ ہر دو فرقوں کی

---

[1] پڑھیے جناب ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب (صدر جمعیت العلماء پاکستان) کی مشہور و معروف کتاب "اوراقِ غم" و دیگر کتب تاریخ مدینہ وغیرہ وغیرہ۔

تاریخ متحدہ ہندوستان میں ترویج مذہب اہلبیت کی تاریخ۔ تاریخ عزاداری۔ تاریخ کربلا معلیٰ۔ تاریخ کوفہ۔ مختصر تاریخ واقعات کربلا۔ جدول حالات حضرت سید الشہداء علیہ السلام تاریخ مجالس عزا۔ تاریخ جلوس محرم۔ تاریخ تعزیہ۔ تاریخ شبیہ ذوالجناح اور کئی دیگر مفید مضامین شامل ہیں۔ تیسرا حصہ "جوازِ عزاداری" ہے۔ جو اپنی نوعیت میں لاثانی حیثیت کا حامل ہے۔ جملہ افعالِ عزاداری کا از روئے قرآن۔ بطریق سنی اور بطریق شیعہ از روئے کتب اہل کتاب علیحدہ علیحدہ باب قائم کر کے متعلقہ کتب کے مکمل حوالہ جات سے مزین کیا گیا ہے۔ عزاداری امام حسین علیہ السلام میں جو افعال انجام دیئے جاتے ہیں۔ ہر ہر عمل کا علیحدہ علیحدہ جواز ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جو رہ گیا ہو۔ فضائل گریہ و انعقاد مجالس کے علیحدہ ابواب ہیں۔ ذاکرین و مرثیہ خوانوں کے متعلق علیحدہ ابواب قائم کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد پاک و ہند میں مختلف مقدمات عزاداری کے مکمل متن اور ججوں کے فیصلے مع تاریخ و نمبر مقدمہ وغیرہ مکمل تفصیلات سے درج کئے گئے ہیں۔ انگریزی متن بھی دیئے گئے ہیں۔ عزاداری پر بیسیوں اعتراضات کے مکمل جوابات کا علیحدہ باب قائم کیا گیا ہے۔ کتب شیعہ سے عزاداری کے خلاف جو مواد پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا مکمل جواب بھی پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کیا ہے۔ عزاء امام مظلوم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے متعلق مکمل مضامین کا ایک بے بہا خزانہ ہے۔ جس کا ہر ذی علم ہر مولوی۔ ہر قانون دان۔ ہر لائبریری اور ہر گھر میں ہونا ضروری ہے مگر اس عظیم الشان کتاب کی اشاعت کا بار ادارہ معارف اسلام فی الحال اکیلا برداشت کرنے کے قابل نہیں۔ لہذا یہ اسکیم بنائی گئی ہے۔ کہ اس کے خریدار پیشگی بنا لئے جائیں۔ اور جس وقت کم از کم چار صد خریداروں کی طرف سے پیشگی رقم موصول ہو جائے تو کتابت شروع کرا دی جائے۔ ڈیڑھ ہزار بڑے صفحوں کی کتاب قیمت بارہ ۱۲ روپے ہو گی اور مجلد ولائتی پندرہ ۱۵ روپے کی ہو گی۔ لہذا ذی علم و مخیر حضرات کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس امر عظیم کی طرف فوری توجہ فرمائیں۔ اگر کوئی محب امام حسین علیہ السلام عطیہ دینا چاہے تو عطیہ جات کی رقم کی وجہ سے قیمت کتاب مزید کم کر دی جائے گی۔

ہم بخوبی سمجھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی ایک ہی عاشق حضور سید الشہداء میدان عمل میں آجائے تو یہ کتاب فوری طور پہ زیور طبع سے آراستہ ہو سکتی ہے لہذا ہم تمام مومنین کی خدمت میں یہ دردمندانہ آواز پہنچانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ دیکھیں کون کون دربار حسینی میں اپنا نام لکھواتا ہے۔ رقوم کی آمد کا حساب علیحدہ رکھا جائے گا۔ رسیدات باقاعدہ ارسال کی جائیں گی۔ (ادارہ)

برائیوں کی جڑ!

کیا آپ نے کبھی یہ بھی سوچا ہے۔ کہ دنیا میں برائیوں کی جڑ کیا ہے؟ دنیا میں سب ہی قسم کے لوگ آباد ہیں۔ سینکڑوں عقائد اور ہزاروں اصول لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ پھر طبیعتیں جدا جدا ماحول جدا جدا۔ رسم و رواج جدا جدا ہیں۔ کوئی بات ایک جگہ پسند کی جاتی ہے۔ دوسری جگہ وہی بات ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے دنیا میں زیادہ تر خدا پرست آباد ہیں۔ اور اپنے اپنے ادیان و مذاہب کی رو سے خدا پرستی کرتے ہیں۔ لاکھوں ادارے اور ہزاروں انجمنیں زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق صحیح راستہ دکھانے کے لئے برسرِ کار ہیں۔ ہزاروں کالج اور سینکڑوں یونیورسٹیاں انسانوں کو علم سکھانے میں مصروف ہیں۔ مگر باوجود ان تمام کوششوں کے دنیا دن بدن فسق و فجور میں مبتلا ہو رہی ہے۔ ظلم و ستم میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ برائیاں روز بروز بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔

اسلام اگر دین کامل ہے اور یہی سچا مذہب ہے۔ تو چاہیئے مسلمانوں ہی میں برائیوں کا فقدان ہوتا اور امن و اطمینان قائم ہوتا مگر یہاں تو عملی طور پر زیادہ ہی قابلِ اعتراض باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو دوسروں کیلئے قابلِ تقلید نہیں۔ اگر مسلمانوں ہی میں علم زیادہ ہوتا تو تمام دنیا ان ہی کی یونیورسٹیوں سے علم حاصل کرتی مگر یہاں تو الٹا یورپ و امریکہ کے تعلیمی اداروں میں جا کر ان کے مرہونِ منت ہوتے ہیں بلکہ کئی تحریکات مسلمانوں میں پیدا ہو چکی ہیں جنکی رو سے یورپی تعلیمات سے متاثر ہو کر ایسے خیالات و نظریات کو اسلام میں دھکیلا جا رہا ہے۔ اگر یورپی نظریات ہی کو درست تسلیم کر لیا جائے تو وہاں ہی امن و اطمینان ہوتا۔ مگر حالات ایسے نہیں۔ کہ بقول کسی گذشتہ پاپائے روم کے اقبال کی زبان سے ~

کند ہر قوم پیدا مرگِ خود را
ترا تقدیر و ما را گشت تدبیر

تو پھر تمام دنیا سے برائیاں ختم کیوں نہیں ہوتیں؟ ہماری تحقیق کے مطابق اس کی ایک اور صرف ایک ہی وجہ ہے۔ وہ یہ کہ خدا اور آخرت پر لوگوں کو یقین نہیں ہے۔" اور "آخرت کا یقین بھی" خدا پر یقین کے ماتحت ہی آتا ہے۔ خدا ہماری نظروں کے سامنے نہیں یعنی ہم اپنی بصارت سے اسے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ کوئی مادی شے نہیں۔ بلکہ وہ جب روحانی شے بھی نہیں تو مادی کیونکر ہوگا لہٰذا خدا بھی مادیت سے پوشیدہ اور آخرت بھی۔ جب آخرت کو بھی محض ایک واہمہ ہی سمجھا جائے۔ اور سب کچھ مادیت یا جسم انسانی یا عقلی

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ ہو)

حکمران اور رعیت کے باہمی حقوق

(بزبان امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام)

"......وأعظم ما افترض سبحانه من تلك الحقوق حق الوالي على الرعية وحق الرعية على الوالي، فريضة فرضها الله سبحانه لكل على كل، فجعلها نظاما لألفتهم وعزا لدينهم. فليست تصلح الرعية إلا بصلاح الولاة ولا تصلح الولاة إلا باستقامة الرعية. فإذا أدت الرعية إلى الوالي حقه، وأدى الوالي إليها حقها، عز الحق بينهم، وقامت مناهج الدين، واعتدلت معالم العدل، وجرت على أذلالها السنن، فصلح بذلك الزمان، وطمع في بقاء الدولة، ويئست مطامع الأعداء. وإذا غلبت الرعية واليها، أو أجحف الوالي برعيته، اختلفت هنالك الكلمة، وظهرت معالم الجور، وكثر الإدغال في الدين، وتركت محاج السنن، فعمل بالهوى، وعطلت الأحكام، وكثرت علل النفوس، فلا يستوحش لعظيم حق عطل، ولا لعظيم باطل فعل، فهنالك تذل الأبرار، وتعز الأشرار، وتعظم تبعات الله سبحانه عند العباد. فعليكم بالتناصح في ذلك وحسن التعاون عليه......" (نہج البلاغہ)

"......اور سب سے بڑا حق کہ جسے اللہ سبحانہ نے واجب کیا ہے حکمران کا رعیت پر اور رعیت کا حکمران پر ہے۔ کہ جسے اللہ نے والی و رعیت میں سے ہر ایک کے لئے فریضہ بنا کر عاید کیا ہے اور آپس میں رابطۂ محبت قائم کرنے اور ان کے دین کو سرفرازی بخشنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ رعیت اسی وقت خوشحال رہ سکتی ہے جب حاکم کے طور طریقے درست ہوں اور حاکم بھی اسی وقت صلاح و درستگی سے آراستہ ہو سکتا ہے جب رعیت اس کے احکام کی انجام دہی کیلئے آمادہ ہو۔ جب رعیت، فرمانروا کے حقوق پورے کرے اور فرمانروا رعیت کے حقوق سے عہدہ برآ ہو تو ان میں حق باوقار، دین کی راہیں استوار اور عدل و انصاف کے نشانات برقرار ہو جائیں گے اور پیغمبر کی سنتیں اپنے ڈھرے پر چل نکلیں گی اور زمانہ سدھر جائیگا۔ بقائے سلطنت کے توقعات پیدا ہو جائیں گے اور دشمنوں کی حرص و طمع ناامیدی سے بدل جائیگی اور جب رعیت حاکم پر مسلط ہو جائے یا حاکم رعیت پر ظلم ڈھانے لگے تو اس موقعہ پر ہر بات میں اختلاف ہوگا، ظلم کے نشانات ابھر آئیں گے، دین میں مفسدے بڑھ جائیں گے، شریعت کی راہیں متروک ہو جائیں گی، خواہشوں پر عمل درآمد ہوگا، شریعت کے احکام ٹھکرا دیئے جائیں گے، نفسانی بیماریاں بڑھ جائیں گی اور بڑے سے بڑے حق کو ٹھکرا دینے اور بڑے سے بڑے باطل پر عمل پیرا ہونے سے بھی کوئی نہ گھبرائیگا۔ ایسے موقعہ پر نیکوکار ذلیل اور بدکردار باعزت ہو جاتے ہیں اور بندوں پر اللہ کی عقوبتیں بڑھ جاتی ہیں۔ لہٰذا اس حق کی ادائیگی میں ایک دوسرے کو سمجھانا بجھانا اور ایک دوسرے سے خوبی تعاون کرنا تمہارے لئے ضروری ہے......"

(از الحاج آقائے سید لطیف شاہ صاحب بخاری کنجاہی)

حقائق و معارف

تیرا ہی ذکرِ خیر ہو دل اور زباں کے ساتھ (۱) دونو یہ ہمنوا رہیں تیرے بیاں کے ساتھ

میں گلستانِ دہر میں بے آشیاں رہا (۲) بجلی کو دشمنی تھی میرے آشیاں کے ساتھ

محرم ملا نہ کوئی مجھے اس جہان میں (۳) سرخوش رہا میں ذکرِ دلِ رازداں کے ساتھ

تسبیحِ دل سکینۂ اہلِ ذکر ہے! (۴) کچھ رابطہ نہیں اسے مادّی جہاں کے ساتھ

قدرت کے راز - آدم و شیطاں کی دشمنی (۵) شر کا مقابلہ بشرِ ناتواں کے ساتھ

یک بے نیاز دستۂ سرگرمِ عیش و نوش (۶) بے برگ ساز تودہ آہ و فغاں کے ساتھ

دلبستگی جاہلاں با مقصدِ امور (۷) راز و نیازِ کاملاں پیرِ مغاں کے ساتھ

تسخیر و ضبطِ نفس سراسر محال ہے (۸) بے لطفِ حق کہ شرط ہے اہلِ امتحاں کے ساتھ

حسنِ عمل ہے مقصدِ تکوینِ زندگی (۹) زادِ سفر ہے لازمہ ہر کارواں کے ساتھ

بے نورِ اہلِ بیت [illegible] (۱۰) یہ چودھویں کے چاند ہیں کون و زماں کے ساتھ

کیا جانے غیر لذتِ سوز و فغانِ عشق (۱۱) اس کا تو مشغلہ ہے شکم اور دہاں کے ساتھ

وعدہ کیا تھا خواب میں آئے نہیں ابھی (۱۲) دلِ بیقرار چشم بھی اشکِ رواں کے ساتھ

زیبا نہیں یہ تلخ نوائی دلا تجھے (۱۳) آ سیکھ لے شمائل شاہدِ شیریں بیاں کے ساتھ

ٹھیر اے اجل - شتاب نہ کر جیتے ہیں ابھی (۱۴) کچھ مختصر سا کام ہے صاحبِ قراں کے ساتھ

شیدا ہیں منتظر ترے باغِ بہشت میں (۱۵) غلمان و حور عقدۂ اہلِ جناں کے ساتھ

یادداشت } مندرجہ بالا نظم جو قبلہ شاہ صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کہی ہے نہ صرف فصیح و لطیف و شیریں بلکہ حقائق و معارف سے لبریز ہے اشعار ۱-۲-۳-۴-۱۲ میں ایسے کنایات ہیں جن کی تہ کو اہلِ ریاضت و معرفت ہی پہنچ سکتے ہیں۔ شعر ۹ میں اشارہ ہے۔ آیہ کریمہ الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔ (قرآن ج: ۲۹) شعر ۱۰ کا معنی ہے اولاً محمد و آلِ محمد چہاردہ معصومین ہیں۔ ثانیاً یہی چہاردہ[۱۴] معصومین چودھویں کے چاند یعنی بدرِ کامل ہیں جو قیامت تک اس دنیا میں چمکتے رہیں گے۔ دوسرے مصرعہ میں کون کا لفظ ذو دو معنی ہے۔ (۱) مرکزِ عالم امکانیہ یعنی محمد مصطفےٰ (۲) مرکزِ حقیقی یعنی خدا تعالےٰ۔ کوئی شخص بغیر اسلام تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جب تک اہلبیت نبوت کا دامن پکڑے۔ جب پیغمبر کے حضور میں پہنچ گیا تو پیغمبر کے ذریعے خدا تعالےٰ کے حضور میں پہنچ سکیگا۔ شعر ۱۳ میں اشارہ ہے بطرف ظہور حضرت ۳

۳ حضرت امام زمان عجل اللہ فرجہ صاحب الزمان یعنی اس دور کے صاحبِ قرآن یعنی قرآنِ ناطق (ادارہ)

وحدت ملی کے متعلق نامہ وپیام

محترم سردار کریم بخش حیدری

و

غیاث الدین مدیر ادارہ "معارف اسلام"

(یاد دہانی: گذشتہ "معارف اسلام" کے شمارہ ماہ اکتوبر میں "گفتنی ہا" کی ابتداء میں "تنظیم وقیادت کے سلسلہ میں چند غور طلب نکتے" بیان کئے گئے تھے۔ اس ضمن میں ہمارے محترم سردار کریم بخش صاحب حیدری نے علی پور سے اپنے خیالات کی "وضاحت" ارسال فرمائی ہے۔ جس کے متعلق مدیر "معارف اسلام" نے بھی اپنا مافی الضمیر واضح کیا ہے۔ ذیل میں اول محترم سردار صاحب کی "وضاحت" بعد ازاں مدیر "معارف اسلام" کا جواب درج کیا گیا ہے۔ ادارہ)

وضاحت!

(از سردار کریم بخش حیدری علی پور)

برادر ایمانی! تسلیم! "معارف اسلام" ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں تنظیم وقیادت کے سلسلہ میں ادارہ کا نوٹ پڑھ کر بڑی روحانی مسرت ہوئی ہے۔ کہ آپ نے رفیق محترم سید حسن بلتانی اور اس ناچیز کے مضامین پر تنقید وتبصرہ فرما کر ہماری عزت افزائی فرمائی ہے۔ اور اپنے قیمتی خیالات کا اظہار کرکے اس مسئلہ کی طرف قوم کی پھر توجہ مبذول کر دی ہے۔ ہم ادارہ "معارف اسلام" کی اس ذرہ نوازی اور علم دوستی کے ممنون ہیں۔

خدا کا شکر ہے۔ کہ بنیادی امور میں ہمارے اور ادارہ کے نقطۂ نظر میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ بعض گوشے جو ابھی تک بظاہر اختلافی معلوم ہوتے ہیں۔ انشاء مزید افہام وتفہیم سے ان میں یکجہتی پیدا ہو جائے گی۔ اور اس دوستانہ بحث میں قوم کو بھی غور وفکر کا موقعہ مل جائے گا۔

ہمارا مقصد یہ ہے۔ کہ ہماری تنظیم ہو۔ ہم میں وحدت اور مرکزیت قائم ہو جائے۔ کیونکہ اس کے بغیر تنظیم ناممکن ہے۔ ہمارا دینی نظام۔ وحدت اور مرکزیت کا علمبردار ہے۔ ایک خدا۔ ایک رسول۔ ایک قرآن بیک وقت ایک امام۔ ایک شریعت۔ ایک فقہ۔ ایک اصول۔ ایک فروع اور ایک طرح کے احکام اسلام پر ہمارے دینی مسلک کا دار ومدار ہے۔ اور یہی آئمہ معصومین علیہم السلام کی تعلیم ہے۔ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ رسول خدا آخری پیغامبر ہیں۔ ان کے مقابلہ میں کوئی دوسرا رسول نہیں۔

قرآن کی موجودگی میں کوئی دوسرا الہامی اور غیر الہامی حکم قابلِ عمل نہیں۔ رسالت کے بعد امامت کا سلسلہ بلا فصل ہے۔ اور ایک وقت میں ایک امام مرجع خلائق۔ محافظِ دین اور ناشر و مبلغ قرآن و سنت ہے۔ امام حسنؑ کے زمانہ میں حضرت حسینؑ موجود ہیں۔ لیکن نائبِ امام بھی نہیں کہلا سکتے۔ اسی طرح حجۃ عصر علیہ السلام کے زمانہ "غیبت صغریٰ" میں بیک وقت ایک سفیرِ امام مقرر کیا جاتا ہے۔ جو ہمارا مفتیِ اعظم، مجتہدِ اعظم اور اعالم ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر عالمِ دین اور مجتہد۔ اس زمانہ کے موجود ہیں کسی کو نائبِ امام یا مجتہدِ اعظم کہلانے کا مستحق قرار نہیں دیا گیا۔

اب غیبت کبریٰ کے اس پُر آشوب عبوری دور میں ہماری روحانی قیادت اور سیادت اور نائب امام اور مجتہد اعظم کے منصب جلیلہ کیلئے ہم کس طرح یہ تسلیم کریں کہ ہر صاحبِ تقلید مجتہد نائب امام ہے۔ اور آیۃ اللہ فی العالمین کے لقب سے ملقب کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت میں اس موجودہ انتشار اور تشتت کی تمام تر ذمہ داری اس گھر گھر اجتہاد اور کثیر التعداد مجتہدین پر عائد ہوتی ہے۔ جنہوں نے خود کو پیر و مرشد بنا کر قوم کے حصے بخرے کر دیئے ہیں۔ اور فقہی اختلاف یا اجتہادی اختلاف کی آڑ لے کر قوم کی وحدت اور مرکزیت ختم ہو رہی ہے۔ ایرانی، عراقی کو مجتہد اعظم تسلیم نہیں کرتے اور عراقیوں کا نائب امام جدا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ عالمی شیعی تنظیم قائم نہیں رہ سکی۔ اور اس کا یہ اثر ہوا ہے۔ کہ تمام اسلامی ممالک جس میں پاکستان بھی شامل ہے۔ مجتہدین حضرات کے الگ الگ گروہ، پارٹیاں فتوے، فیصلے اور ٹولے بن گئے ہیں جس سے قوم کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام اور حضرت حجۃ عصر علیہ السلام کے ارشادات غیبت کبریٰ کے لئے عمومی حیثیت کے مالک ہیں۔ لیکن جب ہزاروں مجتہدین کو چھوڑ کر اب ملت نے دو عالمی مجتہدین عظام کو سب سے بڑا جس طرح سے مان لیا ہے۔ اسی طرح سے ان دو میں سے ہی ایک کو بڑا تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ ہمارا ایک مفتیِ اعظم، مجتہدِ اعظم اور نائبِ امام بن کر سربراہِ قوم اور سردار و قائدِ ملت کہلانے کا صحیح معنوں میں مستحق قرار دیا جا سکے۔ ان کے وجود سے "وحدت و مرکزیت" قائم رہے۔ اور یہی "ادارہ اجتہاد" کا صدر نشین اور ناظمِ اعلیٰ بن کر رہے۔ اور شیعی دنیا میں ایک ہی قسم کی فقہ کا "دستور العمل" رائج ہو سکے۔ موجودہ فقہی اختلافات ختم ہو جائیں۔ جس کی رو سے جمعہ، جماعت اور خمس و زکوٰۃ اور دیگر شرعی امور میں کھینچی جاتی رہی ہے۔

بیشک ہمارے ہاں "معصوم" کی حد تک انتخاب ناجائز ہے۔ لیکن غیر معصومین میں سے ELECTION کی بجائے SELECTION یعنی انتخاب اور قابلیت اور اہلیت کے معیار پر کسی کو بڑا چن لینا تو نام نہاد جمہوریت سے مماثلت قرار نہیں دی جا سکتی۔ نماز جماعت کے لئے چند پیشنمازوں میں سے آخر ایک کو ہر لحاظ سے دوسروں سے بہتر سمجھ کر چن لینا کبھی جمہوری

اور انتخابی زد میں نہیں آسکتا۔
اسی طرح سے عالم اسلامی کے شیعہ مجتہدین اور علمائے کرام کسی مقام پر جمع ہو کر ایک مفتی اعظم اور مجتہد اعظم کی ذات پر اظہار اعتماد کر کے اس کو شیعی دنیا کا قائد اور مذہبی پیشوا تسلیم کرلیں اور فقط یہی ایک ذات "نائب امام" کہلانے کی مستحق سمجھی جائے تو یہ کیونکر جمہوریت بن جائے گی۔؟
تاریخی لحاظ سے ماضی میں ہمارا سب سے بڑا عالم دین بیک وقت تمام شیعی دنیا کا مجتہد اعظم رہ چکا ہے۔ سرکار مرزا۔ آقائے اصفہانی۔ مفید علیہ رحمہ۔ جامع نہج البلاغۃ کے والد ماجد وغیرہم۔ آخر موجودہ دستور کے مطابق مجتہدین میں بھی اعلم کی تقلید کا جو حکم دیا گیا ہے۔ اس میں باقی مجتہدین کی تقلید ساقط ہو کر رہ گئی ہے۔ اسی طرح دو مجتہد عظام میں یا چند اعالم میں سے ایک کو سب سے بڑا مجتہد تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ جو آپ کے مسلک کے مطابق SELECTION ہو گا۔ نہ کہ ELECTION
میں نے اس نظام کو ادارہ اجتہاد کہہ کر اس کے فضل و کرم اور فیوض و برکات کو بطور ایک INSTITUTION. کا جو اقرار کیا ہے۔ وہ مسئلہ اجتہاد کے لئے ہر طرح سے موزوں ہے۔
یہی ادارہ اجتہاد ہے جو دین کو ساکن اور جامد ہونے سے بچا کر ہر زمانہ کی دینی ضروریات کا "نباض" قرار دیا گیا ہے۔ قانون سازی ہمارے ہاں اسطرح سے جاری ہے۔ کہ دین کے بنیادی اور اصولی تصورات کی روشنی میں ہمارا مجتہد اعظم حالات اور ضروریات زمانہ کے مطابق آئمہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات کی روشنی میں (BY LAWS) ضمنی قواعد مرتب کرتے۔ اور یہ کام دین کو زندہ اور پائندہ رکھنے اور ہر زمانہ میں شیعی دنیا کی مکمل رہنمائی اور قیادت کیلئے ضروری ہے۔ دینی مسائل کے علاوہ امام کے ارشاد سے دوسرے "مسائل حیات" میں بھی "مجتہد اعظم" کو رہنمائی کا مجاز قرار دیا گیا ہے۔ اور آج "مجتہد اعظم" نہ ہونے کی وجہ سے فقہی اختلافات کے علاوہ دوسرے مسائل زندگی میں ہماری رہنمائی جس طرح ساقط ہو کر رہ گئی ہے وہ ایک ایسی المناک داستان ہے۔ جو آپ بہتر جانتے ہیں۔
ہمارے بھائیوں نے "اجتہاد" کو "آئمہ اربعہ" تک محدود بنا کر غیر مقلدین اور وہابیت کو جنم دے دیا ہے۔ اور آئمہ اربعہ کے باہمی فقہی اختلافات سے جو مکتب خیال الگ الگ ہو گئے ہیں۔ ہمارے ہاں ان "اجتہادی غلطیوں" کا سدباب اسی طرح سے ہو سکتا ہے۔ کہ ہر زمانہ میں شیعی دنیا کا ایک مجتہد اعظم ہو اور وہی ہمارا مذہبی پیشوا۔ سربراہ قوم۔ سردار ملت اور نائب امام" ہو کر دینی وحدت اور قومی مرکزیت کو قائم کر کے ہماری تنظیم کر سکتا ہے جس کی تفصیلات اور لائحہ عمل میں نے اپنے مضامین میں بیان کر دیا ہے۔
ان معروضات کو معارف اسلام کے قیمتی صفحات میں شائع فرما کر مشکور فرمائیں۔ والسلام

(جواب صفحہ ۱۳ پر ملاحظہ فرمائیں ۔ا)

معارف اسلام :- مکرم و محترم حیدری صاحب السلام علیکم!

وحدت ملی یا مرکزیت قومی کے متعلق تو اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کا ارشاد بجا اور درست کہ "موجودہ انتشار و تشتت کی تمام ذمہ داری اس گھر گھر اجتہاد اور کثیر التعداد مجتہدین پر عاید ہوتی ہے"۔ معارف اسلام (اکتوبر ۱۹۵۹ء) میں بھی اسی بات پر زور دیا گیا تھا۔ کہ ہماری کمزوری کا باعث علما۔ لیڈران قوم اور انجمنوں کی بہتات ہے۔ افتراق بہتات ہی کی وجہ سے ہے۔ لہذا کثرت سے کنارہ کشی اختیار کرکے ہمیں وحدت کی طرف جھکنا پڑیگا۔ اور عالم یا لیڈر صرف وہی کہلانے کا مستحق ہوگا جو مضمون کے فرمودہ معیار پر پورا اترے۔ چند چیزیں قابل غور ضرور ہیں:-

(۱) اس میں شک نہیں۔ کہ بعض فقہی مسائل میں مجتہدین کے فتاوے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس اختلاف کو دور ہونا چاہیئے۔ مگر آپ کو اس بات سے بھی اتفاق ہوگا۔ کہ موجودہ قومی انتشار اور جملہ کمزوریاں محض فقہی مسائل ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی وجہ کچھ اور ہے اور آپنے درست سمجھی ہے یعنی عدم مرکزیت یا فقدان وحدت ملی بحمدللہ کہ ہمارے فقہی مسائل میں بہ نسبت دوسروں کے بہت کم اختلافات ہیں اور ہر جگہ ماسوائے چند ایک مخصوص مسائل کے ایک ہی طریقہ پر عمل ہو رہا ہے۔ اگر آج امام وقت کی غیبت میں ہماری مرکزیت قائم ہو جائے۔ تو ہمارے تمام دکھوں کا علاج ہو جائے۔ مگر سوچنا تو یہ ہے۔ کہ کیا ہمارے مذہبی اصولوں کی رو سے یہ مرکزیت قائم بھی ہو سکتی ہے۔؟

(۲) اگر مجتہد اعظم کو مرکز تسلیم کر لیا جائے تو کیا اصولی طور پر یہ درست ہے۔ کہ مجتہد اعظم ہمیشہ عربی، عراقی یا ایرانی یا مستقل طور پر کسی ایک مخصوص ملک ہی کا باشندہ ہو کیا ہند یا پاکستان یا کسی دوسرے ملک میں اس معیار کا مخصوص فرد کبھی پیدا نہیں ہوا یا آئندہ نہیں ہو سکتا؟ مثلاً حضرت غفران مآب و حضرت فردوس مآب طاب ثراہ یا ناصر الملت اعلی اللہ مقامہ، وغیرہ ایسے علماء مقدس بزرگ دنیا کے جملہ مومنین کے مجتہد اعظم کہلائے جانے کے مستحق تھے یا نہیں۔ موجودہ میں حضرت آقائے سید حسین بروجردی و آقائے سید محسن حکیم طباطبائی ہر دو بزرگوار ان کا علم کرتے ہیں۔ اور ان حضرات کا علم اور عزت و تکریم شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ لہذا یہی مرکزیت مقام پر فائز ہیں۔ مگر مقصد تو یہ ہے۔ کہ اصولی طور پر کیا پاکستان یا کسی دوسرے ملک میں بھی کوئی ایسا فرد نہیں ہو سکتا جو تمام دنیا کے محبان علی کا لیڈر یا مجتہد اعظم کہلا سکے اور تمام ممالک کے مومنین بھی اسے تسلیم کریں۔ یہ قابل غور چیزیں ہیں۔

(۳) موجودہ صورت میں آقائے بروجردی مدظلہ العالی (مجتہد اعظم) نے پاکستان میں اپنا آقائے شریعتی مدظلہ کو مقرر فرمایا ہوا ہے۔ آقائے موصوف کے عالم شرع اور باعمل و نیک طینت

ہونے میں کچھ شبہ نہیں مگر کیا ملک پاکستان میں کوئی ایسا عالم موجود نہیں جسے مجتہد اعظم اپنا نائب بنائے۔ کیا پاکستان میں آقائے شریعتی مدظلہ سے زیادہ مقدس اور زیادہ علمیت والا کوئی فرد موجود نہیں۔ کیا اصولی طور پر ہر ملک میں وہیں کا بہترین آدمی چھانٹ کر نائب مجتہد اعظم نہیں بن سکتا زیادہ مفید اور زیادہ با عمل مرکزیت قائم کی جائے۔ تو ان امور کی طرف مجتہد اعظم کو توجہ دلانا ضروری ہوگا۔ اگر مجتہدِ اعظم کو اختیارات کلی حاصل ہیں۔ تو مرکزیت قائم ہے۔ مومنین پاکستان کو ہر امر میں آقائے شریعتی مدظلہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

(۴) سب سے بڑھ کر اہم ترین مسئلہ یہ ہے۔ کہ مرکزیت صرف پاکستان ہی سے وابستہ نہیں۔ بلکہ ہند و چین عرب و مصر اور دیگر تمام ممالک کے محبان اہلبیت سے وابستہ ہے۔ اگر صرف عراق، ایران اور پاکستان ہی کا معاملہ ہوتا تو آسانی سے طے ہو سکتا تھا۔ مگر وحدت ملی صرف اسی صورت میں مفید ہو سکتی ہے جب کہ تمام دنیا کا نظام اس کے ماتحت چلے۔ لہذا اس اہم معاملہ کو تمام ممالک کی طرف سے اٹھنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں اگر پاکستان ہی کو آگے قدم بڑھانا ہے۔ (کیونکہ یہ آواز جہاں تک علمی حضرات کا تعلق ہے۔ صرف پاکستان ہی سے آ رہی ہے۔ اور دوسرے ممالک خاموش بیٹھے ہیں) تو سب سے پہلے خود مجتہدین عظام سے رابطہ قائم کر کے اُن سے شرعی اجازت اس امر عظیم کے متعلق لی جائے اور پھر دیگر ممالک کے علمائے کرام سے نامہ و پیام کر کے ان کو جاندار مرکزیت قائم کرنے کے لئے آمادہ کیا جاوے۔ یا پہلے دیگر ممالک سے خط و کتابت کی جائے۔ بعد ازاں مجتہدین عظام سے بصورت وفد تمام مل کر یا تحریراً بات چیت کریں۔

(۵) اگر مرکزیت کے قیام سے آپ صرف فقہی مسائل ہی کا حل چاہتے ہیں۔ تو وہ مرکزیت تو پیشتر ہی قائم ہے۔ البتہ آپ مومنین کو آمادہ کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ کہ وہ صرف مجتہدِ اعظم ہی کی تقلید کریں۔ اور کسی کی نہ کریں۔ مگر اس صورت میں تو قومی تشتت و افتراق ختم نہ ہو سکے گا۔ (ضروری کہ وہ صورت میں ختم ہے۔) کیونکہ اس صورت میں ہر ایک ذاتی طور پر اسی مجتہد اعظم کے فتویٰ کے تحت اپنا عمل تو قائم کر لیگا۔ مگر دیگر تمام قومی و مجلسی و دیگر معاملات میں پارٹی بازی جاری رہیگی لہذا مرکزیت کا قیام اس صورت میں مفید ہو سکتا ہے۔ جبکہ فقہ کے علاوہ دیگر تمام معاملات اسی مرکزیت کے ماتحت سرانجام ہوں۔ ہماری تمام زندگی شروع سے آخر تک صرف مذہب ہی سے وابستہ ہے۔ لہذا زندگی کا ہر شعبہ اسی مرکزیت کے زیر اثر ہونا چاہیے۔

اس ضمن میں یہ چیز خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ کہ چونکہ سوائے امام اور کوئی معصوم نہیں اور پیروی بلا چون و چرا صرف معصوم ہی کی ہو سکتی ہے۔ نیز مجتہدین عظام اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بلکہ قرآن و حدیث اور تشریحات معصومین سے استنباط کرتے ہیں۔ لہذا کیا ہر فیصلہ

بحث و مذاکرہ کے بعد کیا جائے گا؟ یا مجتہد اعظم کو اختیار کلی حاصل ہوگا۔ یا مجتہد اعظم کا صرف وہی فیصلہ قابل تسلیم ہوگا جس کو وہ قرآن و حدیث اور اقوال معصومین سے مطابقت کے ساتھ جاری کرے؟ بہر حال مجتہدین عظام کو اس بات پر آمادہ کیا جائے۔ کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور تمام دنیا کے مومنین کے مسائل کا قال اللہ و قال الرسول و آئمہ طاہرین کی روشنی میں مستقل حل تلاش کریں۔ تاکہ اس پر عمل شروع کیا جائے۔ اس میں کیا یہ امر قابل غور نہیں کہ ملت کے موجودہ حالات کا جو دکھ آپ کو یا آپ جیسے دوسرے ہمدردان ملت کو ہو رہا ہے۔ کیا مجتہدین عظام کو یہ فکر لاحق نہیں اور بحیثیت سربراہ قوم یا اپنی بلند پوزیشن کے یہ درد وہ محسوس نہیں کر رہے۔ کہ قوم کیونکر منظم ہو اور موجودہ خلفشار سے آزاد ہو سکے؟ میرے خیال میں خود ان کے دل میں یہ درد ضرور ہوگا۔ مگر اپنے زہد و تقدس کی وجہ سے وہ یہ بات ظاہر نہیں فرما رہے۔ مبادا ان پر اپنی سرداری قائم رکھنے کا الزام عائد ہو جائے۔ لہٰذا ہمیں خود ہی ان کی طرف قدم بڑھا کر انہیں آمادہ کرنا پڑے گا۔ تاکہ ان کے لئے کھل کر اس امر خیر میں حصہ لینے کا موقع پیدا کیا جائے۔ نیز یہ دیکھنا بھی ضروری ہے۔ کہ ہم آج ہی تو پیدا نہیں ہوئے صدیوں سے موجود ہیں۔ اور غیبت کبریٰ کے بعد بھی صدیاں گزر گئیں گذشتہ ایام میں ملت کا کیا طریقہ رہا۔ کہ جس پر عمل کیا جاتا رہا؟ بہر حال اس معاملہ کو اب موجودہ حالت سے آگے بڑھانے کے لئے کیا یہ بہتر نہ رہے گا۔ کہ سب سے پہلے اس تحریک کے داعیان کا ایک مشترکہ وفد یہاں کے چیدہ چیدہ علمائے کرام کی خدمت میں جا کر اس معاملہ کو اٹھائے اور اس امر کو دیگر ممالک تک پہنچا کر سب علمائے دین کو آمادہ کیا جائے اور پھر تمام دنیا کے محبان اہلبیت کا ایک مرکزی اجتماع مناسب ملک میں مناسب مقام پر منعقد کرنے کے لئے کوشش کی جائے۔ والسلام

خادم:۔

غیاث الدین (مدیر ادارہ معارف اسلام)

معارف اسلام قومی پریس فنڈ

فی زمانہ کسی قوم کا پریس کے بغیر زندہ رہنا محال ہے۔ قوم کے لئے پریس ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے۔ ہمارا کوئی روزنامہ نہیں۔ ہماری کتب احادیث و تفاسیر وغیرہ نایاب ہیں۔ ہم اپنی آواز دوسروں کے کانوں تک نہیں پہنچا سکتے ہم انتشار و پارٹی بازی کا شکار ہو رہے ہیں۔ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہمارا قومی پریس اور ہمارا قومی روزنامہ ہے اگر آپ باآبرو زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ تو معارف اسلام قومی پریس فنڈ میں دل کھول کر اضافہ کریں۔ اس فنڈ کی تمام قوم مالک ہے۔ عطیات کم یا زیادہ براہ راست حبیب بنک لمیٹڈ شاہ عالمی گیٹ لاہور کو معارف اسلام پریس فنڈ میں یا ادارہ کو براہ راست ارسال فرماویں۔ (ادارہ معارف اسلام)

از:- علامہ سید ابن حسن نجفی

ثقل اکبر و ثقل اصغر

سلسلہ کیلئے دیکھو معارف اسلام بابت ماہ جون ۱۹۷۶ء

سابقاً حدیث ثقلین یعنی قرآن اور اہلبیتؑ کی تشریح میں بتایا گیا ہے۔ کہ ثقلین "تثنیہ" کا صیغہ ہے جس سے دو ثقل مراد ہیں۔ یعنی ثقل اکبر اور ثقل اصغر۔ جب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمان واجب الاذعان سے یہ معلوم ہو گیا۔ کہ ثقلین کا انحصار صرف قرآن اور اہلبیتؑ میں ہی ہے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ ان دونوں میں سے ثقل اکبر کون ہے۔ اور ثقل اصغر کون؟

اس میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بعض احادیث میں قرآن مجید کو ثقل اکبر بھی فرمایا ہے۔ اور اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ثقل اصغر۔ لیکن اس سے نعوذ باللہ یہ مراد نہیں۔ کہ درجہ اور رتبہ میں اہلبیت عظام قرآن مجید سے کمتر ہیں۔ کیونکہ اگر قرآن مجید ثقل اکبر مانا جائے۔ تو اسے اہلبیت علیہم السلام سے افضل ماننا پڑے گا۔ لیکن اگر الفضل للمتقدمین کو پیش نظر رکھا جائے۔ کہ مقدم کو متأخر پر فضیلت حاصل ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد گرامی اول ما خلق اللہ نوری اور انا و علی من نور واحد بھی ملحوظ خاطر رہے جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم اور آپ کے اہلبیت طاہرین سے پہلے کوئی مخلوق ہی نہیں ہوا تو قرآن کسی صورت میں بھی اہلبیتؑ سے افضل نہ ٹھہرے گا۔ لہٰذا ثقل اکبر بایں معنی نہ ہو گا نیز جب یہ تسلیم کر لیا گیا۔ کہ اہلبیتؑ کا وجود اول مخلوق ہے۔ اور قرآن بھی مخلوق ہے۔ تو لامحالہ اہلبیتؑ کی خلقت قرآن سے بھی پہلے ہوگی۔ کیونکہ اگر قرآن کو آپ کی خلقت سے پہلے مانا جائے۔ تو آپ کے اول مخلوق ہونے کا کچھ مطلب ہی نہیں رہ جاتا۔ پس اس لحاظ سے بھی اہلبیت ہی افضل ٹھہریں گے۔ اور وہی ثقل اکبر ہوں گے بحیثیت افضلیت۔

پس آنحضرت صلعم کے اس فرمان کی تاویل کی جائے گی۔ جو یوں ہوگی۔ کہ چونکہ قرآن ان کا شاہد ہے۔ اور یہ مشہود اور شاہد مشہود سے مقدم ہوتا ہے۔ یا یہ کہ قرآن ظاہر بظاہر ہر وقت ہر زمانہ میں ہر شخص کے پاس موجود رہے گا۔ لہٰذا اس میں مجموعی حیثیت سے ظاہر طور پر اکبر ہونے کی ایک صفت پائی جائے گی۔ اور چونکہ اہلبیت علیہم السلام ظاہر بظاہر ہر گھر میں موجود نہ پائے جائیں گے۔ اس لئے اس جہت سے انہیں ثقل اصغر سے تعبیر کیا گیا۔

لیکن حدیث ثقلین میں ان دونوں کی تعریف میں لن یفترقا ارشاد فرمایا گیا ہے جس میں لن نفی ابدی ہے۔ کہ ان دونوں یعنی قرآن اور اہلبیتؑ میں ابد تک جدائی اور افتراق نہیں ہوگا۔ اور یہاں لن کا اطلاق اسی طرح ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لن ترانی کہہ کر رویت باری تعالیٰ کی تاابدی نفی کی گئی تھی۔ پس جس طرح قرآن کا وجود تاابد موجود رہیگا۔ اسی طرح اہلبیتؑ کا وجود بھی تاابد موجود رہے گا۔ پس یہ ثقل اکبر ٹھہرینگے۔ اور قرآن ثقل اکبر بایں معنی ٹھیرے گا۔ کہ وہ ظاہر بظاہر ہر گھر میں موجود ہے۔ بلکہ ہر قاری کے پاس موجود ہے۔ لیکن اہلبیتؑ ظاہر بظاہر موجود نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ اہلبیتؑ کی بارھویں فرد اس وقت پردہ غیبت میں مستور ہے لیکن اس سے ثقل اکبر اور ثقل اصغر یعنی اہلبیتؑ اور قرآن کے باہمی اتحاد سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ اتحاد اس وقت تک قائم رہے گا۔ حتیٰ کہ دونو آنحضرت صلعم کے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔ اس کے حتمی ثبوت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کہ واقعہ کربلا میں اہلبیتؑ کی ایک فرد خاص حسینؑ کا سر بدن سے جدا کردیا گیا۔ بدن ریگ کربلا پر پڑا ہوا تھا۔ اور سر نوکِ نیزہ پر سوار تھا۔ لیکن سر دمشق اور کوفہ کے بازاروں میں تلاوتِ قرآن مجید باآواز بلند کر رہا تھا۔ اور دنیا والوں کو بتا رہا تھا۔ کہ دیکھو میرے نانا رسولؐ کا قول غلط نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ میرا سر میرے بدن سے کاٹ کر نوکِ نیزہ پر سوار کرادیا گیا ہے۔ لیکن لن یفترقا کی رو سے اب بھی قرآن مجھ سے جدا نہیں ہوا۔

ثابت ہوا۔ کہ آنحضور صلعم کا کسی وقت قرآن کو ثقل اکبر اور اہلبیتؑ کو ثقل اصغر سے تعبیر فرمانا فرق مراتب کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ ان کے ظاہر اور باطن ہونے کی جہت سے تھا۔

اس میں ایک باریک نکتہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ حدیث ثقلین میں دونوں فردوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ اول کتاب اللہ۔ دوم عترتی اہلبیتی۔ یعنی قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ نسبت دی ہے۔ اور اہلبیتؑ کو آنحضور صلعم کے ساتھ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اکبر سے نسبت دی جاتی ہے۔ مثلاً اذان میں اللہ اکبر اس لئے قرآن جو اللہ تعالیٰ سے منسوب ہے۔ اسے ثقل اکبر کہا گیا۔ یعنی ثقلین کا ایک جزو جو "اکبر" سے منسوب ہے۔ اور آنحضور صلعم سے منسوب جزو اہلبیتؑ کو اصغر کہا گیا۔ چونکہ قرآن مجید کو علماً من علوم محمدؐ و آل محمدؐ کہا گیا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں اسے قول رسولؐ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ٥ (پ ۲۹ حاقہ ع ۲۔ پ ۳۰ تکویر ع ۱)

اصل بات یہ ہے۔ کہ یہ مصدر ہیں رحمت الہیہ کے۔ چنانچہ آپ کو وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (پ ۱۷ الانبیاء ع ۷) میں "رحمت" فرمایا گیا۔ "رحمت" مصدر ہے۔ اور اہل علم جانتے ہیں۔ کہ مصدر کا مفہوم کچھ نہیں ہوا کرتا جب تک کہ اپنے فاعل سے نہ ملے۔ مثلاً اردو زبان میں آنا، جانا، کھانا، سب مصدر ہیں۔ لیکن مجہول۔ اسی طرح عربی زبان میں "رحمت" مصدر ہے۔ "رحمٰن"

ہم فاعل ہے۔ پس "رحمت" کا مفہوم تبھی معروف ہوگا جب کہ اپنے فاعل سے ملے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی "رحمۃ للعالمین" کے کل افعال کو اپنے افعال کہا۔ مثلاً قول رسولؐ کے متعلق ارشاد ہوا۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (پ۲۷ النجم ع۱)

ترجمہ:- میرا رسولؐ اپنی خواہش سے نطق نہیں فرماتا۔ مگر یہ کہ وہ سب میری وحی ہی ہوتا ہے۔

فعل رسولؐ کے متعلق فرمایا۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ (پ۹ انفال ع۲) اے رسولؐ جو کنکریاں آپ نے پھینکی تھیں۔ وہ دراصل آپ نے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ ہی نے پھینکی تھیں۔ اسی طرح بیعت کے متعلق ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (پ۲۶ فتح ع۱)

ترجمہ:- اے رسولؐ حقیقت میں جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ ہی کا ہاتھ ہوتا ہے۔

چونکہ اہلبیتؑ عظام مصدر تھے۔ انوار الٰہیہ کے۔ اس لئے ذات خدا کا کلام ان کی زبان سے جاری کیا گیا۔ اسی لئے یہ لسان اللہ کہلائے۔ چنانچہ ان کا اپنا قول شاہد ہے کہ نحن لسان اللہ الناطق فی خلقہ کہ ہم خداوند تعالیٰ کی بولتی ہوئی زبانیں ہیں۔ اس کی مخلوق میں۔ چونکہ کلام کیلئے صوت یعنی آواز۔ حرکت اور مخرج کا ہونا لازمی ہے۔ جو محل حوادث ہیں۔ اس لئے ان کو اہلبیتؑ سے کہلوایا گیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ حادث ٹھیرتا۔ جو منافی توحید ذات باری تعالیٰ ہے۔

صوت یعنی آواز کے لئے حرکت لازم ہے۔ اور قاعدہ فلسفی کی رو سے ہر شے میں حرکت پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر نور اول یا مخلوق اول میں بھی حرکت ہوگی۔ تو خرابی لازم آئے گی۔ اور وہ یہ کہ حرکت کی تعریف مشائین کے نزدیک قوت سے فعلیت کی طرف آنے کا نام ہے۔ اور اشراقین کے نزدیک نقص سے کمال کی طرف آنے کو کہتے ہیں۔

اگر نور اول میں حرکت ہوگی۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ نور اول میں نقص تھا۔ جو غلط ہے کیونکہ یہ امر اتفاقیہ ہے۔ اور مسلم حکماء ہے۔ کہ اول مخلوق کو ہر حیثیت سے کامل ہونا چاہیئے۔ پس ماننا پڑے گا۔ کہ نور اول میں سکون ہی سکون ہے۔

سکون دراصل بقا کا نام ہے۔ کیونکہ حرکت میں تغیر لازم ہے۔ اور تغیر کے لئے فنا لازم ہے۔ اور سکون کیلئے فنا لازم نہیں۔ کیونکہ وہاں حرکت نہیں۔

ارشاد ہے۔ وما امرنا الا واحدۃ (پ۲۷ قمر ع۳) یعنی نہیں ہمارا امر مگر ایک یعنی ہمارے امر میں تغیر نہیں ہوتا۔ جب امر میں تغیر نہیں تو اولی الامر یعنی صاحبان امر میں تغیر کیوں کر ہو سکتا ہے۔

غور کریں آپ ۔ مخلوقات کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) مخلوقاتِ امری

(۲) مخلوقاتِ خلقی

مخلوقاتِ خلقی کے متعلق ارشاد ہے۔ اوّل خلق نعیدہ، (پ الانبیا ع) اوّل مخلوق کو ہم پھر پیدا کریں گے ۔ معلوم ہوا کہ اس مخلوق میں جس کے لئے لفظ خلق آیا ہے ۔ یعنی مخلوق خلقی اس میں حرکت ہے ۔ بس یہی مخلوق فنا ہوگی ۔ لہذا جو مخلوق خلقی کے مصداق ہیں وہ فنا ہوں گے ۔ لیکن جو مخلوق امری سے متعلق ہیں ۔ وہ فنا نہیں ہوں گے ۔

چنانچہ ارشاد ہے ۔ ونفخ فی الصور فصعق من فی السماوات ومن فی الارض الا من شاء اللہ (پ ۲۴ زمر ع) کہ جب صور پھونکا جائے گا ۔ تو جو بھی آسمانوں میں ہیں ، اور جو بھی زمینوں میں ہیں وہ مر کر گر پڑیں گے ۔ سوائے ان (وجود مقدسہ مخلوق امری) کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا ۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے ۔ ویوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السماوات ومن فی الارض الا من شاء اللہ ۔ (پ ۲۰ النمل ع) یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا ۔ تو جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے ۔ وہ سب دہل جائیں گے ۔ سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا ۔

ان ہر دو آیات میں لفظ "من" آیا ہے ۔ جو ذوی العقول کے لئے بولا جاتا ہے ۔ پس یہ مخلوق امری ہوں گے ۔ جو فناء نہیں ہوں گے ۔ صور پھونکا رہے گا ۔ لیکن ان پر اثر انداز نہ ہوگا اور وہ فنا نہیں ہوں گے ۔

اسی کی طرف اشارہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا ۔ کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام ہ (پ الرحمٰن ع) یعنی جو کچھ زمین کے اوپر ہے وہ فنا ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ کا بزرگی والا چہرہ فنا نہیں ہو گا ۔ اگر اس آیہ مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے چہرہ سے خدا کا اپنا چہرہ مراد لیں ۔ تو چہرہ کے لئے باقی بدن کا وجود بھی ماننا پڑے گا ۔ گویا اللہ تعالیٰ کا چہرہ تو باقی رہے گا ۔ لیکن خدا کے جسم کے باقی اعضاء فنا ہوں گے اور خدا کے اعضاء اور جسم کو مان کر توحید کہاں جائے گی ؟

لیکن آیت بتاتی ہے ۔ کہ کوئی وجود بزرگی اور کرامت والا ایسا ضرور ہے ۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا چہرہ قرار دیا ہے ۔ جس طرح ان کی زبان لسان اللہ ۔ جس طرح ان کا نطق وحی اللہ جس طرح ان کا ہاتھ ید اللہ اسی طرح ان کا وجود وجہ اللہ کہلاتا ہے ۔ اور وہ ہی وجود مقدسہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ کہ جب صور پھونکا جائے گا ۔ تو ہر شخص فنا ہو جائے گا ۔ سوائے ان کے جن کو خداوند تعالیٰ باقی رکھنا چاہے گا ۔ یہ کون ہیں ؟

وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ۰ (الایہ) یعنی جن کی صفت ہے۔ کرم اللہ وجہہ۔ اور یہی مخلوق امری۔ مخلوق خلقی "مخلوق" کہلائیں گے۔ اور مخلوق امری "مامور"

پس جب پتہ چل گیا۔ کہ ان کے ہاں حرکت نہیں۔ اور اول مخلوق ہونے کی جہت سے محتاج محل نہیں۔ تو ان کے لئے سکون ہی سکون ہوگی۔ جب سکون ہے تو ان کا مقام کہاں ہو سکتا ہے۔؟

سابقاً تفصیل کے ساتھ کہا جا چکا ہے۔ کہ ہر شے اپنے مرکز کی طرف رجوع کرتی ہے۔ آپ ایک ڈھیلا اوپر کی طرف پھینکئے۔ جب ہاتھ کی حرکت کا زور ختم ہوگا۔ ڈھیلا زمین یعنی اپنے مرکز کی طرف لوٹے گا۔ مشک میں ہوا بھر کر پانی کے اندر چھوڑ دیجئے۔ فوراً سطح آب پر آجائے گی۔ کیونکہ اس کے اندر ہوا ہے۔ اور ہوا کا مرکز سطح آب سے اوپر ہے۔ وقس علیٰ ذالک رسولؐ اور اہلبیتؑ کا مقام اور مرکز عرش معلیٰ تھا۔ جب تک دست قدرت کا دباؤ رہا۔ زمین پر قائم رہے۔ جب قدرت نے چاہا۔ دباؤ اٹھا لیا۔ کہاں پہنچا؟ اپنے مرکز عرش پر۔ عرش وہ مقام جہاں لاکھوں برس تسبیح کرتا رہا تھا۔ لہذا رسولؐ کا معراج پر جانا کوئی مشکل امر نہیں۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ کسی اور اشاعت میں معراج کے موضوع پر کی جائے گی۔

لیکن جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ جب اس مخلوق امری میں حرکت نہیں۔ سکون ہی سکون ہے۔ تو ان کا مقام کہیں نہیں ہو سکتا۔ پس عرش ان کا مقام کیسے ہوگا؟ پھر آنحضرت صلعم نے کیوں انہیں ثقلین سے تعبیر فرمایا؟

اب ذرا پھر ثقل اکبر ثقل اصغر کی طرف آیئے۔ اگر قرآن مجید کو ثقل اکبر مانا جائے۔ تو وہ افضل ہوگا اہلبیتؑ سے۔ لیکن بوجہ اول مخلوق ہونے کے اہلبیتؑ قرآن سے بہر نوع افضل ہیں۔ جیسا کہ اوپر تشریح کی گئی۔ اگر اہلبیتؑ ثقل اکبر ہوں گے۔ تو افضل ہوں گے۔ اور چونکہ اہلبیتؑ اول مخلوق ہیں۔ پس قرآن اس وقت مخلوق نہ تھا۔ لہذا اہلبیتؑ قرآن کی خلقت سے قبل مخلوق ہونے کی جہت سے قرآن مجید کی خلقت اصلیہ سے جاہل تھے۔ جب جاہل تھے۔ تو ناقص تھے۔ جب ناقص تھے۔ تو افضل نہ ہوں گے۔ جب افضل نہ ہوں گے۔ تو ثقل اکبر بھی نہ ہوں گے۔ پس دونوں میں مساوات ثابت۔

لیکن مساوات بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ ارشاد رسولؐ ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری لہذا افضل ہونا چاہیئے۔ اور جب افضل ہوں گے۔ تو اکبر بھی ہونگے۔ پس مساوات باطل۔

جب مساوات باطل تو اتحاد ثابت۔

پس جو قرآن ہے۔ وہ اہلبیتؑ ہیں۔ اور جو اہلبیتؑ ہیں۔ وہ قرآن ہے۔ حقیقت قرآن

حقیقت اہلبیت ہے۔ اور حقیقت اہلبیت حقیقت قرآن ہے۔

"اوّل ما خلق اللہ نوری" میں اہلبیت اور قرآن شامل ہیں۔ قرآن میں حضرت یوسف اور دیگر انبیاء کیلئے ارشاد ہے۔ و فوق کل ذی علم علیم (پ ۱۳ یوسف ع ۹)
— انا نبشرك بغلام علیم (پ ۱۴ حجر ع ۴) — وبشروہ بغلام علیم (پ ۲۶ ذاریات ع ۲)

یعنی "انبیا علیم ہوتے ہیں۔ علیم صفت مشبہ ہے۔ اس لئے ذات انبیاء سے مختص ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام پیدائشی طور پر عالم ہوتے ہیں۔ جب دیگر انبیاء ذاتی طور پر پیدائشی عالم ہیں۔ تو نور اوّل بدرجہ اولیٰ عالم ہوگا۔ اور نور اوّل میں اہلبیت بھی داخل ہیں۔ انا و علی من نور واحد۔

پڑھو الرحمٰن ۰ علم القرآن ۰ خلق الانسان ۰ علمہ البیان ۰ (پ ۲۷ الرحمٰن ع ۱)
یعنی اللہ تعالیٰ نے علم قرآن دیا۔ پھر ایک خاص کامل صفت انسان کو پیدا کیا۔ پھر اُسے اس قرآن کا بیان کرنا سکھلایا۔ معلوم ہوا تعلیم قرآن پہلے ہے۔ اور خلقت بعد میں۔ پھر خلقت کے بعد قرآن کے بیان کی تعلیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم جب جبرئیل آیات قرآن لے کر نازل ہوتے تھے۔ قرآن کے پڑھنے سے پہلے ہی آپ ان آیات کی تلاوت فرما دیا کرتے تھے۔ جس پر آپ کو روک دیا گیا۔ اور ارشاد ہوا۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به ۰ ان علينا جمعه وقرانه ۰ فاذا قرانه فاتبع قرانه ۰ ثم ان علينا بيانه (پ ۲۹ قیامۃ)

ترجمہ :۔ اے رسول اللہ صلعم آپ اس کیساتھ ہی اپنی زبان کو اس غرض سے حرکت نہ دو۔ کہ اسے جلدی یاد کرلو۔ تحقیق اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر جب ہم اسے پڑھادیں۔ تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ پھر یقیناً اس کا بیان کرنا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے۔ کہ جب قرآن حقیقت اہلبیت کے ساتھ ہے۔ تو پھر ما بین الدفتین کیا شے ہے؟ اہلبیت اٹھ گئے تو قرآن بھی اٹھ جانا چاہیئے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اہلبیت کی ایک فرد ہمیشہ موجود رہی ہے۔ اور اب بھی موجود ہے اور قرآن مع اپنے مطالب حقیقیہ کے اس کے پاس موجود ہے۔ یہ وہی نور اوّل تھا۔ جسے مختلف لباس پہنائے گئے۔ کبھی لباس نور۔ کبھی لباس وجود۔ کبھی لباس الفاظ۔ کبھی لباس نبوت۔ اور کبھی لباس امامت۔

پھر دونوں کو ثقلین کیوں کہا؟

قرآن کو ثقیل کہا۔ رسولؐ آئندہ زمانہ کی خبر دے رہا ہے۔ کہ لوگ اس کے مطالب حقیقیہ کو

چھوڑ کر اس کے معانی اپنی خواہشات کے مطابق کریں گے۔ یعنی مطالب قرآنیہ مرکز سے ہٹا دیئے جائیں گے۔ اہلِ قرآن و اہلبیت کے نزدیک ثقل پیدا ہو جائے گا۔

اہلبیتؑ کا مرکز خلافتِ الٰہیہ تھی۔ عوام کے نزدیک اہلبیتؑ خلافتِ الٰہیہ سے ہٹا دیئے گئے۔ جب مرکز سے ہٹ جائیں گے۔ تو ثقل پیدا ہو جائے گا۔ خلافت کا مرکز الٰہیہ تھا سیاسی نہ تھا۔ اِس لئے ثقل پیدا ہو گیا۔ (سید امداد حسینؑ کاظمی)

(صفحہ ۳ کا بقیہ)

زندگی ہی کو سمجھ لیا جائے اور عمل کا تعلق دنیا تک ہی محدود ہو۔ تو اپنی مرضی کے فائدوں کے لئے جو کچھ بھی آپ کر گزریں سب کچھ روا ہو گیا۔ جب آپ کو موت کے وقت کا علم نہیں اور بازپرس کا بھی یقین نہیں تو مرتے دم تک دولت سمیٹتے جایئے۔ اپنے ذاتی جسمانی مفاد میں سرگرداں رہیئے۔ مگر جب آپ کا صحیح معنوں میں خدا پر یقین ہو گا۔ اور اپنی آخرت یعنی حیات بعد از موت آپ کو بصیرت میں سمائی ہو گی تو ناممکن ہے کہ آپ سے کوئی غلط قدم اُٹھے۔ حاکم اُسے دیکھتا ہو تو چور چوری نہیں کرتا۔ اگر اس بات کا یقین ہو جائے کہ ہمارا ہر عمل کسی کی نگاہوں میں ہے۔ اور کوئی وقت ایسا بھی آنے والا ہے۔ کہ وہ ہستی اِن اعمال کا محاسبہ کرکے سزا قبول کرنے پر ہمیں مجبور کر دے گی۔ تو غلط قدم کیونکر اُٹھے گا۔ یہی آئمہ معصومینؑ کی تعلیمات میں ہے۔ اصول دین میں "توحید و عدل" کا مطلب ہی یہی ہے۔ آپ کہیں گے کہ تمام دنیا میں اس اہم تعلیم کو کیونکر پھیلایا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ صرف خود ہی اس یقین پر کاربند ہو جائیں آپ خود مطمئن ہو جائیں گے۔ آپ کی زندگی امن و چین میں پڑ جائے گی۔ اور پھر جب جن کسی کے ساتھ واسطہ پڑے گا۔ یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا۔ (ادارہ)

(بقیہ صفحہ ۴۸)

خدا اور قسم کا ہو گا۔ اور کبھی مخصوص کا اور قسم کا بنی اسرائیل کے دورِ شوکت و سطوت کا خدا اور قسم کا ہو گا۔ اور زوال و انحطاط بیت المقدس کی بربادی اور اس کے بعد مسیحی قوموں کے زمانہ کا خدا اور قسم کا۔

وعلیٰ ھذا القیاس؛۔

جمادی حسین عفی عنہٗ

(باقی آئندہ)

ممبران ادارہ و خریداران ماہنامہ کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنے اپنے ذمہ واجب الادا زیرِ رکنیت و بدلِ اشتراک ماہنامہ اپنی پہلی فرصت میں ارسال فرما کر مشکور کریں۔ تاکہ اس مفید ذی ادارہ کے پروگرام میں رکاوٹ نہ پیدا ہو سکے۔ (مینیجر دفتر)

(درسِ اخلاق)

دریابہ جناب اندر

(از سید علی جعفری صاحب مُلّا حیدرآباد دکن)

از کلمات شاہ اولیاء حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام

توکّل در امور	نوازش بر ایتام	ادب در کلام
تقدّم در سلام	عطا در مقام	تعطیل در انتقام
تواضع با اکرام	شکر بر نعمت	عفو با قدرت
اجتناب از غیبت	قصور در شہوت	اصرار در طاعت
خوشروئی با عیال	ملامت با جہال	تامّل در جواب
اندازہ در معاش	دوری از تکبر	وفا بر عہد
اکرام بہ مہمان	دلجوئی از غریباں	سرعت در خیر
امداد بر مظلوم	شفقت با مردم	عیادت مریض
ایثار بر مساکین	مخالفت با نفس	صبر در مصائب
نصرت بر جہاد	کنارہ جوئی از بخل	استقامت در کار
سعی در اخلاص	مصاحبت با نیکاں	تفکر در امور

(مقالہ خصوصی) (قسط دوم)

معارف النبوۃ والامامت

(تحقیقات سید محمد حسین نقوی - میڈیکل آفیسر، واہ)

(سلسلہ کیلئے معارف اسلام ماہ ستمبر ۷۲ء ملاحظہ فرمائیں)

اب ہم پھر سرخیل انبیا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم یہ کہہ رہے تھے۔ کہ حضور علیہ السلام مجسم علم ہوتے ہوئے مرکز حیات و قدرت اور ارادہ ہیں۔ عند الحکماء یہ امر مسلمات سے ہے۔ کہ روح کمالات کا خزانہ ہوتی ہے۔ اور نفس قوت تحریک کا۔ یعنی نفس بمنزلہ قوت محرکہ کے ہوتا ہے۔ کمالات روح کا اظہار بذریعہ نفس کے ہوتا ہے۔ نبی اکرم علیہ السلام جسد کائنات میں بمنزلہ روح کے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ وہ کونسی ہستی ہے۔ جو نفس رسول ہوتی ہوئی کمالات نبویہ کے اظہار کا باعث ہو۔ بالفاظ دیگر حیات معنوی کے حصول کا باعث اور سبب ہو۔ اس کے متعلق حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ یا علی نفسک نفسی۔ یعنی اے علیؑ تیرا نفس میرا نفس ہے۔ معلوم ہوا کہ امیر علیہ السلام وہ وجود نورانی ہیں جو اس جسم کائنات میں حرکت پیدا کر رہے ہیں۔ یعنی آپ ہی متصرف فی العالمین ہیں۔ ذرہ ذرہ در تحت تصرف علیہ ہے۔ بالفاظ دیگر آپ ہی وہ محور ہیں جس پر یہ کائنات چکر لگا رہی ہے۔ آثار حیات فی الجسد کائنات بوجود علیؑ نمایاں ہیں۔ اس حقیقت کی وضاحت ہم دوسرا پہلو اختیار کرتے ہوئے کرتے ہیں جاننا چاہئے۔ کہ حیات نہیں ہے۔ مگر باجتماع روح و نفس اور جسم۔ جب درمیان سے نفس کو اٹھا لیا جاتا ہے۔ تو جسم اس وقت بے جان ہو جاتا ہے۔ اب تمامی کائنات بمنزلہ جسم کے ہے۔ اور نبی اکرم علیہ السلام لولاک لما کا مصداق ہوتے ہوئے اس میں بمنزلہ روح کے ہیں۔ اب آثار حیات جسم تک بواسطہ نفس ہی پہنچیں گے۔ جو کہ نہیں ہے۔ مگر علی کا وجود نورانی حیات ظاہری بایں طریقہ تشکیل پکڑتی ہے اب اس زندگی کی جو جان ہے۔ یعنی روحانی زندگی۔ وہ بھی اسی طرح ظہور میں آتی ہے۔ اس میں بھی یہی قانون کار فرما ہے۔ اس مقام پر یہ امر ملحوظ خاطر رکھیں کہ روح اور نفس کے درمیان جس قدر رابطہ وعلائق اور وسائط کم ہو گئے۔ اسی قدر شعاع اور آفتاب حیات حقیقی جسم پر نمایاں ہو کر پڑیں گی۔ اور اسی نسبت سے اوصاف موت کم ہو جاویں گے۔ حیات معنوی اسی وقت حاصل ہوگی۔ جب جسم کے لئے روح اور نفس کے درمیان کوئی فاصلہ قرار نہ دیا جاوے۔ یعنی نفس کو بلا فصل تسلیم کرنے سے معنوی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اب حضرت علیؑ علیہ السلام کو خلافت الٰہیہ کا وارث بلا فصل ماننے میں بھی راز ہے۔ کہ آپ حیات معنوی کے حصول کا ذریعہ اور باعث ہیں۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ معرفت خدا حاصل ہوتی ہی نہیں۔ مگر بہ حیات حقیقی۔ لہٰذا معرفت خدا کے لئے متمسک بہ علیؑ علیہ السلام ہونا لابدو

ضروری ہے۔ جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ لولا نحن ما عرف اللہ یعنی اگر ہم نہ ہوتے تو معرفت خدا
کسی کو حاصل نہ ہوتی۔ پھر فرمایا لولا نحن ما عبد اللہ یعنی اگر ہم نہ ہوتے تو پھر خدا کی عبادت
بھی نہ ہوتی۔ معلوم ہوا کہ یہی نفوس مقدسہ اول العارفین اور اول العابدین ہوتے ہوئے حصول معرفت الٰہیہ
کے لئے وسیلہ اور سبب ہیں۔ علاوہ ازیں یہ امر مسلمات سے ہے۔ کہ مخلوق اول۔ مخلوق ثانی کے لئے علت
فاعلی ہوتا ہے۔ لولاک لما ارشاد نبوی اس امر کا موید ہے۔ نیز حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں
نحن صنائع ربنا والخلق بعد صنائعنا یعنی ہم اول مصنوع الٰہی ہیں۔ اور بعد میں عالم خلق ہماری
مصنوعات ہے۔ (تصدیق کے لئے دیکھو تاریخ اعثم کوفی اردو۔ دیباچہ کوکب دری مصنفہ سید محمد صالح کشفی)
بہر حال یہ ثابت ہو گیا۔ کہ یہ ذوات عالیہ بوجہ مصنوع اول و مجعول اول۔ مخلوق ثانی کے لئے علت
فاعلی ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ علت اپنے جمیع معلومات پر حاوی ہوتی ہے۔ اور ان پر احاطہ تامہ رکھتی
ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ مساوی الاقرب ہوتی ہے۔ یعنی اس کے لئے قرب و بعد مساوی و یکساں
تمامی معلومات اس کے زیر نظر۔ بالفاظ دیگر وہ ناظر و حاضر علی الجمیع معلولات ہوتی ہے۔ اس لئے حضور
علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ تمامی کائنات ہمارے لئے ایسی ہے۔ جیسی کہ ہتھیلی پر ایک درہم ہم اٹھارہ ہزار
عالم کی سیر ایک آن میں کرتے ہیں۔ درآنحالیکہ ہم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتے۔ اسی حقیقت کو
امیر المومنین علی علیہ السلام نے یوں بیان فرمایا۔ کہ انا عین اللہ و لسانہ الناطق فی خلقہ یعنی
میں اللہ کی آنکھ ہوں اور مخلوق میں اس کی بولتی ہوئی زبان۔ یہاں سے مسئلہ حاضر و ناظر کی حقیقت
واضح ہو جاتی ہے۔ اب اس نکتہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ کہ تمامی کائنات جو کہ عین نبی اکرم علیہ السلام
سے متعلق ہوتی ہے۔ وہ محاط ہے۔ اور آپ محیط ہیں۔ محاط۔ محیط کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی اس کی
معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ تاوقتیکہ وہ خود نہ بتلا دے۔ مگر وہ ہستی جو کہ آپ کے بمنزلہ نفس کے تھی اس کے لئے فرمایا۔ ما عرفنی
الا اللہ و علی یعنی کوئی شخص مجھے کما حقہ پہچان نہ سکا۔ مگر اللہ اور علی۔ یعنی آپ کو یا عالی جانتا ہے بحیثیت
خالق ہونے کے۔ یا علی جانتا ہے۔ بوجہ آپ کے نفس ہونے کے۔ اور عالی کو پہچاننے کے لئے ان کا دامن
پکڑنا ہوگا۔ جیسا کہ خود اس نے فرمایا۔ کہ کنت کنزا مخفیا ۔۔۔ یعنی میں محمود تو مخفی تھا۔ مگر محمد نے حجاب
کبریائی کو اٹھایا۔ اور اپنے وجہ نورانی پر رکھ کر مجھ کو ظاہر کر دیا۔ اس مقام کی حقیقت کو سر اللہ فی العالمین
علی ابن ابی طالب علیہ السلام بایں الفاظ بیان فرمایا۔ کہ محمد حجاب اللہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجاب
کبریا ہیں۔ یہ معاملہ ابھی بین الاجمال والتفصیل تھا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا مقام۔ مقام راز ہے۔ مگر
کمال کر دیا علی نے۔ کہ وہ وجہ اللہ بن کر جلوہ گر ہوا۔ دیکھنے والوں کو اس کی وجہ نظر نہ آئی۔ عالی اور
علی میں فرق نہ کر سکے۔ یہ الف کا فرق کیسے معلوم ہو سکتا تھا جب کہ یہ رمز احدیت کو اپنے اندر لئے
ہوئے ہیں۔ یہاں پر جاننا چاہیے۔ کہ احد اور احمد میں بھی میم کا فرق ہے۔ مگر یہاں وجہ احدیت پر یعنی

جو الف احد پر میم کا پردہ ہے۔ اور ادھر پردہ نہیں۔ اسی واسطے علی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ محمد حجاب اللہ۔ یعنی حضور علیہ السلام مقام حجاب پر ہیں۔ کیونکہ نبوت پر فائز ہیں۔ امیر علیہ السلام وصی مطلق ہوتے ہوئے مقام کشف پر ہیں۔ جیسا کہ آپ کے ارشاد لو کشف الغطا لما ازددت یقیناً سے ظاہر ہے۔ بدیں وجہ بعض کوتاہ بین حضرات کو آپ پر الوہیت کا شبہ ہو گیا! در آپ نے انا عبد من عبید محمد کہہ کر ایسے لوگوں کی راہ نمائی کی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضرت علی علیہ السلام نے عبداللہ کہہ کر کیوں نہ لوگوں کو تنبیہ کی اگر کہا تو عبد محمد کہا۔ وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ ولائیت مآب علیہ السلام کی ہستی نور توحید کو اپنی عبدیت مطلقہ میں پہلے ہی چھپائے ہوئے تھی۔ مگر چونکہ آپ مقام اظہار پر فائز تھے۔ بدیں وجہ شعاع نور توحید پردۂ عبدیت مطلقہ سے چھن چھن کر باہر اسقدر آرہی تھیں۔ کہ دیکھنے والوں کی نظریں جو کہ کحل المعرفت سے عاری تھیں۔ شعاعوں کے پیچھے پردہ عبدیت کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ کو خدا سمجھنے لگیں۔ اب علی علیہ السلام نے جو کہ توحید کے حقیقی علمبردار تھے۔ اس کے لئے یہ انتظام کیا۔ کہ انا عبدٌ من عبید محمدؐ کہہ کر اپنے آپ کو مقام حجاب پر پہنچا دیا۔ جیسا کہ محمد حجاب اللہ سے ظاہر ہے۔ دوسری وجہ اس کی یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ آپ جانتے تھے۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے انی عبد اللہ کہا تھا۔ مگر اس پر بھی بعض لوگوں نے آپ کو ابن اللہ کہہ ہی دیا۔ کیونکہ اس لئے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بغیر باپ کے ولادت۔ اور اُن کا متکلم فی المہد وغیرہ اُن کو حیرت و استعجاب میں ڈالتا تھا۔ ادھر حضرت علی علیہ السلام کی ذات مظہر العجائب تھی۔ مہد میں اژدھا کا چیرنا۔ دست رسول پر پیدا ہوتے ہی قرآن سنانا وغیرہ لوگوں کے سامنے تھا۔ لہذا حضرت علی علیہ السلام کے قول انی عبد اللہ پر خفیف العقل و المعرفت لوگ کیسے کان دھر سکتے تھے۔ لہذا حضرت علی علیہ السلام نے سمجھا کہ ایسے آدمیوں کے لئے عبدیت مطلقہ کا ایک پردہ جو کہ انوار تجلیات الٰہیہ کے لئے بمنزلہ صدف کے تھا۔ کافی نہیں ہو سکتا۔ بدیں وجہ آپ نے دوہرا پردہ کیا یعنی عبد عبداللہ بنے۔ یعنی اللہ کے بندے محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عبد۔ انا عبدٌ محمدؐ کہنے میں علی کا یہ مقصد تھا۔ علاوہ ازیں آپ کا یہ فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ آپ نبی اکرم علیہ السلام کے اس قدر مطیع و منقاد ہیں۔ کہ آپ نبوت و رسالت کے لئے برہان مجسم ہیں۔ یعنی مابہ النبوۃ قرآن ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہونا یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ تعلیمات قرآن قابل عمل ہیں۔ اور عمل بالقرآن علم قرآن کو مقتضی ہے۔ ادھر حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ھذا کتاب اللہ الصامت وانا کتاب اللہ الناطق۔ یعنی یہ کتاب صامت ہے۔ اور میں کتاب ناطق ہوں۔ ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپ کی ذات گرامی نبی اکرم علیہ السلام کے لئے کافی ہے۔ قرآن میں خود خدا اس کی شہادت ہے۔ کہ قل کفیٰ باللہ شھیداً بینی و بینکم ومن عندہٗ علم الکتاب۔ مولوی عبداللہ امرتسری ارجح المطالب میں یوں رقمطراز ہیں۔ کہ من عندہٗ

علم الکتاب کا مصداق حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ پس معلوم ہوا۔ کہ آپ حضور علیہ السلام کے لئے کافی ہیں۔ آیت سے پتہ چلتا ہے۔ کہ خدا نے اس بات کی نفی کر دی ہے۔ کہ رسول خدا کی کائنات میں سے علاوہ اللہ کے کوئی کفایت نہیں کر سکتا۔ ایک دوسرے کے لئے وقتی طور پر مدد و معاون ہو جاتا ہے۔ الگ حیثیت رکھتا ہے۔ خدا وہ ہے۔ جو ہر ایک کی اس کے ماحول کے مطابق ہر وقت اور ہر آن کفایت کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ اس موجود کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ منزلِ مقصود تک رسائی کفایت الٰہیہ پر مبنی ہے۔ اب وہ نبی جو کہ نبی الانبیا ہے۔ نبوت کی طولی ترقی جس پر منتہی ہوتی ہے۔ جو کہ تمامی کائنات کا مقصد ہے۔ بلکہ مقصود و مراد خداوندی ہے۔ جیسا کہ انت المراد وانت الحبیب وانت خیرتی من خلقی وعزتی وجلالی لولاک لما خلقت الافلاک سے ظاہر ہے۔ کیا کائنات میں سے کوئی اس کی کفایت کر سکتا ہے۔ کیا مادیت نورانیت کے لئے۔ ظلمت نور کے لئے۔ جہل۔ علم کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔ این خیال است و محال است و جنوں۔ اس لئے خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ اے حبیب آپ جیسی عظیم المرتبت و رفیع المنزلت ہستی کے لئے میں کافی ہوں۔ مگر چونکہ میرا قانون اسباب و ذرائع کو عموماً چاہتا ہے۔ جو کہ بیشتر مصالح پر مبنی ہے۔ اس لئے عالم ایجاد میں آپ کی کفایت وہی کر سکتا ہے۔ جو کہ میری علمی کتاب کا علم اپنے سینہ میں رکھتا ہو۔ علم بحیثیت علمی صورت کے تو میری کتاب میں ہے۔ اب وہ جس میں علمی حیثیت سے یہ علم ہوگا۔ وہ آپ کے لئے کافی ہے۔ اور وہ وہ ہوگا جو میری علمی کتاب کو جو کہ صامت ہے۔ نطق عطا کر دے۔ اب حضرت علیؑ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ انا کتاب اللہ الناطق۔ اس سے یہ حقیقت مانند آفتاب ظاہر ہے۔ کہ نبی اکرم علیہ السلام کے لئے حضرت علی علیہ السلام کافی ہیں۔ اور آپ کی یہ کفایت کفایت الٰہیہ کی مظہر ہے۔ یعنی خداوند تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کفایت علیؑ کے ذریعہ کی ہے۔ اب نبی اکرم علیہ السلام کے لئے حضرت علی علیہ السلام کافی ہونگے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ امیر علیہ السلام کی کفایت کہاں تک ہوگی۔ جواب ظاہر ہے۔ جہاں تک رسولِ خدا کی رسالت کے احاطے ہوئے ہے۔ وہاں تک کفایتِ علی ہوگی۔ اور اس وقت سے ہوگی جب سے رسالت ہے۔ علیؑ اول میں بھی کافی آخر میں بھی کافی۔ ظاہر میں کافی اور باطن میں کافی۔ اس لئے آپ فرماتے ہیں۔ نصرت الانبیاء سراً و نصرت المحمد جہراً یعنی میں نے انبیاء علیہ السلام کی مدد کی ہے سرّی طور پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہراً امداد کی ہے۔ خیر اب ہم پھر اپنے بیان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ہم کہہ رہے تھے کہ ارشاد قدرت ہے۔ کہ فاحببت ان اعرف ...... میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس پیدا کیا خلق کو۔ معلوم ہوا ابھی تک کوئی ایسی ہستی موجود نہ تھی۔ جو کہ اس کی معرفت تامہ رکھتی ہو۔ لہٰذا یہ ہستی جو کہ خلعت وجود سے آراستہ ہو رہی ہے وہ خداوند تعالیٰ کا تعارف کرانے کے لئے

خالق حقیقی کی معرفت تامہ رکھتی ہو گی۔ اس سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ کوئی بھی خدا کی صحیح معرفت عطا نہیں کر سکتا۔ مگر وہ جو کہ معرفت تامہ رکھتا ہو۔ کوئی وقت اور کوئی آن اس پر ایسی نہ آئی جب کہ وہ معرفت سے عاری ہو۔ اور نہ آنے کا امکان ہو۔ بالفاظ دیگر وہ کفر و شرک۔ گناہ و خطا اور سہو و نسیان سے ہر وقت پاک و پاکیزہ اور مبرا ہو۔ یعنی وہ عیوب جسمانیہ نفسانیہ اور عقلانیہ سے پاک ہونا چاہیئے۔ اور نہ ہی ان عیوب کا طریان اس پر کسی وقت ممکن ہو۔ کھلے الفاظ میں یوں کہیئے۔ کہ وہ ہستی جو کہ خالق و مخلوق کے درمیان ذریعہ معرفت ہو اُس کا معصوم ہونا ضروری۔ اس لئے کہ صاحب عصمت کلی کو ہی معرفت کلی حاصل ہو سکتی ہے۔ غیر معصوم خداوند تعالیٰ کا تعارف جیسا کہ چاہیئے نہیں کرا سکتا۔ اس حقیقت کو ہم دوسرے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ جاننا چاہیئے۔ کہ خداوند تعالیٰ کو اپنا تعارف کرانا محبوب ہے۔ اور یہ بھی محبوب ہے۔ کہ مخلوق صحیح معرفت اس کے متعلق رکھے۔ یعنی کمی و بیشی سے وہ بات پاکیزہ ہوتی ہے۔ جو کہ اس کے متعلق مخلوق تک پہنچے۔ اور یہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک واسطہ بین الخالق والمخلوق ہر کجی و زیغ اور غلطی سے محفوظ و معصوم نہ ہو اسی حفاظت کا نام عصمت ہے۔ دوسرے یہ بات بھی ظاہر کہ اپنا تعارف کرانا خدا کو ہر وقت محبوب و مطلوب ہے۔ لہذا معصوم ہادی کا وجود ہر زمانہ میں لابد و ضروری لیس فاحببت ان اعرف .... سے مراد یہ ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ اپنا تعارف کرانے کے لئے ایسی ہستی عظیم کو معرض وجود میں لا رہے ہیں۔ جو کہ عصمت کے نذریں لباس میں ملبوس ہو گی۔ اور اس کے معصوم اجزا ہر زمانہ میں اس خدائی مقصد کو پورا کرتے رہیں گے۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام جسماً و نفساً اور روحاً طاہر و مطہر اور معصوم ہیں۔ اب وہ نفوس نورانیہ جن کے متعلق حضور علیہ السلام ایسے رطب اللسان ہوں کہ یا علی لحمک لحمی و دمک دمی و روحک روحی انا و علی من نور واحد۔ الحسین منی و انا من الحسین الفاطمۃ بضعۃ منی وغیرہ اور جو ابناءنا و نساءنا اور انفسنا کا مصداق ہوں۔ وہ بھی جسمانی نفسانی اور عقلانی و روحانی عیوب سے پاک و پاکیزہ ہوں گے۔ یعنی معصوم۔ اس بیان کی تصدیق کے لئے دیکھو ارجح المطالب عبید اللہ امرتسری۔ مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی اور البلاغ المبین آغا محمد سلطان مرزا۔ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ عصمت کلی و معرفت کلی لازم و ملزوم ہیں۔ لہذا یہ ہستیاں منبع علم و خزانہ اسرار الٰہیہ ہوں گی۔ کیونکہ عصمت کلی علم کلی کا نتیجہ ہے۔ ان میں سے ایک کا تعارف نبی اکرم علیہ السلام نے یوں کرایا۔ کہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت علی علیہ السلام کی ذات گرامی جمیع حقائق علوی و سفلی ہمہ صفات و کمالات احدی احمدی کے اظہار و تعارف کے ذریعہ ہے۔ بلکہ عارفین نے فضلنا بعضھم علی بعض کی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ بسبب قرب خداوندی بذریعہ اعتدال و استواء کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام رفیعہ ہے۔ ایک کو ایک پر فضیلت ہے۔ جس کا حصول بغیر ازیں جیسے

سائے بر در ولایت مآب علیہ السلام نا ممکن یا یوں کہیئے کہ عطائے نعمت فضیلت جو کہ غیر محدود ہے صرف
خداوندی کا۔ دست علیؑ میں ہے۔ کلام الٰہی میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔
کہ ان الفضل بید اللہ یعنی فضل نہیں ہے۔ مگر ید اللہ میں۔ معلوم ہوا کہ یہ وجود مقدس خازن فضل
خداوندی ہیں۔ قول رسول واللہ معطی وانا قاسم اس کا موید۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ معرفت الٰہیہ نعمت غیر
مترقبہ ہے جس کے عطا کنندہ بھی یہی ہیں۔ ہم ثابت کر آئے ہیں۔ کہ خدا کو اپنا تعارف کرانا ہر زمانہ
میں محبوب۔ لہٰذا قاسم نعمت معرفت ایزدی کا وجود بھی ہر زمانہ میں ضروری۔ نبی اکرم علیہ السلام نے
اس حقیقت کو پرزور الفاظ میں یوں بیان فرمایا۔ کہ من لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ
جاھلیۃ۔ (دیکھو منصب امامت اسمٰعیل شہید دھلوی) لفظ زمانہ کی ضمیر اس بات کو ظاہر کرتی
ہے کہ امام جو کہ معرفت کا عطا کرنے والا ہے جس کی معرفت عین عرفان الٰہی ہے۔ اس کا ہر وقت اور
زمانہ میں موجود ہونا ضروری۔

بہر حال یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ ہستیاں جو کہ خلعت عصمت سے آراستہ ہیں۔ خدا کا تعارف کرانے کے لئے
پیدا کی گئیں۔ یہی نفوس عالیہ تھے۔ جو کہ قبل از تخلیق آدم موجود تھے۔ دیکھو نزھۃ المجالس مولوی عبدالرحمن
شافعی المذہب) ان سے ایک کا پتہ خداوند تعالیٰ ان الفاظ سے دے رہے ہیں۔ کہ ما حببت ان اعرف
... یعنی میں نے محبوب گردانا اپنا تعارف کرانا لہٰذا پیدا کیا خلق کو خلق سے مراد روح نورانیہ محمدیہ
جو کہ اول مخلوق ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اس حقیقت کی تائید میں فرماتے ہیں۔ اول حقیقۃ ھادیۃ
جامعۃ محیطۃ نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی اول حقیقت ہادیہ جامعہ محیطہ نہیں ہے۔ مگر حضور
علیہ السلام نور مبارک۔ مولوی احمد یار خاں تفسیر نعیمی میں لکھتے ہیں۔ کہ نبی آدم علیہ السلام نے فرمایا۔ انا
من نور اللہ وکل شیء من نوری۔ "حبیب خدا" میں مولوی اشرف علی تھانوی نے بہ اختلاف الفاظ
بطور فٹ نوٹ حدیث نور درج کی ہے۔ اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج
النبوۃ میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک نور خداوند تعالیٰ کا ذاتی ہے اور ایک نور صفاتی۔ تمام انبیاء علیہم السلام
نور صفاتی سے خلق ہوئے ہیں۔ اور ہمارے نبی اکرم علیہ السلام نور ذاتی سے۔ شیخ صاحب نے جو کہا ہے
اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ یہ امر مسلمات سے ہے۔ کہ کثرۃ الاسماء تدل علی کثرۃ
الصفات۔ یعنی تکثیر فی الاسماء کثرت فضائل و اوصاف پر دلالت کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر جس قدر
کسی کے اوصاف زیادہ ہونگے۔ اسی قدر اس کے اسماء زیادہ ہونگے۔ صفات الٰہیہ چونکہ لا محدود
لاتحصی ہیں۔ بدیں وجہ اسماء الٰہی لاتعداد ہیں۔ بعض محققین کا یہ کہنا کہ اسم عین مسمّٰی ہوتا ہے
تو اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ اسم کو صفت بھی خیال کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ رحیم کریم اور رؤف اسماء
ایزدی ہیں۔ اور صفات خداوندی کہلاتے ہیں۔ چونکہ صفات خداوندی عین ذات ہیں۔ لہٰذا

لہٰذا اسے اسم عین مسمّیٰ ہوا۔ ایسا کہنا صرف ذاتِ خداوندی کے سلئے ہے۔ چونکہ صفاتِ الٰہیہ عین ذات ہیں
لہٰذا ذات اور صفات میں کوئی مغایرت نہیں یعنی صفات زائد بر ذات نہیں۔ لہٰذا اسم ذاتی اور اسم
صفاتی کی تقسیم قابلِ توجہ نہیں۔ یعنی اسماء جب صفات کہلاتے ہیں اور صفات عین ذات ہیں۔ تو پھر تقسیم
نہیں۔ علاوہ ازیں یہ قاعدہ ہے۔ کہ اسم مسمّیٰ کو محدود کر دیتا ہے۔ ذات خداوندی حدود سے بلند و بالا
اور پاک و پاکیزہ ہے۔ لہٰذا اس کا کوئی اسم ذاتی نہیں۔ (تفصیلی بحث کے لئے دیکھو مواعظ حسنہ علامہ
حیدری) اصل میں بات یہ ہے۔ کہ اسم اللہ جامع جمیع صفات اور اسماء ہے۔ باقی تمام صفات کو
حاوی۔ اور ان کے لیے بمنزلہ اصل و ذات کے ہے۔ مطلب یہ کہ جب اللہ کہا جاوے۔ تو اس
میں باقی تمام صفات خداوندی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ فرض کرو کہ اگر کسی کو بنا بر ظاہر صفات الٰہیہ
کا علم نہ ہو۔ سوائے اسم اللہ کے دوسرا اس کو معلوم نہ ہو۔ اور وہ تمام اسماء الٰہیہ کے فیوض سے
مستفیض ہونا چاہتا ہو۔ تو پھر اس کو اسم اللہ کہنا چاہیے۔ اور یہ عین ذات ہوتا ہوا۔ ذات خداوندی
کو پتہ دے گا۔ اس لحاظ سے اس کو اسم ذاتی کہا جاوے گا۔ ورنہ فی الحقیقت یہ بھی اسم صفاتی ہے
جیسا کہ ارشادِ خداوندی سے ظاہر ہے۔ کہ اُدْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰى۔ ویسے زبان زد عام یہی ہے۔ کہ اسم اللہ ذاتی ہے۔ اور وہ انہیں معنوں میں ہو سکتا ہے۔ جیسا
کہ ہم نے لکھا ہے کہ یہ جامع جمیع اسماء ہے۔ ورنہ خدا کے لئے کوئی اسم ذاتی قرار دینا ہرگز درست
نہیں۔ اب یہ جو شیخ عبد الخالق محدث دہلوی نے کہا ہے۔ کہ تمام انبیاء نور صفاتی سے خلق ہوئے
ہیں۔ اور حضور علیہ السلام نور ذاتی سے۔ تو مطلب اس کا یہی ہے۔ کہ تمام انبیاء باقی اسماء کے
مظہر ہیں۔ اور نبی اکرم علیہ السلام اسم اللہ کے مظہر ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے۔ کہ اسم اللہ جامع جمیع اسماء ہے
لہٰذا اس کا مظہر جامع جمیع مظاہر ہوگا۔ اور یہ بھی مسلّم امر ہے۔ کہ ہر مظہر اسی اسم سے فیض پاتا ہے۔
جس کا وہ مظہر ہے۔ اور وہ اسم اس کے لئے رب کہلاتا ہے۔ تو اس لحاظ سے مظہر اسم اللہ رب المظاہر
ہوا۔ ہر مظہر ایک عالم کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا مظہر اسم اللہ رب العالمین ہوا۔ یعنی محمود عالم وجود
میں رب العالمین ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم ایجاد میں رب العالمین ہیں۔ جامی میں رب العالمین
اور علی بھی پڑھئے۔ اس کے لئے دیکھو مسئلہ اتحاد و مظاہرہ۔ اور مسئلہ رب النوع کو کتب ... اور ضرورت
الامام میں۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی ایک اسم کا مظہر
ہو اور کوئی دوسرے کا اور کوئی تیسرے کا علیٰ ہذا القیاس۔ چونکہ ہر مظہر اپنے اسم کی جس سے وہ مستفیض ہوتا ہے۔
اسی کی معرفت رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ دوسرے اسماء کی معرفت نہ رکھتا ہوگا۔ اور یہ نقص ہے؟ جواب اس کا
یہ ہے۔ کہ چونکہ صفات خداوندی عین ذات ہیں۔ لہٰذا سب ایک ہیں۔ مثلاً علم و قدرت اور رحمت
اس کی صفات ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ قدرت میں علم کا مفہوم نہیں اور علم میں قدرت کا۔

رحمت ہیں علم کیا علم میں رحمت کا وغیرہ۔ سب صفات خداوندی عین ذات ہوتے ہوئے آپس میں گھل ملے ہوئے ہیں۔ فرض کرو کوئی اسم علیم کا مظہر ہے۔ تو یہ مظہر تمام اسماء الٰہیہ کی اجمالی طور پر معرفت رکھتا ہے۔ اور اسم علیم کی تفصیلی طور پر۔ مطلب یہ کہ کمالات علمیہ کا ظہور اس سے عموماً ہوگا۔ اور باقی کا عندالضرورت یہ سب کچھ ہم خصوصاً انبیاء علیہم السلام کی بابت کہہ رہے ہیں۔ اب ان میں تفاوت فی الدرجات بسبب وسعت ظرفیت کے ہوگا۔ تفصیل اس حقیقت کی یہ ہے۔ کہ جمیع صفات کمالیہ کا مرکز علم ہے۔ اختلاف فی المدارج و مراتب کا انحصار علم پر ہوگا۔ نیز صفات خداوندی کا اظہار نزاکت وقت اور موقعہ کے لحاظ سے ہوگا۔ جس کا وہ علم رکھتا ہوگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کبھی کسی صفت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور کبھی کسی کا۔ اگر موقعہ کے لحاظ سے کسی نبی سے کسی صفت کا اظہار لگاتار اور متواتر ہوتا رہا ہو۔ تو کہا جاتا ہے۔ کہ وہ اس صفت کا خاص کر مظہر تھا۔ حالانکہ باقی صفات کا بھی مظہر ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کو نبی اکرم باعث ایجاد عالم علیہ السلام نے ان الفاظ میں ادا کیا۔ کہ من احب ان ینظر الی اسرافیل فی ھیبتہ والی میکائیل فی مرتبتہ والی جبرئیل فی جلالہ والی آدم فی علمہ وسلمہ والی نوح فی خشیتہ والی ابراھیم فی خلتہ والی یعقوب فی حزنہ والی یوسف فی جمالہ والی موسیٰ فی مناجاتہ والی ایوب فی صبرہ والی یحییٰ فی زھدہ والی عیسیٰ فی سنتہ والی یونس فی ورعہ والی محمد فی حسبہ وخلقہ فلینظر الی علی بن ابیطالب ..... حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام اسم علیم کے علاوہ باقی اسماء کے بھی مظہر تھے۔ علاوہ ازیں دیکھئے کہ حضرت جعفر علیہ السلام کو صادق حضرت محمد علیہ السلام کو باقر العلوم حضرت رضا علیہ السلام کو ضامن کہا جاتا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی آئمہ علیہ السلام میں یہ صفات نہ تھیں۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے۔ کہ موقعہ و محل کے لحاظ سے ان صفات کا ظہور ان سے بکثرت اور تواتر سے ہوا ہے۔ بہرحال یہ عیاں ہو گیا۔ کہ حضور علیہ السلام مظہر اسم اللہ ہوتے ہوئے جامع جمیع مظاہر ہیں۔ جب معاملہ ایسا ہے تو باقی تمام مظاہر ان کی معرفت رکھتے ہوں گے اور آپ کا وجود سب سے پہلے ہوگا۔ کیونکہ آپ ہی نور معرفت کا منبع و مرکز اور خزانہ ہیں۔ سب کو فیض آپ ہی سے ملا ہے۔ جیسا کہ علامہ سید محمد سبطین صاحب اعلی اللہ مقامہ نے حدیث مدینہ کے تحت کشف الاسرار میں لکھا ہے۔ یہی وہ ہستی ہے جس کی خبر ایں الفاظ قدرت دے رہی ہے۔ کہ ماحببت ان اعرف ..... یعنی میں نے محبت سے دیکھا اس امر کو پہچانا جاؤں۔ لہٰذا اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا۔ پھر فرمایا لکی اعرف اور میں پہچانا گیا۔ معلوم ہوا۔ کہ مقصد خداوندی بوجود نورانیہ محمدیہ پورا ہوا۔ جیسا کہ ارشاد رسالت مآب علیہ السلام سے ظاہر ہے۔ کہ نحن نحن یعنی ہمارا وجود مقدس وہ افق عالیہ ہے۔ جہاں سے شعاع آفتاب حقیقت الٰہیہ نکل رہی ہے۔ مگر لطف ھو یعنی ہمارا کتم عدم سے وجود میں اس حقیقت کو لے کر آنا اور پھر قائم رہنا بوجود واجب الوجود ہے۔ بالفاظ دیگر یہ عالی نفوس مظہر قیوم ہوتے ہوئے خود قائم اور جہاں میں علم توحید گاڑنے والے ہیں۔ یہی وجود مقصد خدائی کے ترجمان ہیں۔ خدا کو اپنے مقصد کو مخلوق تک پہنچانا

ہر وقت محجوب۔ مقصد الٰہیہ نہیں ہے۔ مگر اپنا تعارف کرانا جیسا کہ ما حیث سے ظاہر ہے۔ لہٰذا ایسے وجود کا ہر زمانہ میں ہونا لابد و ضروری۔ ایسا وجود ہر وقت ہونا چاہیئے۔ جو مخلوق تو ہو گا۔ خالق کا پتہ دیتا ہو۔ اور ببانگ دہل یہ کہے۔ کہ خالق و مخلوق میں سے کسی کے متعلق جو چاہو۔ مجھ سے پوچھ لو۔ ایسی ہستی وہی ہو سکتی ہے۔ جو سریر آرائے سلونی پر متمکن ہو۔ یا وہ ہو گی۔ جو کہ سَلْ ما شِئْتَ کا تاج نورانی اپنے سر پر رکھتی ہوئی فَتَنْبُ بہ خبیرا کا مصداق ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ نفوس نورانیہ علیم و خبیر ہوتے ہوئے مقصد خدائی کو پورا کر رہے ہیں۔ اور یہ اس لئے کر رہے ہیں۔ کہ خود مقصود و مراد ایزدی ہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی سے ظاہر ہے۔ ارشاد رب العزت ہے۔ کہ انت المراد و انت المرید و انت خیرتی من خلقی و عزتی و جلالی لولاک لما خلقت الافلاک۔ یعنی اے حبیب تو ہی وہ ہستی ہے جس میں میرا مقصد و ارادہ بند ہے۔ تو ہی صاحب ارادہ ہے۔ اور تو ہی جمیع مخلوقات ارضی و سماوی سے افضل و برتر ہے۔ مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم اگر تجھ کو پیدا نہ کرنا مقصود نہ ہوتا تو کوئی چیز خلعت وجود سے آراستہ و پیراستہ نہ ہوتی۔ معلوم ہوا کہ دائرہ تخلیق کا مرکز حضور علیہ السلام ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ دائرہ کا وجود مرکز پر انحصار رکھتا ہے۔ یعنی مرکز سے پہلے ہوتے ہوئے دائرہ کی تکمیل کا باعث ہوتا ہے۔ اسی ہستی عظیمہ کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ لکی عرف۔۔۔۔ کہ میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ السلام کے ذریعے سے پہچانا گیا۔ خدا ان شان و شوکت۔ عزت و جلال اور سطوت و جبروت خداوندی کو مد نظر رکھتے خیال ہی سے عقل دنگ۔ زبان گنگ اور دل مرعوب نظر آتے ہیں۔ ایک ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔

بایں ہمہ ایزد متعال فرماتا ہے۔ کہ لکی عرف کہ میں اپنے حبیب کے ذریعے سے پہچانا گیا۔

معلوم ہوا حضور علیہ السلام اُس مقام اور منزل پر فائز ہیں۔ جہاں ملائکہ مقربین بھی پر نہیں مار سکتے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

فرشتہ گرچہ دارد قرب درگاہ
نہ گنجد در مقام لی مع اللہ
ز نور او ملک را پر بسوزد
محمد خود را پا و سر بسوزد

حضرت علی علیہ السلام خود یوں گوہر فشانی کرتے ہیں۔ کہ "ہمارا امر نہایت سخت ہے۔ اس کو نہ کوئی نبی مرسل اور نہ ملک مقرب برداشت کر سکتا ہے"

(باقی آئندہ)

محمد حسین نقوی میڈیکل آفیسر ریفوجی کیمپ
ہسپتال واہ۔ ضلع کیمل پور

(قسط ۳)

مسافرت حضرت امام حسین علیہ السلام بطرف عراق

(مدینے سے کربلا تک)

(از قلم آقائے الحاج سید الف شاہ صاحب پاکنہاد)

(سلسلہ کے لئے دیکھئے "معارف اسلام" ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ صفحہ ۳۳)

(۹) **شراف**۔ بطن عقبہ سے چلنے کے بعد کاروان اہل بیت شراف کے قریب پہنچا اور رات وہیں بسر کی۔ صبح کے وقت امام حسین علیہ السلام نے اپنے خادموں کو فرمایا کہ اندازے سے زیادہ پانی اپنے ساتھ ذخیرہ رکھیں۔ خود آپ نے گھوڑوں اور اونٹوں کو پانی پلا کر جس قدر زیادہ پانی اپنے ساتھ رکھ سکتے تھے اونٹوں پر بار کیا اور اس منزل سے چل پڑے۔ امام حسین علیہ السلام دو منزلوں سے پانی کی زیادہ سے زیادہ مقدار جو اونٹوں پر لادی جا سکتی تھی اپنے ساتھ لا رہے ہیں کیونکہ آنحضرت امام وقت ہیں۔ شہید عطشان الناس ہیں اور اپنے علم امامت سے جانتے ہیں کہ مخالفین کے ایک ہزار سوار حضرت کے محاصرے کے لئے آ رہے ہیں اور شدت گرما کی وجہ سے تشنگی سے بیتاب ہونگے۔ ان کو پانی پلانا ضروری ہے۔ جو شخص معرفت امام نہیں رکھتا وہ یہ اسرار نہیں سمجھ سکتا۔

آمد حُر ریاحی۔ شراف سے نکل کر کاروان اہل بیت ظہر کے وقت تک چلتا رہا اور پھر گرمی ہوا کی وجہ سے ٹھہر گیا۔ ناگاہ ایک شخص نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ امام حسینؑ نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کی۔ "مجھے دور سے ایک نخلستان دکھائی دیا ہے اور اس خیال سے کہ ہم کسی آبادی کے نزدیک ہیں خوشی میں آکر میں نے تکبیر کہدی ہے۔" بعض ہمراہیوں نے اس خیال کی تکذیب کی کیونکہ وہ اس رستے سے کاملاً آشنا تھے اور جانتے تھے کہ اس بیابان میں کوئی نخلستان نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو سوائے گھوڑوں کے سروں اور سر نیزوں کے کوئی دوسری چیز نہیں دیکھتے۔ اتنے میں وہ منظر قریب آ گیا۔ معلوم ہوا کہ ابن زیاد کے سوار ہیں جو اس بیابان میں مراقبت راہ پر مامور ہیں۔ لیکن ابھی یہ معلوم نہ تھا کہ یہ دشمن کے سوار امام حسین علیہ السلام کے ہوا خواہ ہیں یا بدخواہ اور ان کی ماموریت کس نوع کی ہے۔ پس ضروری تھا کہ ایسے مواقع پر احتیاط کو ہاتھ سے نہ دیا جائے اور بر طبق قواعد سپاہ گری مخدرات و ناموس اہل بیت نبوت کے لئے کوئی ایسی موزوں جگہ تلاش کی جائے جو موقعیت نظامی کے لحاظ سے مفید ثابت ہو یعنی جنگ چھڑ جانے کی صورت میں اہل بیت نبوت کو وہاں محفوظ رکھا جا سکے۔ امام حسینؑ نے پوچھا کہ یہاں کوئی ایسی جگہ

ہے کہ ہم اس کو اپنی پناہ گاہ قرار دے سکیں اور بصورت جنگ اس پناہ گاہ کو اپنے عقب سر قرار دے کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ زہیر ابن القین نے عرض کی "ہاں۔ یہاں نزدیک ہی ایک پہاڑی ہے۔ جس کو "ذو حسم" کہتے ہیں پس بہتر یہ ہے۔ کہ ہم بائیں طرف کو چلیں اور دشمن سے پہلے اس پہاڑی پر قبضہ کرلیں اور اس کو اپنی جائے پناہ قرار دیں۔" امام علیہ السلام نے اس طرف کا رخ کیا۔

اس عرصے میں آنے والے سوار بھی نمودار ہو گئے۔ ان نو واردین نے جب دیکھا کہ امام حسینؑ اور حضرت کے ہمراہی اصلی راستے کو چھوڑ کر پہاڑی کی طرف جا رہے ہیں۔ تو وہ بھی اپنے راستے سے ہٹ کر پہاڑی کی طرف چلے۔ لیکن امام علیہ السلام پہلے ہی وہاں پہنچ کر پہاڑی پر قبضہ کر چکے تھے۔ اتنے میں یہ گروہ بھی آ پہنچا جو حر ابن یزید تمیمی معروف بہ ریاحی کے زیر دست ایک ہزار سوار پر مشتمل تھا۔ آفتاب نصف النہار پر تھا اور گرمی انتہا کی شدت پر تھی۔ پیاس کی وجہ سے انسان اور حیوان دونو حالتِ سوز و گداز میں تھے۔ سب سے پہلے امام حلیم و شہید علی الاطلاق نے جو ساقی کوثر کا فرزند دلبند تھا اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ان ہزار سواروں کو مع ان کے گھوڑوں کے سیراب کریں۔ اس گروہ نے باستثنائے ریاحی فرزند رسول اللہ کی اس جوانمردی کا صلہ کربلا پہنچتے ہی دل کھول کر دیا یعنی کربلا میں عمر ابن زیاد کے حکم سے امام حسین علیہ السلام اور اہلبیت نبوت پر پانی بند کر دیا جو بجز اہلبیت نبوت سب پر مباح تھا۔

بودند دام و دو ہمہ سیراب و می مکید
خاتم زقحط آب سلیمان کربلا

لیکن یہ نکتہ یاد رہے۔ کہ امام حسینؑ اس جوانمردی کے عوض کسی پاداش یا صلے کے منتظر نہ تھے۔ بلکہ امام زماں ہونے کی حیثیت سے نظر بہ عظمت و بلندئ مقام و نجابت خانوادگی وظیفۂ انسان دوستی انجام دے رہے تھے۔ جب دستۂ مقابل کے سوار اور ان کے حیوانات سیراب ہو گئے اور ان کے ہوش ٹھکانے آئے تو امام حسینؑ نے حرؑ ریاحی سے پوچھا "آیا تم ہماری مدد کے لئے آئے ہو یا ہمارے خلاف ہو"۔ حرؑ نے جواب دیا "اے ابا عبد اللہ۔ ہم لوگ آپ کے خلاف آئے ہیں" امام حسینؑ نے جب یہ سنا تو لاحول پڑھا اور پھر اس سے کچھ نہ پوچھا۔ نماز ظہر کا وقت ہوا تو امام حسینؑ نے حجاج بن مسروق کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ اور نماز کے لئے تیار ہوئے۔ پھر حضرت خیمے سے باہر تشریف لائے اور مخالفین کے سامنے کھڑے ہو کر بعد از حمد و سپاس خدا فرمایا۔

"اے لوگو! میں خود اپنی مرضی سے تمہارے پاس نہیں آیا۔ تم نے پے در پے مجھ کو خط بھیجے۔ تمہارے نمائندے میرے پاس آئے۔ ان خطوں میں اور ان نمائندوں کی زبانی تم نے مجھ سے درخواست کی۔ کہ ہمارا کوئی امام و پیشوا نہیں آپ ہمارے پاس آئیں۔ تاکہ آپ کے وسیلے سے خداوند ہم کو حق پر برقرار رکھے اور سیدھا راستہ دکھائے۔ پس جو کچھ تم نے لکھا تھا اگر وہ صحیح ہے۔ تو تم اپنے

قول پر قائم ہو تو میں اب تمہارے پاس آگیا ہوں اسی بنا پر تم مجھ سے عہد و میثاق کرو اور اگر ایسا نہیں کرتے اور میرے یہاں آنے سے بیزار ہو۔ تو تو میں "جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤنگا"۔ مخالفین میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ امام علیہ السلام نے مؤذن کو اقامہ نماز کے لیے حکم دیا۔ اس کے بعد حرؓ کو مخاطب کرکے فرمایا۔" کیا تمہاری خواہش یہ ہے۔ کہ اپنے ہمراہیوں کے پیش نماز بنو"۔ حرؓ نے جواب دیا" نہیں۔ بہتر یہی ہے۔ کہ ہم آپ کی اقتدا کریں"۔ پس تمام مخالفین نے نماز ظہر امام حسین علیہ السلام کے پیچھے پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر امام علیہ السلام اپنے یاروں سے ملے اور پھر اپنے خیموں میں آگئے۔ حرؓ بھی اپنے خیمے کی طرف لوٹا جو اس کے لئے از حیثیت رئیس دستہ سواراں علیحدہ نصب کیا گیا تھا اور باقی سواروں نے گھوڑوں کی لگامیں پکڑیں اور آرام کی خاطر ان کے سائے میں بیٹھ گئے۔
نماز عصر کے وقت بھی مؤذن امام حسین علیہ السلام نے اذان اور اقامہ نماز کی خدمت انجام دی اور امام حسینؑ نے دونوں گروہوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آنحضرتؑ دونوں گروہوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور بعد از حمد و ثنائے خدا تعالیٰ فرمایا۔

"اما بعد۔ اے لوگو۔ اگر تم خدا سے ڈرو اور حق کو صاحب حق کے سپرد کردو تو خدا تعالیٰ تم سے خوشنود و راضی ہوگا۔ ہم خاندان پیغمبر اکرمؐ اور اس کی اولاد سے ہیں اور ولایت کے لئے شائستہ و سزاوار تر ہیں ان لوگوں کی نسبت جو تم پر حکومت کر رہے ہیں۔ اور وہ ایسے مقام کے مدعی ہیں جس کے وہ لائق نہیں ہیں۔ اور اس نالائقی کے باوجود تم لوگوں کو اپنی قوت قاہرہ دکھاتے ہیں اور عدالت نہیں کرتے۔ اگر تم لوگ ہم سے بیزار ہو اور ہمارے حق سے انکار کرنے پر اصرار کرتے ہو اور تمہاری رائے اور تمہارا عقیدہ اب وہ نہ رہا ہو جو تم نے اپنے خطوں میں ظاہر کیا تھا اور تمہارے فرستادگان نے تمہاری طرف سے مجھے زبانی بتایا تھا تو میں یہیں سے واپس چلا جاتا ہوں۔ اور میرا تمہارے ساتھ کوئی کام نہیں"۔ حرؓ نے جواب دیا "بخدا ان خطوں اور نمائندوں سے جن کا آپ ذکر رہے ہیں ہم بالکل بے اطلاع ہیں۔ امام حسینؑ نے اپنے یاروں میں سے عقبۃ بن سمعان کو فرمایا۔" وہ دو خورجینیں جن میں یہ خطوط ہیں لے آؤ"۔ عقبۃ وہ دو خورجینیں جو اہل کوفہ و عراق کے خطوں سے بھری ہوئی تھیں اٹھا لایا اور تمام خطوط امام حسینؑ اور حرؓ ریاحی کے درمیان زمین پر بکھیر دیئے گئے۔ حرؓ ریاحی نے عرض کی" ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ جنہوں نے یہ تمام خطوط حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ ہم تو وہ ہیں جن کو حکم دیا گیا ہے کہ راستے میں جہاں کہیں آپ کو ہم ملیں ہم آپ کے ساتھ رہیں اور آپ کو کوفے میں ابن زیاد کے پاس لے جائیں۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا" یہ غیر ممکن ہے اور موت تیرے لئے اس آرزو سے عملی تر ہے۔" امام حسینؑ نے اپنے یاروں کو حکم دیا۔" سوار ہو جاؤ"۔ وہ سوار ہو گئے اور خود امام علیہ السلام عورتوں

اور بچوں کو سوار کرنے میں مراقب رہیے۔ اس کے بعد حضرت نے یاروں کو حکم دیا "چلو واپس چلیں"

پند حکیم محض صواب است و عین خیر * فرخندہ بخت آنکہ بسمع رضا شنید (حافظؒ)

یہ واپسی کا حکم اتمام حجت کے لیے تھا ورنہ امام علیم تھے۔ آنحضرت علیہ السلام دین مبین اسلام کے تحفظ کی خاطر راہ حق میں شہید ہونے کیلئے مدینہ سے کربلا آرہے تھے۔ یہ مشیت الٰہی تھی کہ جس کو روکنا ناممکن تھا پس آنحضرت علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ حضرت کی شہادت کے بعد دنیائے اسلام خود فیصلہ کرے کہ جب امام حسینؑ مع اہل بیت نبوت بجائے کوفہ کی طرف بڑھنے کے مدینے کو واپس لوٹنے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے تو آنحضرتؑ کو واپس جانے سے کیوں روکا گیا؟۔ کیا یہ صریح ظلم نہ تھا؟ اس اتمام حجت اور اسی قبیل کی دوسری پیش آمدگیوں نے دوران ایام عاشورہ یاران و انصار امام حسینؑ کو اور صبح روز عاشورہ حر بن یزید ریاحی کو فوق العادہ متاثر کیا اور سب نے مظلومیت امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت رسول اللہ سے متاثر ہو کر آنحضرت پر پروانہ وار اپنی جانیں قربان کر دیں۔ علیہم السلام

جب امام علیہ السلام واپس جانے لگے تو حر ریاحی اور اس کے سوار مانع آئے اور راستہ روک لیا۔ امام حسین علیہ السلام نے حر سے خطاب ہو کر فرمایا "تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے۔ تو کیا اقدام کرنا چاہتا ہے؟" حر پر یہ عتاب امامؑ اور وہ بھی ایک ہزار سواروں کے سامنے جو حر کے زیردست تھے کچھ ناگوار گذرا۔ مگر یہ عتاب کرنیوالا کون تھا۔ حسینؑ ابن علیؑ فرزند دختر خاتم النبیین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا شریف ترین زنان عرب والسلام۔ حر نے عرض کی "اگر یہ کلمہ اعراب میں سے کسی اور کے منہ سے نکلتا اور وہ اس حالت میں ہوتا جس میں کہ آپ اس وقت ہیں۔ (یعنی ہمارے ہاتھوں میں اسیر ہیں) تو میں یہ کلمہ عیناً اس کو واپس کرتا اور خواہ وہ کسی بیچے کا ہوتا میں اس کی ماں کا نام ضرور لیتا۔ لیکن آپ کی ماں کے بارے میں میرے لئے کوئی علاج نہیں سوائے اس کے کہ اس کا نام بہترین عبارات اور بکمال احترام کے ساتھ لوں"۔ امام حسین علیہ السلام نے نرمی سے پوچھا "تو پھر ہم سے کیا چاہتا ہے۔ اور تیرے منظور نظر کیا ہے۔ حر نے عرض کی "میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس کوفے میں پہنچاؤں"۔ امام حسینؑ نے فرمایا "بخدا میں اس صورت میں تیرے ہمراہ نہیں ہوں"۔ حر نے عرض کی "بخدا میں بھی آپ سے دست بردار نہیں ہوں گا"۔ یہی کلمات کئی مرتبہ آپس میں رد و بدل ہوتے رہے اور طرفین اپنے اپنے قول پر مصر تھے۔ آخر حرؒ نے عرض کی "میں آپ سے جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جب تک آپ کو کوفے میں نہ لیجاؤں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ اب چونکہ آپ میرے ساتھ جانا نہیں چاہتے بہتر یہ ہوگا کہ آپ کوئی ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفے کی طرف

جاتا ہو۔ نہ مدینے کی طرف۔ ضمناً میں ابن زیاد کو حقیقت حال سے اطلاع دیتا ہوں۔ شاید خدا کوئی ایسا وسیلہ بنا دے۔ کہ یہ ماموریت مجھ سے لے لی جائے اور میں آپ کی مخالفت سے آسودہ ہو جاؤں۔" بنابریں امام حسینؑ نے وہ راستہ اختیار کیا جو عذیب و قادسیہ کے درمیان تھا۔ حر بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ چلتے وقت امام علیہ السلام نے پیغمبر اکرمؐ کی حدیثیں ان لوگوں کو سنائیں۔ بنی امیہ ان کے افعال و کردار ظالم اور عدم لیاقت و شائستگی برائے مقام شامخ خلافت الہٰیہ پر روشنی ڈالی اور پھر انہی خطوط کا ذکر کیا جو عراقیوں اور کوفیوں نے آنحضرت کی خدمت میں بھیجے تھے۔ اس کے بعد فرمایا میں فرزند فاطمہؑ دختر پیغمبر اکرمؐ ہوں۔ میری پیروی کرو۔" حر نے عرض کی" میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ اپنی جان کی حفاظت کریں۔ میں بطور قطعی جانتا ہوں کہ اگر آپ لڑے تو آپ مارے جائیں گے۔ (کیونکہ دشمن آپ سے قوی تر ہے اور آپ اس عدۂ قلیل کے ساتھ جو آپ کے ہمراہ ہے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔) امام علیہ السلام نے فرمایا۔ کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ کیا نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔ کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں"۔!

(اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ نبی و امام کے وجود میں موت نہیں بلکہ موت عالم خلق و زمانیات سے متعلق ہے۔ نبی و امام عالم امری سے ہیں۔ اور کلمتہ اللہ ہیں و کلمتہ اللہ فانی نہیں باقی ہے۔ پس عالم امری سے تعلق رکھنے والے تابع موت نہیں۔ متبوع موت ہیں۔ یعنی موت انکے تابع ہے۔ پیغمبر اکرمؐ و آئمہ ہدیٰ علیہم السلام امت وسطیٰ ہیں اور اعتدال حقیقی رکھتے ہیں اور جب تک کوئی خارجی حادثہ یا صدمہ پیش نہ آئے مثل زہر۔ قتل وغیرہ نہیں مرتے اور زہر و قتل وغیرہ کی صورت میں بھی جب تک نبی یا امام کا ارادہ نہ ہو ملک الموت ان کی روح قبض نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ملک الموت سے افضل اور ان کی قوت عزرائیل کی قوت سے کہیں زیادہ ہے۔ ہاں جب نبی و امام موت کا ارادہ کر لیں تو ملک الموت ان کی اجازت سے انکی روح قبض کرتا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی نبی و امام کی موت مثل مرگ عالم خلقی نہیں کہ مرنے کے بعد اجزائے عنصری و مادی متفرق و متلاشی ہو کر اپنے اپنے اجزا سے جا ملیں اور اجسام فنا ہو جائیں۔ تفرق اجزائے جسم و فنا عالم خلقی سے مخصوص ہے۔ عالم امری والوں کی موت عبارت ہے ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف ایک نشاء سے دوسرے نشاء کی طرف عیناً منتقل ہو جانا اور بس! انبیاء و آئمہ ہدیٰ علیہم السلام زندہ جاوید ہیں۔ کیونکہ سب کلمۂ وجودیہ الہٰیہ ہیں اسی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔" کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔" یعنی موت تو خود ہمارے ارادے کے تابع ہے۔ ہم کیوں موت سے ڈرنے لگے) حر نے جب امام علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا تو خاموش ہو گیا۔

(۱۰) **عذیب الہجانات**۔ سفر کرتے کرتے امام حسین علیہ السلام عذیب کے مقام پر پہنچے۔ اس جگہ چار شخص (۱) عمرو بن خالد صیداوی۔ (۲و۳) مجمع بن عائذ مع فرزند (۴) جنادہ بن حارث سلمانی جو امام حسینؑ کی نصرت و یاری کے لئے کوفے سے آ رہے تھے امامؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوئے۔ چونکہ راستے بند تھے یہ لوگ راہ سے بے راہ چکر کاٹتے، دشمن کی مراقبت سے بچتے طرماح بن عدی طائی کی معیت میں بڑی زحمت سے یہاں آ پہنچے۔ حُر نے چاہا کہ ان کو توقیف کرکے کوفہ واپس بھیجے لیکن امام علیہ السلام مانع آئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ میری مدد کے لئے آئے ہیں اور میرے پیرو ہیں اور جس طرح کہ میں اپنی جان کی حفاظت کر رہا ہوں ان کی جان کی حفاظت بھی میرے ذمے ہے پس اگر تم میرے ساتھ پہلے جیسا ہی سلوک کرتے ہو اور میرے یاروں میں سے کسی کے متعرض نہ ہو تو ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں بصورت دیگر میں تمہارے ساتھ جنگ کروں گا۔ حُر کو جنگ کی کوئی اجازت نہ تھی۔ پس وہ اپنے ارادے سے باز رہا اور کوفے سے آنے والوں کا متعرض نہ ہوا۔

امام علیہ السلام نے ان یاروں سے کوفے کے حالات دریافت کئے چونکہ یہ لوگ جریان وقائع و آخرین اخبار کوفہ سے کاملاً آگاہ تھے انہوں نے عرض کی کہ ہمارے بزرگوں کو ابن زیاد نے رشوہ و سیم و زر دے کر اپنی طرف متمائل کر لیا ہے اور اب یہ بزرگانِ قوم آپ کے مخالف ہو گئے ہیں۔ رہے عوام وہ اگرچہ قلباً آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی شمشیریں آپ کے خون کی پیاسی ہیں۔

احیان الشیعہ (جزو چہارم۔ ص ۱۹۴) میں منقول ہے۔ کہ طرماح بن عدی نے امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کی "کہ میں خدا کے نام سے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی جان کی حفاظت کریں اور اہلِ کوفہ کے قول و گفتار پر اعتماد نہ کریں۔ بخدا اگر آپ کوفہ میں وارد ہوئے تو قتل کئے جاؤ گے۔ بلکہ مجھے تو ڈر ہے کہ آپ کوفے تک بھی نہ پہنچ سکیں گے اور آپ کے ساتھ کوئی اتنی بڑی جمعیت بھی نہیں ہے۔ جمعیت سے مقابلے کے لئے تو یہی عدہ (حُر ریاحی اور اس کے سوار) کافی ہے۔ کوفے سے خارج ہوتے وقت میں نے دیکھا تھا کہ ایک بھاری جمعیت آپ کی دشمن ہے پس میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں۔ کہ اگر ہو سکے تو ایک بالشت بھر بھی کوفے کی طرف نہ بڑھیں۔" اس کے بعد طرماح نے امام علیہ السلام سے خواہش کی کہ "آپ میرے ساتھ چلیں اور اس پہاڑی میں توقف کریں جو قبیلہ طے کی سکونتی سرزمینوں میں واقع ہے۔ اور میں آپ کو قول شرف دیتا ہوں کہ قبیلہ طے میں سے بیست ہزار (۲۰،۰۰۰) نفر شمشیرزن آپ کے ملتزم رکاب کر دوں گا۔" امام حسینؑ نے طرماح کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا۔ "میں تمہارے ساتھ چلنے سے معذور ہوں۔ میں نے ان لوگوں (اہلِ کوفہ) سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اور میں اپنے قول سے انحراف نہیں کر سکتا۔ میں ضرور جاؤں گا۔ اگر خداوند تعالیٰ نے اس مصیبت کو ہم سے دور کر دیا تو یہ اس کا شیوہ و کرم دیرینہ ہے

اور اگر میں مارا گیا تو میں شہادت کے درجے پر فائز ہوں گا۔" طرماح نے عرض کی کہ "میں پہلے اپنی اسباب جو میرے پاس ہے اپنے گھر پہنچا کر حضرت کی خدمت میں واپس آؤں گا۔" طرماح نے اپنا وعدہ پورا کیا اور واپس آیا۔ لیکن ابھی کربلا تک پہنچنے میں چند منزلیں باقی تھیں کہ اسے معلوم ہوا امام حسین علیہ السلام شہید کر دیئے گئے ہیں۔

(۱۱) **قصر بنی مقاتل** - عذیب سے کوچ کر کے قافلہ اہل بیت نبوت رات کے وقت (قصر بنی مقاتل) میں پہنچا۔ اور قدرے توقف و آرام کے بعد پانی کی زیادہ مقدار اپنے ساتھ لے کر رات کے آخری حصے میں پھر چل پڑا۔ عقبۃ بن سمعان راوی ہے کہ ہم جا رہے تھے کوئی ایک گھنٹہ کے بعد امام حسینؑ کو سواری کی حالت میں ایک اونگھ سی آ گئی لیکن جلدی ہی حضرت لا حول پڑھتے ہوئے بیدار ہو گئے۔ حضرت کے فرزند علی اکبر نے اس کا سبب پوچھا تو آنحضرت نے فرمایا۔ ابھی میری آنکھ لگی تھی کہ میں نے ایک سوار کو دیکھا جس نے ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے کہا کہ یہ گروہ مرگ کی طرف جا رہا ہے۔

علی اکبر نے پوچھا۔ "کیا ہم حق پر نہیں ہیں" امام حسینؑ نے فرمایا۔ "اس خدا کی قسم جس کی طرف تمام مخلوق کی بازگشت ہے ہم حق پر ہیں"۔ علی بن الحسینؑ نے کہا۔ "تو اس صورت میں ہم موت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے"۔ غرض اس طرح سفر کرتے ہوئے یہ قافلہ نینوا کی سرزمین میں داخل ہو گیا۔

(باقی آئندہ)

قرآنی اصطلاحات

شیعیت سے متعلق چند قرآنی تفاسیر و عقائد

SHIA CULTURE IN HOLY QURAN

"شیعہ کلچر قرآن کی روشنی میں" (قسط اول)

از قلم: سید جواد حسین شاہ نقوی اسلامک ریسرچ سنٹر بھکر ضلع میانوالی

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا شاہکار اس کی اصطلاحات ہیں۔ اس کتاب محکم کی یہ اصطلاحات اپنے اندر ہزاروں مطالب سموئے ہوئے ہوتی ہیں۔ ان ہی اصطلاحوں میں حضرت ابراہیم کے متعلق لفظ "شیعہ" کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا گیا لیکن وہ لوگ جو قرآنی اصطلاحات کے وسیع مفہوم سے نا آشنا ہیں۔ انہوں نے اس اصطلاح کو محدود بنا لیا۔ لیکن ایک وسیع النظر انسان ہمیشہ قرآن کے وسیع مفہوم پر نگاہ رکھے گا۔ اور ایک نکتہ سنج انسان اس سے کما حقہٗ فائدہ اٹھا سکے گا۔ قرآن کریم ہی وہ پہلی کتاب ہے جس نے علم تاریخ کو بالکل جدید نقطۂ نظر (SCIENCE OF HISTORY) کے طور پر لیا۔ اس لئے اس کی اصطلاح میں لفظ "شیعہ" میں ایک کلچر پوشیدہ ہے جس کے اعلیٰ اصولوں کو قرآن کریم نے بار بار دہرایا ہے۔ یاد رہے کہ قرآنی نقطۂ نظر سے عقائد کی دنیا تمدن و کلچر سے الگ نہیں بلکہ ساتھ ساتھ ہے۔ لہٰذا ہم شیعہ کلچر اور مادی کلچر کا ذرا سا فرق واضح کرتے جائیں تاکہ اس کو مطالعہ کرنے کے بعد کسی آخری نتیجہ پر پہنچا جا سکے۔

اسی مطالعہ کے دوران میں استخلاف فی الارض کا بیش بہا قانون ملتا ہے۔ جو امامت کیلئے طغرائے امتیاز ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کو جب منصب امامت سونپا جاتا ہے۔ تو اس میں "صلاحیت" اور "صالحیت" دو مباحث قائم ہو جاتے ہیں۔ اور اس کلچر میں صالحیت کو مقام دیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے ہمیں تھوڑی دور جانا پڑے گا۔

(۱) ایک شخص سنکھیا کھا لیتا ہے۔ اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ اس لئے کہ انسان کی طبعی زندگی ایک خاص نظام اور خاص قوانین کے مطابق چل رہی ہے۔ اس نظام اور ان قوانین طبعی نے سنکھیے کو مہلک بنایا ہے۔ اس لئے کہ یہ انسانی جسم پر ایک ایسا اثر مرتب کرتا ہے۔ جو قاطع زندگی ہے۔ اس لئے سنکھیا کھانے والے کی موت یقینی ہے۔ یہ قوانین فطرت کا تقاضا ہے اور اس کا ثبوت بدیہی۔

(۲) ایک شخص گھی کھاتا ہے۔ اور گھی ممد حیات ہے۔ اس لئے اس سے اس میں توانائی پیدا

ہوتی ہے۔ اور توانائی سے زندگی کا قیام ہے۔

(۳) ایک شخص گھی خرید کر لاتا ہے۔ دوسرا شخص چرا کر لاتا ہے۔ سوال یہ ہے۔ کہ ان دونوں پر گھی کا اثر یکساں ہوگا۔ یا مختلف قوانین طبعی کا۔ جواب صاف اور واضح ہے۔ کہ گھی کے اثر پر اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ گھی دونوں صورتوں میں توانائی بخش اور ممد حیات ثابت ہوگا۔ اس سے ہر حالت میں زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

(۴) مغرب کی مادی اور میکانکی تہذیب چونکہ قوانین طبعی سے ماوراء کسی اور نظام قوانین کو تسلیم نہیں کرتی اس لئے اس کے نزدیک جو شئے ممد حیات اور تقویت بخش ہے۔ فائدہ رساں ہے۔ اور چونکہ کسی شے کے اچھے یا برے ہونے کا معیار لامحالہ یہی ہے۔ کہ وہ نفع رساں ہے۔ یا نقصان دہ۔ اس سے ذریعہ حصول میں اس فیصلہ کو کوئی دخل نہیں۔ گھی اچھی چیز ہے۔ خواہ وہ کسی طریق سے حاصل کیا جائے۔

(۵) عام طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ اہل مغرب جب چوری کو معیوب قرار دیتے ہیں۔ اور قانون کی رو سے جرم تو لامحالہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ چوری کا گھی، بری چیز ہے اور خریدا ہوا گھی، اچھی چیز۔

لیکن ہم نے ابھی اوپر لکھا ہے۔ کہ قوانین طبعی کی رو سے گھی کا اثر ایک ہی ہوتا ہے خواہ وہ مسروقہ ہو۔ یا خرید کردہ۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے۔ کہ مادی تہذیب کی رو سے چوری کا گھی اور نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اور خرید کردہ اور۔ لہٰذا بات زیادہ سے زیادہ یوں ہوئی کہ (۱) گھی بہر حال اچھی چیز ہے۔ (ب) چوری بری چیز ہے۔ شق (ب) یعنی چوری بری چیز ہے۔ قوانین طبعی سے متعلق نہیں۔ ضابطہ اخلاق سے متعلق ہے۔ لیکن جب انسان کی زندگی صرف قوانین طبعی کے ماتحت ہے۔ تو پھر یہ ضابطہ اخلاق کیا ہے۔ اسلم چوری، ڈاکہ، دھوکہ، فریب سے روپیہ حاصل کرتا ہے۔ اس سے اسلحہ خریدتا ہے اپنے گرد ایک جماعت پیدا کر لیتا ہے۔ جو خود بھی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے اور اپنے متوسلین کو بھی آسائش و راحت کے سامان فراہم کر کے دیتا ہے۔ دوسری طرف عمر، صبح سے شام تک محنت کرتا ہے۔ بڑی مشکل سے چار پیسے حاصل کرتا ہے۔ عمر بھر حسرت سے دن گزارتا ہے۔ زندگی بڑی تنگی سے گزارتا ہے۔ اسلم بھی مر جاتا۔ عمر بھی۔ دونوں کا معاملہ قوانین طبعی کی رو سے ختم ہو جاتا ہے۔ ضابطہ اخلاق کی پابندی نے عمر کو کیا دیا اور اس کی شکست و ریخت نے اسلم کا کیا بگاڑا۔ لہٰذا ضابطہ اخلاق سے فائدہ کیا ہے۔ مغرب کا معلم اخلاق یہ جواب دیتا ہے۔ کہ ضابطہ اخلاق سے سوسائٹی کا نظام قائم رہتا ہے یعنی ہربرٹ اسپنسر کے الفاظ میں اخلاق، خوف انتقام کی پیدا کردہ چیز ہے۔ یعنی میں چوری اس

لئے نہیں کرتا کہ ڈرتا ہوں۔ کہ اگر اسے معیوب نہ قرار دیا گیا۔ تو میری بھی کوئی چیز محفوظ نہ رہ سکے گی۔ میں کسی کو فریب اس لئے نہیں دیتا۔ کہ مجھے خوف ہے۔ کہ اگر اس پر پابندی نہ لگائی گئی۔ تو مجھ سے زیادہ شاطر و عیار مجھے فریب دے جائے گا۔ لہذا اخلاقیات کی ذاتی طور پر کچھ قیمت نہیں۔ یہ نظام سوسائٹی کو قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور اس کی بنیاد، خوف انتقام اور پولیس، عدالت، جیل سب اسی جذبۂ خوف کو برقرار رکھنے کے ذرائع۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر میں ایسا انتظام کرلوں کہ مجھے خوف انتقام نہ رہے۔ یعنی میں کسی پولیس والے کے قابو نہ آسکوں اور اگر قابو آ بھی جاؤں تو عدالت پر اثر ڈال لوں۔ یا اتنی طاقت حاصل کرلوں۔ کہ کسی دوسرے کو مجھ سے یارائے انتقام ہی نہ رہے[1]۔ تو پھر میرے لئے اخلاق کی پابندی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ہر انسان اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے۔ کہ اب یورپ میں کیا ہو رہا ہے۔ وہاں اب ذہنوں کی جنگ ہے۔ ہر شخص یہ کوشش کرتا ہے۔ کہ میں ایسا انتظام کرلوں کہ دوسرے کو دھوکا دے جاؤں۔ لیکن اسے پتہ نہ چلے۔ جرم کر جاؤں لیکن پکڑا نہ جاؤں۔

لیکن اس صورت میں پھر بھی جرم کا احساس باقی رہتا ہے۔ اس کے لئے ذرا آگے بڑھو۔ اگر کوئی سوسائٹی یہ فیصلہ کرے۔ کہ اپنے قبیلہ یا اپنی قوم میں چوری کرنا، فریب دینا جرم ہے۔ لیکن دوسرے قبیلہ یا دوسری قوم کے ساتھ یہ سب کچھ روا ہے۔ تو پھر ان اشغال میں جرم کا احساس بھی نہیں رہے گا۔ قدیم زمانے میں رومی لوگ اسی پر عامل تھے اور ان کے نزدیک دوسری اقوام کے ہاں چوری کرنا کچھ معیوب نہ تھا۔ اس کی تقلید یورپ کے نیشلزم نے کی ہے۔ ہر وہ کام جس سے اپنی نیشن کو تقویت پہنچتی ہے۔ حب الوطنی کا جوہر بنتے ہوئے ہے۔ لہذا درخورِ ستائش۔ اب وہی جنگ جو ایک قوم کے افراد میں باہمدگر تھی۔ مختلف اقوام عالم میں سرگرم عمل ہے۔ اب ہر قوم دوسری اقوام کو ہڑپ کر جانے کی فکر میں رہتی ہے۔ کرنا اسکو فقط اتنا ہوتا ہے۔ کہ اتنی قوت فراہم کرلے کہ اسے خوف انتقام نہ رہے۔ اسی کا نام اُس کے ہاں صلاحیت ہے۔ یعنی اُن کے نزدیک زندہ رہنے کی صلاحیت اس قوم میں ہے جو خوف انتقام سے مامون ہو جائے۔ اور پھر جو کچھ جی میں آئے۔ کرے۔ یہ مادی تعلیم کا ماحصل اور یہ مفہوم ہے۔ صلاحیت کا۔ یعنی کھی بہر حال توانائی بخش ہے۔ خواہ وہ خرید کر لو۔ اور خواہ چرا کر ـــــ ؟؟؟

[1] یا جمہوریت کے اکثر ووٹ اپنے حق میں حاصل کر کے اقتدار سنبھال کر ناجائز طریقوں پر عمل کرنا شروع کردوں (معارف اسلام)

یہ ایک نہج فکر ہے۔ دوسری طرف ایک اور اسلوب فکر ہے۔ جس کی دعوت اس بنیاد پر ہے کہ انسان کی طبعی زندگی، طبعی قوانین کے تابع ہے۔ لیکن زندگی صرف طبعی ہی نہیں۔ اس سے آگے کچھ اور بھی ہے۔ طبعی زندگی حیوان اور انسان دونوں میں مشترک ہے۔ لیکن مقام انسانیت سطح حیوانیت سے ایک درجہ آگے ہے۔ انسانی زندگی کی اس خصوصیت کا نام کچھ ہی رکھ لیجئے۔ غرض نام سے نہیں اس حقیقت سے ہے۔ جس کا تعارف اس نام سے کرایا جائے۔ مقام انسانیت کی یہ وہ امتیازی خصوصیت ہے۔ جو قوانین طبعی کے تابع نہیں ہے۔ اس لئے اس کا سلسلہ بھی سانس کی آمد و رفت تک محدود نہیں۔ تار نفس کے ٹوٹنے کے بعد یہ رشتہ قائم رہتا ہے۔ جسے آئمہ اہلبیتؑ کی اصطلاح میں "شرف انسانیت" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور حضرت علیؑ کی نظر میں یہی چیز انسان —— اور فرشتہ میں مابہ الامتیاز ہے۔ جس طرح انسان کے جسمانی توسنی کی پرورش و تعمیر ایک خاص نظام کے ماتحت ہوتی ہے۔ اسی طرح سے اس شے دیگر شرف انسانیت یا خودی کی تربیت و پختگی بھی ایک خاص ضابطہ آئین کے تابع ہوتی ہے۔ اس امتیاز کے ماتحت "گھی" اور "مسروقہ" دو الگ الگ چیزیں ہو جاتی ہیں۔ گھی اپنا نتیجہ قانون طبیعی کے مطابق مرتب کرتا ہے۔ مسروقہ اپنا نتیجہ اس دوسرے قانون کی رو سے متشکل کرتا ہے۔ اس قانون کو قانون مکافات عمل کہتے ہیں۔ جو جہان مشیت سے متعلق ہے۔ خدا کی ذات ان دونوں نظامہائے قوانین (قوانین فطرت اور قوانین مشیت سے متعلق ہے۔) کی نگران ہے۔ چنانچہ جہاں اس کا قانون فطرت یہ دیکھتا ہے۔ کہ گھی کا نتیجہ جسم انسانی کے لئے قوت بخش ہونا چاہیئے۔ وہاں اس کا قانون مکافات اس پر بھی نگاہ رکھتا ہے کہ مسروقہ کا نتیجہ زوال شرف انسانیت ہے۔ یا ضعف خودی ہونا چاہیئے۔ اور چونکہ یہ ضوابط قوانین اٹل ہیں۔ اس لئے ان کے نتائج بھی اٹل ہیں۔ قوانین فطرت کے مطابق عمدہ نتائج کا ماحصل صلاحیت ہے۔ اور قانون مکافات کے مطابق عمل خیر کا ماحصل صالحیت۔ قرآن ان دونوں ضوابط قوانین کی نگہداشت کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ اس کی صالحیت میں صلاحیت بھی خود بخود آجاتی ہے۔ لیکن فکر مغرب کی صلاحیت میں صالحیت نہیں آتی !!!

اور یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ اس صالحیت سے نظام سوسائٹی خود بخود صحیح خطوط پر قائم رہے گا۔ لہٰذا وہ ضابطہ اخلاق جسے معلمین اخلاق نے نظام سوسائٹی اور کلچرل سوسائٹی کا معیار اختیار کیا تھا۔ اس نظام مکافات عمل کا ایک طبعی نتیجہ ہو گیا۔ مقصود بالذات نہ رہا۔ قرآن کا نظام انسانی معاشرہ کو بھی صحیح خطوط پر قائم رکھتا ہے۔ اور انسانی خودی کو ارتقائے

شرفِ انسانیت کی منازل طے کرتا ہوا اِس زندگی سے ارفع و اعلیٰ زندگی بسر کرنے کی صلاحیت بھی عطا کرتا ہے۔ لہٰذا نظامِ سوسائٹی کا قیام اِس سفر میں سنگِ میل یا چراغِ راہ بن کر رہ جاتا ہے منزلِ مقصود اِس سے کہیں آگے ہوتی ہے۔ یعنی اِس تجارت عظمیٰ کا محض (By Product) ہوتا ہے۔

سوسائٹی کا نظام ہر ایسے ضابطہ کی رو سے چل سکتا ہے۔ جسے افراد سوسائٹی متفقہ طور پر تسلیم کر لیں۔ اِس لئے اِس نظام کو چلانے والے ضابطہ کی کوئی مستقل قدر نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی سوسائٹی متفقہ طور پہ یہ تسلیم کرے۔ کہ مرد اور عورت کے تعلقات کے لئے مناکحت کی ضرورت نہیں۔ یہ خالص طبعی جذبہ ہے۔ جس کی تسکین باہمی رضامندی سے ہر جگہ کی جا سکتی ہے۔ باقی رہے اِس تسکین جذبات کے نتائج (یعنی اولاد) تو اِن کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام خود سوسائٹی کی طرف سے ہو جائے گا۔ تو ظاہر ہے کہ اس سوسائٹی کا یہ نظام بھی چل جائے گا۔ اِس صورت میں اِس سوسائٹی کے ضابطہ اخلاق میں زنا کا لفظ تک بھی باقی نہیں رہے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ محض نظام سوسائٹی کو برقرار رکھنے کے لئے جو ضابطہ اخلاق مرتب کیا جائے گا۔ اس کی ذاتی حیثیت کچھ نہیں ہوگی۔ اگر ایک وقت میں مناکحت اخلاق حسنہ کا جزو قرار پائے گی۔ تو دوسرے وقت میں بے باکانہ تسکین جذبات بھی حیثیت اختیار کرے گی۔ مثال کے طور پر آج دنیا کے اقتصادیات میں ربوٰا (سود) کو نظام سوسائٹی نے متفقہ طور پر جائز تسلیم کر لیا ہے۔ لہٰذا یہ اُن کے ضابطہ اخلاق کی رو سے معیوب ہے نہ کسی قانون کی رو سے جرم۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ فکرِ مغرب کی رو سے ربوٰا (سود) فی ذاتہٖ معیوب ہے نہ مستحسن۔ اگر سوسائٹی اپنے نظام کے قیام کے لئے اِسے متفقہ طور پر معیوب قرار دے دے۔ تو یہ معیوب ہو جائے گا۔ اور اگر متفقہ طور پر اسے اختیار کر لے۔ تو یہ مستحسن قرار پائے گا۔ (جس طرح یورپ میں بائیں طرف چلنا قانون راہ رو ہے۔ اور امریکہ میں دائیں طرف چلنا) لہٰذا مغربی نہج فکر کے ضوابط اخلاق کے اجزاء اپنی مستقل حیثیت کچھ نہیں رکھتے۔ جس چیز کو معاشرہ متفقہ طور پر اختیار کر لے وہ مستحسن اور جو اس کے خلاف کرے وہ مجرم اور جس شے کو وہ متفقہ طور پر رد کر دے وہ معیوب اور اس سے اجتناب کرنے والا شریف۔ لیکن ضابطہ قانون مکافات کی رو سے ہر چیز اپنی ایک مستقل قدر رکھتی ہے۔ جس طرح عالم طبیعی میں اشیاء کے خواص، انسانوں کے فیصلہ کی رو سے تبدیل نہیں ہوتے۔ اِسی طرح عالم مشیت (یعنی قانون مکافاتِ عمل) میں بھی اشیاء کے خواص انسانوں کے فیصلوں کی رو سے نہیں بدلتے۔ مثلاً سنکھیا قاطع حیات

ہے۔ اگر تمام دُنیا کے انسان مل کر یہ فیصلہ کر لیں۔ کہ آج سے ہم سنکھیا کو ممد حیات سمجھیں گے۔ تو اس فیصلے سے سنکھیا پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔ وہ اپنی خاصیت میں اٹل ہے۔ اگر ساری دُنیا کے انسان مل کر یہ فیصلہ کر دیں۔ کہ ربڑ یا جھوٹ کو ممد نظام سوسائٹی قرار دیں گے۔ تو وہ اپنی تاثیر کو نہیں بدلے گا۔ اس لئے کہ اس کا قاطع شرف انسانیت ہونا بھی حق ہے۔ اور حق انسانوں کے فیصلے کے تابع نہیں چلتا۔ پھر جس طرح سنکھیا کو اپنی تاثیر مرتب کرنے کیلئے ایک مستقل نظام طبیعی کی ضرورت ہے۔ جسمانی نظام میں نہ معلوم کیسے کیسے عظیم اور لطیف تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ تب کہیں سنکھیا کی سمت جا کر نتیجہ ہلاکت ہوتی ہے۔ یا گویا جسمانی توانائی میں تبدیل ہوتا ہے۔ اس طرح جھوٹ کو اپنا ہلاکت انگیز، یا صداقت کو انسانیت پرور، نتیجہ مرتب کرنے کے لئے بھی ایک عظیم الشان نظام کی ضرورت ہے۔ یہ نظام ایسا ہے۔ کہ جس میں نگاہ کی خفیف سی جنبش اور دل کی ہلکی سی لرزش تک بھی بے نتیجہ نہیں رہ سکتی۔ اس حقیقت غیر متبدلہ کا اعتراف اللہ پر ایمان کہلاتا ہے۔ مغرب کے علمائے فطرت، نظام قوانین طبعی کو اٹل مانتے ہیں۔ لیکن وہ اسے بالعموم اندھی فطرت کا میکانکی عمل قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں۔ جو اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ یہ نظام ایک بلند بالا ہستی کا چلایا ہوا ہے۔ اور اس طرح وہ خدا کی ہستی کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن غور کیا جائے کہ آخر خدا پر اس قسم کے ایمان کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟ ایک شخص کہتا ہے۔ کہ چاند، سورج، ستارے سب اتفاقی طور پر گردش کے سلسلہ طبعی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور میکانکی عمل سے رواں دواں ہیں اور دوسرا شخص کہتا ہے کہ نہیں! انہیں خدا نے بنایا ہے۔ اور یہ اسی کے قائم کردہ نظام کے مطابق سرگرم عمل ہیں۔ کہیے کہ جہاں تک دُنیا کے انسانیت کا تعلق ہے۔ اول الذکر کے انکار سے کیا زیاں ہوتا ہے جو ثانی الذکر کے اقرار سے پورا ہو جاتا ہے۔ خدا پر حقیقی ایمان شروع ہی سے اس حقیقت کے اعتراف سے ہوتا ہے۔ کہ اس کے نظام میں کوئی عمل اور کوئی حرکت بلا نتیجہ نہیں رہ سکتی اس لئے قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔ ولئن سالتہم من خلق السموات والارض وسخر الشمس والقمر اگر تو ان سے پوچھے کہ زمین کو کس نے پیدا کیا۔ اور چاند کو کس نے مسخر کر رکھا ہے۔ لیقولن اللہ یہ اقرار کریں گے۔ کہ اللہ نے۔ یعنی وہی ایمان جو مغرب کے علمائے فطرت میں سے خدا کو ماننے والوں کے ہاں ملتا ہے۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ کہ اس اعتراف کے باوجود یہ الٹی الٹی راہیں چلتے ہیں۔ تو یہ اس لئے کہ ان کا ایمان فقط نظام طبیعی کے خالق پر ہوتا ہے۔ قانون مکافات عمل کے خدا پر نہیں ہوتا۔ لہٰذا مغرب کی میکانکی تہذیب میں۔۔

I. یا تو خدا کی ہستی سے کلیتہً انکار ہوتا ہے۔
II. اگر کہیں اقرار بھی ہوتا ہے تو فقط نظام طبیعی کے خالق پر۔
III. اس کے بعد وہ نظام معاشرت (سوسائٹی) کے قیام کے لئے خود قاعدے مقرر کر لیتے ہیں۔ اسی کو ضابطۂ اخلاق کہا جاتا ہے۔ جس کی حیثیت فقط اتنی ہوتی ہے۔ کہ انسانوں نے متفقہ طور پر اس ضابطہ کو اختیار کر لیا ہوتا ہے۔ جیسے یورپ میں سڑک کے بائیں طرف چلنا قانون راہروی ہے اور امریکہ میں دائیں طرف چلنا۔
IV. اور ان ضوابط پر پابندی کا محرک جذبہ، خوف انتقام یا مواخذہ قانون ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس خوف سے بچنے کا انتظام کرلے تو پھر اسے پابندی کی ضرورت نہیں رہتی۔
V. اس نظام کی پابندی سے جماعتی قوت حاصل ہوتی ہے۔ جو تسخیر قوائے فطرت کے ساتھ مل کر، اس قوم میں طبیعی زندگی بسر کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے۔
VI. اور چونکہ زندگی ان کے نزدیک صرف یہی طبیعی زندگی ہے۔ اس لئے جس طریق سے یہ صلاحیت حاصل ہو جائے۔ وہی طریقہ مستحسن قرار پا جاتا ہے۔
اس کے برعکس دوسری تہذیب کی رو سے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔
(ا) نظام طبیعی کے علاوہ ایک اور نظام بھی ہے۔ جسے نظام مکافات عمل کہتے ہیں۔ اس نظام میں ہر عمل کا ایک نتیجہ معین ہوتا ہے۔ اور کوئی عمل بلا نتیجہ نہیں رہ سکتا۔ اعمال کے نتائج دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس سے شرف انسانیت کی نشوونما و بالیدگی و برومندی ہوتی ہے۔ اور دوسرا وہ جس سے اس میں ضعف و انحطاط پیدا ہو جاتا ہے۔
(ب) نظام طبیعی کی پابندیوں سے طبیعی زندگی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور نظام مکافات عمل کے اتباع سے انسانی زندگی میں صالحیت پیدا ہوتی ہے۔
(ج) صالحیت میں "صلاحیت" خود بخود آجاتی ہے۔ لیکن صرف "صلاحیت" میں صالحیت نہیں آسکتی۔
اس مفصل بحث سے ہر شخص اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔ کہ:۔
(۱) مغرب کے میکانکی نظام میں طبیعی زندگی کی صلاحیت مقصود ہے۔
(۲) قرآن کے نظام ایمان و عمل میں طبیعی زندگی کی صلاحیت کے ساتھ ماورائے حیات طبیعی کی صالحیت بھی آجاتی ہے۔
(۳) عجمی اسلام کے نظام تنویم میں نہ صلاحیت ہوتی ہے نہ صالحیت۔
(اس بحث پر مزید مطالعہ کے لئے علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد کی مشہور تصانیف جو

کتابچوں کی صورت میں ہیں کافی مفید ہو سکتی ہیں۔ آپ کی قلمی کاوشوں پر ملت کو بجا طور پر ناز ہے۔ اس بحث کے لئے "خدا کا ثبوت" "آثار قدرت" "شیعت کا تعارف" نظام زندگی حصہ اول" اور" اسلام و انسانیت" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ؎۱
(قسط دوم) شیعہ کلچر جو دُنیاوی تہذیب سے بالکل الگ تھلگ اور مختلف النوع عقائد پر استوار ہے۔ دُنیا میں بے مثل اور انسانیت کے تخلیقی مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔ حقیقی آزادی کا گل سرسبد اور تعلیمات الٰہیہ کا لاثانی شاہکار اپنی تعلیمات کو صرف ایک ہی نقطہ میں سمو کر رکھ دیتا ہے۔ اس کی تعلیمات کا نچوڑ صرف وحدت خالق اور وحدت خلق ہے۔ دراصل سارے کلچر کی عمارت ان ہی دونوں موضوعات پر استوار ہوتی ہے۔ اب چند لمحے عاریتاً دیجئے تاکہ اس سلسلہ میں بےلاگ گفتگو کی جا سکے۔
خدا کے تصور کے ساتھ ہی ذہن انسانی کو مختلف ذہنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ذہن انسانی میں خدا کا تصور مختلف ہوتا ہے۔ اور حقیقی تصور کا فقدان ایسی صورت میں حاکم کا خدا الگ ہوتا ہے۔ اور محکوم کا خدا، ظالم کا علیحدہ، مظلوم کا الگ، شاہ کا الگ، فقیر کا جدا۔ یعنی خدا کے متعلق جو تصور اس طرح قائم ہوتا ہے، وہ نہ صرف مضحکہ خیز بلکہ خیر مفید بھی نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں یہ طرزِ عمل عام مشاہدہ میں آیا ہے۔ کہ جب دو مختلف اشخاص کسی مقدمہ میں مبتلا ہوں تو فریقین میں سے ہر ایک اپنی جیت کے لئے دعا مانگتا ہے۔ یہ طرزِ عمل کس چیز کی غمازی کرتا ہے، یہی نا کہ خدا کا تصور اُن کے ذہنوں میں معدوم اور عقل محدود کنہ حقیقت سے معذور۔
دنیا جب بھی خدا کے تصور کے متعلق بات کرتی ہے۔ تو وہ بات درحقیقت خدا کے متعلق نہیں ہوتی بلکہ خدا کے متعلق انسانی تعبیرات (Our ideas about God) سے متعلق ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ذہن انسانی میں خدا کا انفرادی تصور نے جگہ پالی ہوتی ہے۔ ہر فرد کے ذہن میں خدا کا الگ الگ اور انفرادی تصور ہمیشہ داخل ہوتا ہے۔ اس لئے ہر فرد کا خدا الگ الگ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک ہی فرد کی مختلف حالتوں میں مختلف خداؤں کا پایا جانا بھی ناگزیر ہے۔ بیماری کی حالت کا خدا اور تندرستی کی حالت کا اور، صفراوی غلبہ کی صورت میں خدا اور، بلغمی مزاج کا خدا اور بیماری اور صحت کے دیوتا الگ —— افراد سے آگے بڑھا جائے تو قبائلی خدا کی باری آتی ہے ایک جابر و سرکش قوم کا خدا اور قسم کا ہوگا۔ اور مظلوم و مقہور قوم کا خدا اور قسم کا۔ عقلوں کا

؎۱ یہ کتابیں آپ دفتر ادارۂ معارف اسلام سے حاصل کر سکتے ہیں۔

نقد و نظر

(۱) اظہارِ حق

یعنی خطبہ حضرت مخدومۂ کونین صدیقۂ کبریٰ فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہا کل صفحات ۵۲ ٹائٹل علیحدہ۔ ناشر مرکزی سیرۃ الزہرا کمیٹی حیدر آباد دکن۔ آندھرا پردیش، قیمت کتاب پر درج نہیں۔

سیرۃ الزہرا کمیٹی کی خدمات لائق صد تحسین و آفرین ہیں۔ ابتدائے کتاب میں کمیٹی کے اغراض و مقاصد درج ہیں جو کہ کمیٹی کے نام ہی سے ظاہر ہیں۔ یعنی صرف جناب صدیقہ طاہرہ کی مقدس سیرۃ اور جملہ واقعات زندگی اور حضرت کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت اور آپ کے فضائل و مناقب و مصائب و شہادت کو بار بار دہرانا۔ بعد ازاں جناب سیدہ کا وہ مشہور و معروف خطبہ (عربی متن اردو ترجمہ) درج ہے۔ جو تاریخ میں "خطبۂ فدک" کے نام سے مذکور ہے جو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے حضرت ابوبکر کی کچہری میں ارشاد فرمایا۔ حضرت ابوبکر کا جواب اور جناب سیدہ کا جواب الجواب بھی درج ہے۔ آغاز میں آرٹ پیپر پر جناب طاہرہ کے روضہ مبارک کی دو تصویریں چھپی ہیں جو جنت البقیع میں مزار اقدس کی قبل انہدام اور بعد انہدام ہر دو صورتیں پیش کرتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ سیرۃ الزہرا کمیٹی نے یہ کتاب چھاپ کر ایک اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

(۲) کتاب مستطاب البلاغ المبین

(در بحث خلافت اسلامیہ) جلد اول حصہ سوم (کتاب الاسناد والتراجم) علاوہ ٹائٹل ۱۰۱۶ بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ تالیف سلطان القلم آغا محمد سلطان مرزا۔ ڈسٹرکٹ و سیشن جج ریٹائرڈ۔ قیمت فی جلد غیر مجلد ۱۲ روپے مجلد ولائتی [illegible] خرچہ ڈاک علیحدہ۔ ناشر کتب خانہ حسینیہ۔ محلہ شیعاں موچی گیٹ لاہور۔

کتاب اتنی خوبیوں کی مالک ہے کہ تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔ یہ تیسرا ایڈیشن جو زیر نظر ہے گذشتہ ایڈیشن سے ۴۰ صفحات کا مضمون اس میں قبلہ آغا صاحب نے زائد درج کیا ہے۔ یہ کوئی نئی کتاب نہیں۔ مشہور و معروف کتاب ہے۔ جو اسلامی دنیا سے داد

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

حضرت رسول مقبولؐ کی پاک سیرت

رحمۃ للعالمین نمبر

اخبار شیعہ کا رحمۃ للعالمین نمبر کتابی صورت میں [illegible] کی آب و تاب کے ساتھ شائع ہو گیا ہے اس مقدس نمبر میں حضرت رسول مقبولؐ کی پاکیزہ زندگی کے مفصل حالات شائع کیے گئے ہیں۔ پاک و ہند کے مقتدر علماء و مجتہدین عظام نے حضرت کی پاک سیرت پر مفصل روشنی ڈالی ہے اور حضرات شعرائے عظام نے بھی اس مقدس نمبر میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ لکھائی چھپائی رنگین و نہایت دیدہ زیب ہے۔ آپ خود بھی اس کا مطالعہ فرمائیں اور اپنے احباب کو بھی پڑھنے کی فرمائش کریں۔

ضخامت ۳۰×۲۰ سائز پر ۲۷۰ صفحات۔ سرورق پر رنگین حضورؐ کے روضہ کا عکسی فوٹو۔ ہدیہ صرف [illegible] آج ہی اپنی فرمائش بھیجیں کیونکہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ ہندوستان کے خریدار تین روپیہ محصول [illegible] اخبار پیام اسلام لکھنؤ کو بھیج کر پرچہ ذیل سے منگائیں۔ مینیجر اخبار شیعہ محلہ شیعہ لاہور۔

تحسین لے چکی ہے۔ بحث خلافت میں مجلہ مضامین تحقیقات اور استدلال اس قدر وزنی اور پختہ کہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ اس کا حرف دیباچہ (جو علوم و معارف سے بھر پور ہے) پڑھنے سے ہی دل روشن ہو جاتا ہے۔ اور تاریخ اسلام کے صحیح واقعات کا نقشہ آنکھوں کے آگے پھر جاتا ہے۔ ہر ذی علم مسلم کے پاس اس کتاب کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

ادارۂ معارف اسلام خریداری کے لئے اپیل کرتا ہے۔

(۳) حسینؑ دی بھین یعنی صدیقۂ صغریٰ

:- یہ کتاب ۳۰×۲۰/۱۶ کے ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق رنگین طباعت موزوں و پسندیدہ ہے۔ قیمت ۱۲ ؍

مولف و ناشر :- صوبیدار پنشنر چوہدری اللہ دتا صاحب بھٹی۔ کاظمینی اسٹور کیپر (ایم۔ ٹی) محلہ جگ۔ موضع اوگنڈ۔ ڈاکخانہ اجنیانوالہ (ضلع شیخوپورہ)

واقعات کربلا پر یہ دلنشین پنجابی نظموں کا ایک مجموعہ ہے۔ جس میں آغاز اسلام سے لیکر امیر مختار بن ابو عبیدہ ثقفی تک کے حالات درج ہیں۔ اور بالخصوص شریکۃ الحسینؑ بنت فاطمۃ الزہرا اور شاہ لافتیٰ مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی دختر نیک اختر حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی ان قربانیوں کے ولولہ انگیز حالات بیان کئے گئے ہیں جو آپ نے حفاظت بیضۂ اسلام کے لئے میدان کربلا اور کوفہ و شام میں دیں۔ پنجابی اور بالخصوص دیہاتی حضرات کے لئے نہایت کار آمد کتاب ہے۔ پتہ مذکور پر مولف سے خرید فرماویں۔

(۴) دیہاتی زندگی اور قرآن

۳۲ صفحات ۳۰×۲۰/۱۶ کا یہ اہم رسالہ (جس کی قیمت صرف ۲ روپے) بھی پنشنر صوبیدار اللہ دتا صاحب بھٹی پتہ موضع اوگنڈ ضلع شیخوپورہ ہی نے شائع کیا ہے۔ اس میں نائب صدر ادارۂ معارف اسلام جناب پروفیسر سید فقیر حسین صاحب بخاری ایم اے کا "اصول قرآن فہمی" کے متعلق معرکۃ الآرا مضمون درج ہے۔ قرآن فہمی کے لئے اس مضمون کا پڑھنا نہایت ہی مفید اور معلومات افزا ہے۔

(ادارہ)

ضروری گذارشات :- (۱) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا لفافہ آنا ضروری ہے۔

(۲) خط لکھتے وقت خریداران ماہنامہ اپنا خریداری نمبر اور ممبران ادارہ اپنا رکنیت نمبر کا چٹ سے دیکھ کر حوالہ ضرور دیا کریں۔

(۳) اپنے اپنے ذمہ بدل اشتراک یا زر رکنیت اپنی پہلی فرصت میں ارسال فرمائیں۔

(ادارہ)

اطلاعات و اعلانات

(۱) ادارۂ معارف اسلام کے علمی بورڈ کی ایک اہم نشست مورخہ ۹ نومبر ۱۹۵۵ء بروز اتوار دفتر ادارہ میں منعقد ہوئی بورڈ نے اپنا طریق کار مقرر کیا۔ مسودات موصول شدہ کو ممبران بورڈ میں برائے گردش مطالعہ پیش کیا گیا۔ بالاتفاق رائے طے پایا کہ ماہنامہ معارف اسلام کیلئے ہر ماہ بورڈ کا ایک رکن اپنا مضمون برائے اشاعت دے۔ اسلامک انسائیکلوپیڈیا جو پنجاب یونیورسٹی چھاپ رہی ہے۔ اس کے متعلق بھی مفید تجاویز منظور کی گئیں۔

(۲) ادارہ کی مجلس نظامت کی سال رواں کی پہلی میٹنگ ۹ نومبر ۱۹۵۵ء بروز اتوار دفتر ادارہ میں منعقد ہوئی۔ جس میں ادارہ کے مالیات کے متعلق نہایت ضروری تجاویز طے پائیں۔ اور کئی مفید منصوبے آئندہ سال کے لئے منظور کئے گئے۔

(۳) درس قرآن:۔ ادارہ کی مجلس نظامت کی حالیہ میٹنگ میں بحث تمحیص کے بعد بالاتفاق رائے فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ ماہ رمضان المبارک میں کسی مناسب مقام پر درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ جس میں درس قرآن کے تحت عوام الناس کے مفاد کے پیش نظر درس حدیث و درس اخلاق پر زور دیا جائے۔ لہٰذا عہدیداران ادارہ اس اہم منصوبہ کو جامۂ عمل پہنانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

(۴) کتب زیر طبع:۔ آئندہ سال کے لئے مندرجہ ذیل کتب کی طباعت کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جن کے لئے انتظامات شروع ہو گئے ہیں۔ شائع ہونے کے فوراً بعد ممبران ادارہ کی خدمت میں حسب معمول ارسال ہوں گی۔

(۱) توحید امام جعفر صادق علیہ السلام کا

(باقی صفحہ ۵۲ پر)

ترجمہ توحید حدیث مفضل بن عمر کی تلخیص جو محترم سید نصیر حسین صاحب نقوی (اسلامک ریسرچ سنٹر بھکر) کر چکے ہیں۔ مسودہ تیار ہے۔ اور کتابت شروع ہو ا ہی چاہتی ہے۔

(۲) تحفۂ زوجین :- حضرت علامہ مرزا احمد علی صاحب قبلہ کی تالیف ہے۔ دوسرا ایڈیشن مع ضروری اور مفید اضافوں کے شائع ہو گا۔ تعلقات زن و شوہر کے متعلق نہایت ہی پاکیزہ کتاب ہے۔ اور تمام استدلال قرآن حدیث اور اقوال معصومین سے کیا گیا ہے۔

(۳) نفس رسولؐ :- حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی مختصر تالیف مع اسناد کے محترمہ بیگم شیخ فیروز الدین کی تالیف ہے۔ اور اس کا بھی مناسب اور مفید اضافوں کیساتھ دوسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے۔

(۴) افادیت نماز و روزہ :- یہ کتاب آقائے حشمت السلطان دولت شاہی بانی انجمن تبلیغات اسلامیہ (طہران) کی تصنیفات میں سے ہے۔ جس میں فروع دین اسلام میں سے پہلے دو یعنی صلوٰۃ اور صوم کے متعلق زندگی کے پانچ زاویوں یعنی دینی، روحانی، جسمانی، اخلاقی و اجتماعی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ طب و سائنس امروزہ سے استدلال کیا گیا ہے

فارسی سے اردو میں حضرت آقائے الحاج سید الف شاہ صاحب پاکنہاد ترجمہ فرما رہے ہیں۔ قارئین دعا فرماویں کہ ادارہ جلد از جلد ہر چہار کتب کی طباعت سے فارغ ہو سکے۔

(ادارہ)

قصص تفسیر بالرائے مع ضمیمہ معارف القرآن

(از علامہ سید امداد حسین کاظمی و علامہ الحاج مرزا احمد علی)

اس کتاب میں تمام مسائل پر قرآن اور سائنس سے مکمل روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ بغیر اہلبیتؑ کے تفسیر قرآن کا سمجھنا محال ہے۔ کل صفحات ۴۰۶ قیمت مجلد ... بغیر جلد ۱۲/-

~~~~~~~~

مواعظ حسنہ (از سماحۃ الشیخ عبد العلی الهروی الطهرانی)

یہ ان معرکۃ الآرا مواعظ فصیحہ و بلیغہ کا مجموعہ ہے جس سے لاکھوں انسانوں نے فائدہ اٹھایا۔ جو علوم دین و دنیا اور قرآن و سائنس سے لبریز ہے۔ مرتبہ و مولفہ علامہ سید محمد سبطین صاحب سرسوی۔ ہر چہار حصص ۳۰ مواعظ صفحات ۳۴۴ بڑا سائز قیمت صرف پانچ روپے۔ علاوہ خرچہ ڈاک

کتاب مستطاب تحقیق حدیث انا مدینۃ العلم... الخ

کتاب کا موضوع عنوان سے ظاہر ہے۔ سلسلہ معارف اسلام کا یہ پینتیسواں ۳۵ نمبر چھپ کر تیار ہو گیا ہے جو کہ ... آقائے سید الف شاہ صاحب پاکنہاد اور مدیر ادارہ معارف اسلام کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ضخامت ۹۰ صفحے قیمت ۱/- علاوہ ... اسلامی معاشرہ ... عقائد اسلام فی تعلیمات اہلبیتؑ ...
~~~~~~~~

قوم جفا کار سے اینٹیں کھاتے رہے۔ سینکڑوں سال تبلیغ کے باوجود قوم عیش و عشرت میں مبتلا رہی۔ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا۔ درآنحالیکہ نمرود کرسی حکومت پر متمکن تھا موسیٰؑ اپنی اور اپنی قوم کی جان بچانے کے لئے ہجرت پر مجبور ہوئے اور فرعون دعویٰ خدائی کر کے لوگوں سے سجدے کروا رہا تھا۔ عیسیٰؑ کو ذلیل کیا گیا۔ اور قید خانے میں ڈالا گیا۔ اور ہیرودیس داد عیش دے رہا تھا۔ محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جس قدر جسمانی و روحانی اذیتیں برداشت کیں۔ ان کا احاطہ محال ہے۔ حد یہ کہ شعب ابو طالب علیہ السلام میں جا کر محصور ہوئے۔ جناب خدیجۃ الکبریٰ (علیہا السلام) کی بے پایاں دولت اور حضرت ابو طالب (علیہ السلام) کی ثروت ختم ہو گئی۔ بالآخر پتے کھانے پر مجبور ہوئے۔ بالآخر ہجرت تک نوبت پہنچی اسی سے اس وقت کفار کی طاقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حسینؑ علیہ السلام کربلا میں اپنے خاندان اور اعزہ و انصار سمیت لاانتہا مصیبتیں جھیل کر شہید ہو گئے۔ اقتدارِ حکومت ان کے ہاتھوں میں نہ تھا۔ سلطنتِ یزید اُس وقت تمام دُنیا کی سلطنتوں سے بڑی تھی۔ بقایا آئمہ طاہرین کی زندگیاں بھی اسیطرح بسر ہوئیں۔ یہ تمام بزرگانِ دین اقتدارِ حکومت جن کے سپرد کیا گیا۔ یا بعد ازاں جن کے ہاتھوں میں آیا مگر اُس وقت کہ ابھی اقتدار ان کے ہاتھوں میں نہ آیا تھا۔ کیا یہ مقدسین دنیا میں حکومت کے سب سے زیادہ اہل نہ تھے۔ درآنحالیکہ یہ ہر صفت میں اپنے اپنے وقت میں سب سے بلند تھے۔ پھر کیا ان میں سے ہر ایک کے مدمقابل گروہ کو غاصب نہ سمجھا جائے۔ ظاہر ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ یہ استحقاق و اہلیت حکومت رکھتے تھے۔ مگر مخالفین دین اللہ کے اعمال کی وجہ سے یہ حق ان کو نہ پہنچ سکا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عہدۂ نبوت یا امامت ان سے چھین گیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ حکومت اس عہدہ الہٰی کا لازمہ نہ تھا۔ عہدۂ الٰہی کا حامل اپنی جگہ پر قائم تھا اگرچہ حاکم اُسے ہی ہونا چاہیئے تھا۔ مقصد بیان یہ ہے۔ کہ شہیدِ اعظم للناس یا شاہد رسالتِ محمدیہ کا مقام اقتدارِ حکومت سنبھال لینے سے حاصل نہیں ہو جاتا۔ اور جن حضرات کا منتہیٰ نظر اس دورِ سیاست جالمیں محض کرسی حکومت ہو۔ ان کا اپنے خیالِ ناقص و زبانِ باطل میں امیر جمیع المسلمین بن جانے کا خواب دیکھنا سراسر خلافِ اسلام و مخالفتِ دین اللہ ہے۔

امام تمام اُمت کے اعمال کا گواہ

باب گذشتہ کی ابتدا میں اسلام میں گواہی کی اہمیت کو مختصراً واضح کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ گواہی اتمام حجت کیلئے ضروری ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ خود احکم الحاکمین اور عالم الغیب و الشہادہ ہونے کے باوجود بغیر گواہی کے کسی کو اس کے عمل کی سزا و جزا نہ

دے گا۔ بعض اعمال ایسے ہیں۔ جو صرف انسان کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً عبادات و نیت نیک و بد وغیرہ ان کے لئے بھی کراماً کاتبین اور خود اعضاء انسانی کی گواہی کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ چہ جائیکہ ایسے اعمال جن کا انسان کی اپنی ذات سے علاوہ دوسروں سے تعلق ہو۔ خود اہل اسلام (جن کا خدا کے دین کامل پر عمل کرنا ضروری ہے) کی شہادت انکے اپنے معاملات میں قبول نہیں۔ دعوے کے ثبوت میں دو شاہدان عادل کو پیش کرنا ضروری ہے اور بعض معاملات میں چار گواہوں کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ لہٰذا اعمال کی گواہی عدل کے عین مطابق ہے۔ خداوند تعالٰے نے عدل کو معمولی سے معمولی جگہ پر بھی نظر انداز نہیں فرمایا۔ چونکہ ہر زمانہ میں نائبِ خدا یعنی امام وقت کا وجود حجت لازمی ہے اور یوم ندعوا کل اناس بامامہم (قرآن) اس پر شاہد ہے۔ لہٰذا گواہ کا وجود اس لئے ضروری ہے۔ کہ یوم جزا کو فیصلے کے وقت خدا کی طرف سے اتمام حجت ہو جائے۔ گواہِ عملِ نیک و بد کیلئے ایک دلیل ہے۔ جو راہِ خدا میں مارا جائے اُسے شہید محض اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وجودِ باری تعالٰی کیلئے ایک دلیل بن جاتا ہے۔ جو ایک بڑا رتبہ ہے۔ مگر امام چونکہ وجودِ باری تعالٰی و رسالتِ محمدیہ کی دلیل ہوتا ہے (جیسا کہ باب گزشتہ میں وضاحت کی گئی ہے) لہٰذا بحیثیت امام وقت تمام اُمت کے اعمال کا گواہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ حجت اللہ نہیں کہلا سکتا یعنی اگر امام کو تمام اُمت کے اعمال کا گواہ نہ سمجھا جائے تو عقلاً حجت تمام نہیں ہوتی۔ اس لئے قرآنِ حکیم میں واضح طور پر ارشادِ رب موجود ہے۔ کہ

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا
(پ ۲ ع ۱ البقرۃ)

اور اسی طرح ہم نے تمکو مرکزی (درمیانی) اُمت مقرر کیا۔ تاکہ تم انسانوں پر گواہ رہو۔ اور رسولؐ تم پر گواہ رہیں۔

خالقِ مطلق خود عالم الغیب والشہادہ ہے۔ وہ ہر شے کے ذرہ ذرہ سے واقف ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ لہٰذا ہمارے تمام اعمالِ نیک و بد کے متعلق جو کچھ بھی وہ فیصلہ فرمائے وہ عدل ہے۔ مگر اسلام چونکہ ایک دین ہے۔ ایک دستور ہے۔ اس کا کوئی بھی کام بے ضابطہ نہیں۔ ہمارے اعمال خیر و شر کے فیصلہ کے وقت اتمام حجت ضروری ہے۔ تاکہ کسی کے لئے یہ کہنے کی گنجائش باقی نہ رہے۔ کہ یہ فیصلہ جزا و سزا غلط ہوا ہے۔ لہٰذا شہید علی الناس کا وجود لازمی ہے۔ آیت منقولہ بالا میں یہی بیان کیا گیا ہے۔ اس میں قابلِ تدبر یہ امر ہے۔ کہ تمام انسانوں کے اعمال کا گواہ کون ہو سکتا ہے۔ عمل نیک بھی ہوتا ہے اور بد بھی اور ان اعمال کے سلسلہ میں سب سے پہلی چیز نیت ہے۔ اگر کوئی نیک عمل

بدنیتی سے کیا گیا۔ تو آدمی دوہرے جرم کا مرتکب ہوگا۔ مثلاً کسی کو نقصان پہنچانے کیلئے پہلے اس کا اعتبار اپنے اوپر جمانا یعنی دکھاوے کا کارِ خیر سرانجام دینا مثلاً نماز پڑھنا۔ اس فعل میں خالق و مخلوق دونوں کو دھوکا دیا گیا۔ بدنیتی کی وجہ سے کارِ خیر کی جزا کی بجائے سزا ملی۔

وَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ○ (پس ویل ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے واسطے جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں۔ اور جو دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں)

قرآن پ ۳۰ الماعون

اسی طرح کسی مظلوم کو بچانے یا فتنہ و فساد کو رفع کرنے کے لئے غلط الفاظ استعمال کرنا۔ حالانکہ ایک لحاظ سے اس نے غلط بیانی کی مگر اس سے کسی کو گناہ کرنے سے بچا لیا گیا یا فتنہ و فساد رفع ہو گیا۔ اس غلط بیانی کا اُسے ثواب ملے گا۔ لہٰذا نیّت اعمال کے سلسلہ میں مقدم ہے۔ اس مقام پر آکر ہر اس فرد کی گواہی بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ جو فاعل کی نیّت سے واقف نہ ہو۔ لہٰذا صحیح معنوں میں اور فی الحقیقت گواہ وہی ہو سکتا ہے۔ جو فاعل کی نیّت تک سے آگاہ ہو۔ امام چونکہ اپنے وقت میں خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ اس لئے اُسے اس آیت میں "امتِ وسط" کے نام سے پکارا گیا ہے ۱؎ تاوقتیکہ وہ مخلوق کے احوال سے کما حقہ واقف نہ ہو۔ وہ واسطہ نہیں بن سکتا۔ لہٰذا امامِ وقت محض وہی ہو سکتا ہے جو اپنی ولایت کے امورِ جزو و کل سے مکمل طور سے آگاہ ہو۔ قولِ حکیم مشرق و نباض ملت اقبالؒ اس کی وضاحت کرتا ہے۔

نائب حق ہمچو جانِ عالم است　　　ہستیٔ او ظلِ اسم اعظم است
از رموزِ جزو و کل آگاہ بود　　　در جہاں قائم بامر اللہ بود
پختہ سازد فطرتِ ہر خام را　　　در حرم بیروں کند اصنام را ...... (اسرارِ خودی)

ان متقدمین کا "امتِ وسط" قرار دیا جانا ہی محض اس لئے ہے۔ کہ وہ شہداء علی الناس ہیں۔

۱؎ اعتراض:۔ "امت" گروہ کو کہتے ہیں مگر امام اپنے وقت کا ایک ہوتا ہے۔ لہٰذا فردِ واحد کیلئے "امت" کا لفظ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

جواب:۔ آیتِ منقولہ میں "امت وسط" صرف ایک امام کو نہیں کہا گیا۔ بلکہ اپنے اپنے وقت کے امام آئمہ طاہرین کے گروہ کو خطاب ہے۔ خود جس دور میں آیت نازل ہوئی۔ یعنی عہدِ رسولؐ میں تین امام جناب امیر المومنینؑ و حسنینؑ علیہم السلام موجود تھے۔ مؤلف

جہاں تک اعمالِ بد کا تعلق ہے۔ وہ بالعموم چھپ کر کیے جاتے ہیں۔ جرم پوشیدگی میں کیا جاتا ہے تاکہ دوسروں کو علم نہ ہو سکے۔ نیک آدمی عملِ نیک بھی چھپ کر ہی کرنے کی کوشش کرتا ہے ورنہ وہ نیکی "نیکی" نہیں کہلاتی۔ لہٰذا تمام انسانوں کی گواہی وہی دے سکتا ہے۔ جو تمام انسانوں کے ظاہر و پوشیدہ اعمالِ نیک و بد سے نہ صرف واقف ہو۔ بلکہ چشم دید گواہ ہو۔ گو کہ سنی سنائی پر تو کوئی عام عقل کا آدمی بھی اعتبار نہیں کرتا۔ چونکہ عمل ہر انسان کا جدا جدا ہوتا ہے۔ کوئی کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں۔ بلکہ ہر ایک اپنے اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔ لہٰذا امام وقت کا فرداً فرداً ہر انسان کے عمل سے واقف ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ حقیقی معنوں میں "شہید علی الناس" ثابت ہو سکے ورنہ آیتِ قرآن غلط ہو جائے گی۔ (نعوذ باللہ) اس کی **مثال** روحِ انسانی کی سی ہے جو کہ نہ صرف عمل بلکہ نیت تک سے واقف ہوتی ہے۔ اسی لئے امام کو "روحِ عالم" یا بقول اقبال "جانِ عالم" کہا گیا ہے۔ قرآن میں اسی مضمون کو "وکل شئ احصینہ فی امام مبین" سے بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

بعض مفسرین کا یہ قول بالکل غلط اور خلافِ عقل ہے۔ کہ "اُمتِ وسط" سے مراد تمام **"اُمتِ محمدیہ"** ہے۔ حالانکہ یہ بالکل واضح ہے۔ کہ نبوتِ محمدیہ صرف مسلمانوں کیلئے ہی مخصوص نہیں بلکہ جمیع موجوداتِ انسان و حیوان۔ چرند و پرند شجر و حجر جنات و ملائکہ انبیاء و مرسلین بس عالم اور دیگر عالمین پر حاوی ہے۔ حضرت پیغمبرِ اسلام کسی مخصوص گروہ پر ہی مبعوث نہیں ہوئے۔ بلکہ جمیع طبقاتِ موجودات۔ مخلوقات پر مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ (اسکی مفصل قرآنی و عقلی بحث صفحہ ۵ تا صفحہ ۱۶ ملاحظہ ہو) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات اُمتِ محمدیہ میں شامل ہے اگر تمام اُمتِ محمدیہ ہی کو "اُمتِ وسط" سمجھ لیا جائے تو وہ گواہی کس کی دے۔ چہ جائیکہ قرآن شاہد ہے کہ خود اہلِ دینِ اسلام کی اپنے معاملات میں بھی شہادت قبول نہیں۔ بلکہ ثبوتِ دعوے میں کم از کم دو شاہدانِ عادل کو بطور گواہ پیش کرنا ضروری ہے۔ اور جو فاسق ہے۔ شرعی طور پر اس کی گواہی قبول ہی نہیں۔ اس کے بیان کے لئے مزید دو گواہوں کی ضرورت ہے۔ جب یہ اس قابل نہیں کہ اپنے ہی حق میں درست بیان دے سکیں۔ تو دوسروں کے حق میں ان کی گواہی کیونکر قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔ اگر اُمت سے "حقیقی تابعینِ رسولؐ" مراد لیا جائے۔ تو بھی اہلبیت الطاہرینؑ سب سے زیادہ تابعینِ رسولؐ ثابت ہوتے ہیں۔ اتنے تابع کہ "جزوِ نبوت" کہا گیا۔ اس کے متعلق چند اقوالِ رسولؐ صفحہ ۱۴۰ و ۱۴۹ کے حواشی پر ملاحظہ فرماویں۔ اور جب تک ان پہ درود نہ

بجز محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود تصور نہیں ہوتا۔ ہر مسلم کی نماز اس پر شاہد ہے۔ ہر زمانہ کے امام کے اپنے عہد کے انسانوں پر شہید ہونے کے متعلق دو آیات قرآن یعنی یوم ندعوا کل اناس بامامھم۔ (پ ۱۵ ع ۱۸ بنی اسرائیل) یعنی جس دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے اور ویوم نبعث من کل امۃ شہیداً (پ ۱۴ ع ۱۸ النحل) یعنی اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کو بلائیں گے۔ بالکل واضح کر دیتی ہیں۔ ہر زمانے کا ایک امام ہوتا ہے۔ اور وہی اُن کا گواہ بھی ہوتا ہے۔

اس باب اور اس سے پہلے باب کے بیانات سے یہ امر بالکل واضح ہو گیا۔ کہ امام جس طرح شاہدِ رسالت ہوتا ہے۔ اسی طرح شہید علی الناس بھی ہوتا ہے۔ اور یہ وصفِ شہیدیت "ناظر علی الشیء" کے معنوں میں ہے۔ جس کی مزید توضیح مندرجہ ذیل آیتِ قرآن سے ہوتی ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ط وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
(پ ۱۱ ع ۲ التوبہ)

اور (ان سے یہ) کہدو (اے پیغمبر) کہ عمل کرو۔ پس دیکھے گا اللہ عمل تمہارے اور اس کا رسول اور المومنون اور لوٹائے جاؤ گے تم غائب و حاضر کے جاننے والے کی طرف اور جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ وہ تم کو اُس سے آگاہ کرے گا۔

"مومنون" پر "ال" لگا کر ان کی تخصیص کر دی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ یہ مومنون کا مخصوص طبقہ ہے۔ جس میں سوائے آئمہ یا انبیاء کے اور کوئی شریک نہیں۔ آیت مذکورہ میں لفظ "فسیریٰ" (پس دیکھے گا) نے ہمارے بیان کی وضاحت کرنے میں کافی مدد دی ہے۔ ایک تو "سین" پر حرفِ عطف یعنی "ف" لگا کر یہ واضح کیا۔ کہ انسانوں کا عمل فوراً اُسی وقت دیکھیں گے۔ بعد میں نہیں اور دوسرے "دیکھ کر" گواہی دینا ثابت ہوا۔ نہ کہ شنید پر۔ شنید کے بود مانند دیدہ۔ مگر دیکھنے کے لئے ضروری نہیں کہ شہید بوجودِ شخصی ہر جگہ موجود بھی ہو۔ بلکہ وہ اپنے مقام پر ہی سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی تشریح میں جناب علامہ شیخ محمد علی الہروی اعلی اللہ مقامہ[1] کے اُس بیان کا ایک حصہ پیش کر دیا جائے۔ جو کہ اُن کے مشہور مواعظ (مندرجہ کتاب مواعظ حسنہ) میں اسی آیہ مجیدہ کی تشریح کے طور پر درج ہے۔

---

[1] مندرجہ حصہ دوم مواعظ ہفتم۔ یہ کتاب ادارہ معارف اسلام کے دفتر سے مل سکتی ہے۔

"شہید و رویت اعمال :۔ اس آیت میں رویتِ خدا و رسولؐ اور مومنوں کو سلسلہ وار ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن رویت تینوں درجات میں یکساں نہیں۔ بحوبین کہتے ہیں۔ یہاں "س" استقبال کے واسطے ہے اور مراد یہ ہے۔ کہ قیامت میں خدا تعالیٰ و رسولؐ اور مومنوں اعمال کو دیکھیں گے۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اگر "س" استقبال کے معنوں میں لیا جائے تو کفر محض ہے۔ کیونکہ نفی رویتِ باری تعالیٰ لازم آتی ہے۔ کہ اس وقت خدا تعالیٰ ہمارے اعمال کو نہیں دیکھتا اور ان سے بے خبر ہے۔ اور یہ مطلقاً محال ہے اور کفر۔ حق یہ ہے۔ کہ یہ الفاظ ہر ایک مقام پر یہی معنی نہیں دیتے۔ بلکہ کلام خدا میں اکثر اسی قسم کے الفاظ ترجی و تمنی وغیرہ تاکید کے واسطے استعمال ہوتے ہیں۔ یا بمعنی دوام و استمرار اور یہ بات قرآن سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ سین و سوف استقبال کیلئے بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کے دوسرے جزو یعنی سَتُرَدُّونَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ میں ہے جس سے مراد قیامت ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آیت کے جزو اول "فَسَیَرَی اللّٰہُ" میں سین استقبال کیلئے نہیں ہے۔ اور یہ غلط ہے کہ اس رویت سے مراد رویتِ قیامت ہے۔ کیونکہ رویتِ قیامت کا ذکر آیت کے دوسرے جزو "وَسَتُرَدُّونَ" میں موجود ہے پس ضرور اس رویت سے مراد رویت دنیا ہی ہے۔ کہ یہاں ہمارے اعمال کو خدا تعالیٰ اور رسولِ خدا اور مومنون دیکھتے ہیں۔ اور مومنوں سے مراد وہی شہید یعنی امام ہیں۔

شبہ۔ کلام حمید میں لفظ شہید جہاں خدا کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔ تنہا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ بہ تحقیق اللہ ہر شے پر شہید ہے۔ رسولؐ کا ذکر نہیں۔ اور دوسری جگہ جہاں رسولؐ و ائمہؑ کے واسطے استعمال ہوا ہے۔ وہاں خدا کا ذکر نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادتِ خدا غیر شہادت رسولؐ و امام ہے۔ اور اسی آیت میں رویت

خدا تعالیٰ و رسولؐ و آئمہؑ کو ایک جگہ مساوی طور پر ذکر کیا گیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تینوں رویت میں یکساں ہیں۔ اور یہ اطلاق کہ رویت رسولؐ بعینہٖ رویت خدا ہے۔ یا خدا و رسولؐ و امام اس میں یکساں ہیں۔ شرک ہے۔ اور منافی آیاتِ دیگر ؟

جواب: شبہ یہ ہے کہ اگر آیت مذکورہ میں متعلق رویت یعنی عملکم تمام موضوعات کے آخر میں مذکور ہوتا تو بیشک سب کی رویت یکساں ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ عملکم بعد لفظ "اللّٰہ" مذکور ہوا ہے۔ جو متعلق ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ عمل سے بالذات صرف رویت خدا تعالیٰ کو متعلق ہے۔ اور اسی کی رویت حقیقی و اولیٰ ہے۔ اور رسولؐ خدا و آئمہ ہدیٰ کی بالعرض و بالتبع من جانب اللّٰہ۔ لہٰذا رویت یکساں نہیں۔

(مواعظ حسنہ طبع سوم ص ۱۳۹)

"**حقیقت شہید**..... اول شہید بالذات اللّٰہ ہے۔ اور بعد ازاں پیغمبرؐ شہید ہے ثانیاً و بالتبع اور پھر امامؑ۔ اور شہیدیت بجسمیت نہیں ہے۔ کیونکہ حضور الجسم عند کل شئی ممکن نہیں اور نہ حضور اشیاء عند الشہید ممکن ہے۔ بلکہ اس میں ایک قوت باطنیہ ہے۔ اس کے ذریعے سے وہ شہید ہے۔ اور وہ قوت مثلِ قوتِ باصرہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ قوت ہے کہ خود قوتِ باصرہ اس میں ہے۔ اور قوت باصرہ اس کی شعاعوں میں سے ایک شعاع ہے۔ اور اس کی تعریف ممکن نہیں مگر اوصاف سے اس کی معرفت ہو سکتی ہے۔

جس شئے کے ادراک سے انسان عاجز ہو۔ اس کو چاہیئے کہ خود اپنے نفس میں نظر کرے اور اس کی مثال اس میں تلاش کرے۔ کیونکہ خدا نے ہر ایک شئے کا نمونہ نفس انسانی میں پیدا کر دیا ہے۔ فقال عزّ و جل وفی الارض آیات للموقنین و فی انفسکم

انلا تبصرون. غور کرنا چاہیئے. کہ جب انسان سو جاتا ہے. اور خواب میں کہیں چلا جاتا ہے. اور سیر کرتا ہے. تو اس حالت میں بھی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔

پس کون قوت اور کونسی شے اس وقت دیکھتی ہے.؟ چشم ظاہری تو بستر خواب پر موجود ہے. اور بند ہے. کیونکہ اس کا تعلق جسم سے ہے. اور جسم کے ساتھ ہے. پس وہ دراصل حقیقت انسانیہ ہے. کہ اس میں قوت سماعت بھی ہے. بصارت بھی ہے حس بھی ہے. لمس بھی ہے. وغیرہ وغیرہ اور تمام اعضا اُس کی وجہ سے کام کرتے ہیں. چنانچہ جب وہ قوت جاتی رہتی ہے. تو یہ تمام اعضاء وقوٰے بیکار ہو جاتے ہیں۔

صفاتِ خدائی دو قسم پر ہیں. ایک صفات ذاتیہ جن کے مقابل کوئی ضد نہیں ہے. دوم صفاتِ افعالیہ جن کے مقابل ضد ہے. لیکن قسم اول صفات الٰہی عین ذات ہیں پس خدا بذاتِ خود دیکھتا ہے. سنتا ہے. جانتا ہے. محتاج آلات نہیں ہے. اسی طرح انسان تمام افعال چلنے پھرنے. بولنے سُننے اور دیکھنے کے حقیقت انسانیہ کرتا ہے. جب یہ قوت آنکھ سے ظاہر ہوتی ہے تو دیکھتا ہے جب کان سے ظاہر ہوتی ہے. تو سنتا ہے. پس حقیقتِ تمام قوٰے حقیقت انسانیہ ہے. اور سب اسی میں موجود ہیں. اور آلات اس کے محتاج ہیں. نہ کہ وہ آلات کا محتاج ہے. صرف عالم جسمانی میں ان آلات سے اس قوت کا ظہور ہوتا ہے۔

پس جسطرح قوتِ انسانیہ جب جسم سے طالع ہوتی ہے. اشیاء کو دیکھنے لگتا ہے. اسی طرح جب قوت الٰہیہ چشم نبی اور امام سے ظاہر ہوتی ہے. تمام اشیاء کو دیکھتا ہے. یعنی تمام عالم مکانیہ کو. اور کان سے ظاہر ہوتی ہے. تو تمام آوازوں کو سنتا ہے اسی طرح دوسری قوتیں. پس قوتِ قوتِ ذاتی بالذات بغیر نہیں بلکہ قوتِ الٰہی ہے. جو عطا ہوتی ہے. اور وہ قوتِ احاطی ہے. جو تمام اشیاء پر احاطہ رکھتی ہے۔" . . . . (مواعظ حسنہ طبع سوم صفحہ ۲۳ تا ۹۲)

مندرجہ بالا کلام علم معرفت سے یہ امر بالکل واضح ہو گیا اور محتاج مزید وضاحت نہ رہا. کہ امام

فہرست کتب ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ)

مندرجہ ذیل کتابیں خود پڑھیں اور خرید کر دوسروں کو پڑھائیں۔ تمام آمدنی اشاعت مذہب پر صرف ہوتی ہے۔

- تفسیر بالرائے مجلد
- بغیر مجلد
- مذہب اور سائنس ۱۰ر
- حکومتِ ربانی ۸ر
- محرم و آدابِ عزا ۸ر
- نوائے اقبال (در مدح اہلبیت) ۸ر
- موازنہ حق و باطل ۶ر
- دلیلِ عزا ۶ر قوانین شرعیہ ۵ر
- تعلیم کی ناکامی اور اس کا علاج ۱ر
- رجسٹ ٹریڈ (انگریزی) ۴ر
- اقتصادی مشکلات کا حل ۴ر
- مہدی موعود ۴ر عصمت انبیاء ۴ر
- ذکرِ بہلول ۲ر اسوۂ صوفیاء ۲ر
- آلِ محمد ۲ر اسوۂ ضرورتِ اتحاد ۲ر
- رحمۃ للعالمین (اسلام اور الٰہیات) ۳ر
- شیعہ و حدانیت
- حدیقۂ غم یوم عاشورہ کی تاریخ منظوم
- نہج البلاغہ پر سرسری
- (مترجم مفتی جعفر حسین صاحب)

- سیپارہ اول (علامہ علی نقی صاحب) ۱۲ر
- فلسفۂ اسلام آغا محمد سلطان مرزا صاحب
- اسلامی سیاست کا ابتدائی مطالعہ
- قرآن اور جغرافیائی مسائل ۸ر
- شیعہ پاکٹ بک مرزا احمد علی صاحب اضافہ شدہ نیا ایڈیشن
- تاریخ اصلاح ۱۰ر
- دلیل العرفان
- معلم اسلام (علامہ کاظمی) ۳ر
- اعمال واجبیہ (" ") ۳ر
- جلباب (جواز پردہ)
- مقتل الحسین عقبہ بن سمعان (علامہ کامونپوری) ۸ر
- تصورِ درد ۴ر استیصال البدعۃ ۳ر
- ظفر المبین ۴ر حقیقۃ الفقہ ۲ر
- خطبۂ عزا (علامہ مرزا احمد علی) ۲ر
- حضرت یوشع بن نون ۴ر
- انوارِ حکمت اقوال امام حسین کی شرح ۵ر
- رموزِ حکمت ۳ر منظرِ اتحاد ۴ر

- ترجمہ احقاق الحق جلد سوم
- اصل و اصول شیعہ (آل کاشف الغطاء)
- اسلام و مسلمانوں کی تاریخ حصہ اول (عہدِ نبوی)
- اسلامی معاشرہ و تعلیمات اہلبیت
- تحقیق حدیث انا مدینۃ العلم ۱۰ر
- اسلامی عقائد و تعلیمات اہلبیت
- عہد ناموں کی تعلیمات (علامہ مرزا حسن)
- حمایۃ الحسینیہ ۳ر
- ماتمِ شبیر ۳ر
- ہلاکت ملوکیت در اطاعت حسینیت ۴ر
- تحفۂ زوجین ۴ر
- سیرۃ فاطمۃ الزہرا (آغا سلطان مرزا) مجلد، بلا جلد
- البلاغ المبین حصہ اول (اضافہ شدہ) آغا سلطان مرزا مجلد، غیر مجلد

ادارہ اصلاح کی کتابوں کی علیحدہ فہرست دفتر سے طلب کریں۔

(خرچ ڈاک بذمہ خریدار ہوگا)

ترسیلِ زر بنام: مدیر اعزازی ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) ڈبی بازار لاہور

خط و کتابت بنام: مہتمم دفتر ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) 9/B کشمیر مینشن شاہ عالمی گیٹ لاہور

کتاب مستطاب تفسیر بالرائے اور معارف القرآن

مصنفہ علامہ سید امداد حسین کاظمی و علامہ الحاج مرزا احمد علی [illegible]

علمائے کرام کی گراں قدر رائیں

حسن تو یہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا — کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

(۱) ازجناب مستطاب علامہ سید مجتبیٰ حسن قبلہ کامونپوری ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مکرمی سیکرٹری صاحب ادارہ معارف اسلام۔ سلام علیکم

فتنہ تفسیر بالرائے اور معارف قرآن کے مطالعے سے بہت لطف اندوز ہوا جس طرح کسی دریا کا بند ٹوٹ جانے سے طوفانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح فتنہ تفسیر بالرائے کے ذیل میں اس قدر کثرت سے مضامین بیان ہو گئے ہیں جس سے طبیعت کے جوش و خروش کا پتہ چلتا ہے۔ اس کتاب کے لئے خود علامہ مرزا احمد علی صاحب کی تعبیر بہت موزوں ہے۔ آپ نے اپنی تحریر میں اسے جامع کشکول کہا ہے۔

فدائے قوم پیر سید محمد یحییٰ علی شاہ صاحب کے تعارف۔ مولانا قمر الزمان صاحب کے مقدمہ ادبی اور مجاہد ملت شیخ غیاث الدین صاحب کے مقدمہ دوم سے ہی اس موضوع پر کافی روشنی پڑ گئی ہے۔ پھر اس کتاب کے مصنف مولانا سید امداد حسین صاحب نے تقریباً دو سو سال میں تفسیر بالرائے یا تحریف دین میں جو مواد پیدا ہوا ہے اس پر خوب تنقید کی ہے۔ آپ نے کتاب کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً علمی دور اور مادی ترقیاں۔ علمی دور کا مسلمان۔ عقل انسانی۔ اسلام دین فطرت ہے۔ سائنس کی بے اعتباری۔ فتنہ تفسیر بالرائے۔ چکڑالویت۔ آیات قرآن کی تفسیر کیلئے حدیث رسولؐ کی ضرورت۔ ضرورت حدیث۔ رسولؐ سے کیا مراد ہے۔ مسئلہ شفاعت۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوے۔ مسئلہ حیات و ممات مسیح۔ ختم نبوت۔ غلام احمد پرویز اور انکار حدیث۔ پرویز کی تفسیر بالرائے کے تباہ کن نتائج۔ الٰہی معلمین کا علم۔ قرآن کا مفسر اول وغیرہ وغیرہ۔ ۲۹۷ صفحات تک تعارف و مقدمات اور متن کتاب۔ پھر اس کے بعد فتنہ تفسیر بالرائے کا ضمیمہ (معارف القرآن) علامہ مرزا احمد علی صاحب کے قلم سے ہے۔ وجود خدا۔ عدل۔ مقام حضرت خاتم الانبیاءؐ۔ اطاعت و اتباع رسولؐ۔ اختلافات کے موقع پر رسولؐ کی حیثیت۔ اجتہادی غلطی کی حقیقت۔ اعجاز قرآن وغیرہ وغیرہ۔ حقیقتہً کتاب فتنہ تفسیر بالرائے اور ضمیمہ (معارف القرآن) کو ایک جامع کشکول کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔

مخلص (علامہ سید) مجتبیٰ حسن کامونپوری ۳۰-۴-۵۷

(۲) ازجناب مولانا مولوی سید منظور حسین صاحب قبلہ خطیب جامع حائری سادات گنج۔ لاہور

جناب محترم المقام کاظمی صاحب قبلہ دامت معالیکم — سلام علیکم۔ آپ کی مصنفہ کتاب مستطاب "فتنہ تفسیر بالرائے" زیر مطالعہ ہے۔ اپنی طرز کی واحد کتاب ہے۔ بہت مفید مطالب پر مشتمل ہے۔ خدا آپ کی سعی کو مشکور فرمائے۔ والسلام

الاحقر سید منظور حسین نقوی۔ ملتان روڈ لاہور ۲۱-۱-۵۷

نوٹ:- [illegible] ادارہ معارف اسلام [illegible] لاہور سے طلب کریں۔

"راستی و درستی بہترین سیاست است"

ماہنامہ معارفِ اسلام لاہور

مدیر اعزازی:- غیاث الدین

جلد ۳ | ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ بمطابق اپریل ۱۹۵۷ء | شمارہ ۱

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گفتنی ہا

ہمارا ماضی حال اور مستقبل

الحمد للہ واحسانہ کہ آپ کے محبوب ماہنامہ "معارف اسلام" نے خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنی عمر کے تیسرے سال میں قدم رکھا ہے۔ گذشتہ دو سال میں اس کی مقبولیت کا یہ عالم رہا ہے کہ باوجود کثیر تعداد میں چھپنے کے سوائے دفتر کے ریکارڈ کی ایک کاپی کے اس کا کوئی نسخہ فالتو نہیں رہ جاتا تھا۔ لیکن مانگ برابر جاری رہی۔ شروع میں اس کے صرف آٹھ صفحات رہے۔ پھر سولہ کر دئے گئے۔ بعد ازاں چوبیس اور چوبیس شائع ہوتے رہے۔ مضامین معیاری ہوتے تھے جو قارئین عظام سے خراج تحسین حاصل کئے بغیر نہ رہتے تھے۔ اگر ہمیں خود ستائی کا خوف نہ ہوتا۔ تو اس سلسلہ میں جو احباب کے تعریفی خطوط کا انبار آتا رہا ہے۔ ان سب کو فرداً فرداً شائع کرتے لیکن ہمارا یہ شیوہ نہیں ہے۔ کیونکہ ؎ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ یہ اس کے مضامین کی دلآویزی اور مقبولیت ہی کا اثر اور احباب کا پیہم اصرار اور تقاضا ہی تھا کہ ہمیں اس تیسرے سال میں اس کا حجم بمعہ ٹائیٹل پیج ۲۰ صفحات کرنا پڑا کیونکہ ہمارے پاس متعدد تجاویز اور درخواستیں اس امر کی آرہی تھیں۔ کہ قارئین کرام تشنہ رہ جاتے ہیں۔ اور ان کی دلی خواہش ہے کہ اس ماہنامہ کے صفحات کم از کم اتنے ہوں کہ تمام مہینہ پڑھتے رہنے کے باوجود مضامین ختم نہ ہوں تاآنکہ دوسرے ماہ کا معارف اسلام ان کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ کیونکہ "معارف اسلام" تجارتی نقطۂ نگاہ سے شائع نہیں کیا جارہا تھا۔ اور ہماری اصل لاگت کاغذ۔ لکھائی۔ چھپوائی۔ ڈاک خرچ وغیرہ وغیرہ کم از کم دو روپیہ ماہوار آتی تھی۔ ہم اپنے ناظرین سے صرف عہ ایک روپیہ ماہوار لیتے تھے۔ اور باقی رقم ادارہ خود ممبران کے فنڈ سے برداشت کرتا تھا۔ اس وقت اس کا حجم بڑھا دینے سے لاگت تقریباً چھ روپیہ آتی ہے لیکن ہم نے سردست اس کا سالانہ چندہ صرف چار روپے مقرر کیا ہے۔ اکثر احباب نے اپنی تجاویز کے ساتھ ہمیں پانچ پانچ اور چار چار روپیہ چندہ بھی پیشگی روانہ فرما دیا ہے۔ جو چار روپیہ ماہوار کے حساب سے بصد شکریہ قبول کر لیا گیا ہے۔ اور فاضل رقم ان کے اگلے سال کے چندہ میں محسوب کر لی جائیگی۔ ان چار روپوں میں ماہنامہ کے علاوہ ایک یا دو کتابیں بھی سالانہ آپ کو مفت ملینگی۔ ہر شمارہ

میں اُن کا ایک ایک جزو شائع ہوتا رہیگا۔ سال کے بعد ان اجزا کو یکجا کرنے سے ماہنامہ سے علاوہ ایک یا دو مفید کتب آپ کو پہنچ جائینگی۔ ہم اس سلسلہ میں اپنے احباب سے صرف یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں کم از کم دس دس خریدار بنا کر ان کا چندہ ادارہ کو بھجوا دیں۔ تاکہ ہم اس کی صوری اور معنوی شکل وصورت کو اس سے بھی بہتر بنا سکیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ خداوند تعالیٰ ہمارے ان نیک عزائم میں برکت بخشے۔ آمین۔

ہمارا نصب العین اور "اتحاد بین المسلمین"

"معارف اسلام" شروع کرتے وقت ہم نے اپنی پالیسی کا اعلان جن واشگاف الفاظ میں کیا تھا۔ اسے ہمارے معزز ناظرین بھولے نہ ہونگے ہم نے کہا تھا کہ "معارف اسلام" صلح کل پالیسی پر سختی سے کاربند رہیگا اور اس میں اشارتاً یا کنایتاً بھی کوئی ایسا مضمون شائع نہ کیا جائیگا۔ جو اسلام کے کسی فرقہ کے معتقدات اور مسلمات کے خلاف ہو۔ یا جس کے کسی لفظ یا حرف سے صراحتاً یا کنایتاً کسی فرقہ کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچنے کا احتمال ہو۔ بلکہ اس میں صرف وہ معیاری اور علمی مضامین شائع کئے جائینگے۔ جو مجموعی حیثیت سے عقاید اسلام کی تائید میں ہوں۔ معارف اسلام کی گذشتہ دو سالہ فائلیں اس بات کی گواہ ہیں۔ کہ ہم کس طرح اپنی اس پالیسی پر کاربند رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کیا شیعہ اور کیا سنی حضرات سب اس کے خریدار بنے کیونکہ محبت رسولؐ و اہلبیتؑ کے دونوں ہی شیدا ہیں جس نے اسے ایک نظر دیکھ لیا۔ بس اسی کا ہو رہا۔ آجتک کسی گوشہ سے ہماری اس پالیسی کے خلاف کوئی شکایت کہیں سے نہیں آئی جو اس کی ہمہ گیر مقبولیت کا ایک بیّن اور واضح ثبوت ہے۔ اسلام میں صرف تعلیمات محمدؐ و آل محمدؐ ہی مرکز اتحاد قرار دی جا سکتی ہیں کیونکہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ان سے انکاری نہیں۔ دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہمیں اس پالیسی پر قائم رہنے کی توفیق بخشے اور اس کے خریداروں میں اضافہ فرمائے کیونکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کم از کم پاکستان میں کوئی ایسا مسلمان نہ رہ جائے جو اس ماہنامہ کا خریدار نہ ہو یا جو اسے حرزِ جان نہ بنائے ہمیں اس بات کا اظہار کرتے ایک گونہ مسرت اور طمانیت قلبی ہوتی ہے کہ علاوہ مشرق ومغرب پاکستان کے اس رسالہ کے خریدار غیر ممالک مثل ایران۔ عراق۔ افریقہ۔ کویت اور انگلینڈ وغیرہ وغیرہ میں بھی کثرت سے ہیں۔ جو اس کی تعریف میں ہر وقت رطب اللسان رہتے ہیں۔ اگر ضرورت ہوئی تو انشاءاللہ تعالیٰ کسی اشاعت میں ان سب احباب کے تعریفی خطوط شائع کر دئے جائینگے جن سے ہمارے ان دور افتادہ احباب کا تعارف اور ان کے جذبات قومی کا اظہار مقصود ہوگا نہ کہ اپنی خودستائی۔

مسلمانوں کی باہمی چپقلش کے نتائج حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو تباہ اور برباد کرنے والا

سب سے زیادہ وہ جذبۂ تنفر کارفرما ہے۔ جو تنگ خیال اور کوتاہ نظر نام نہاد ملاؤں نے پھیلا رکھا ہے۔ ذرا غور کریں اور ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اگر باہمی تنفر اور تکفیر کا حربہ اپنا کام کرتا رہے تو دنیا میں سوائے اسلام کے نام کے اور کیا باقی رہ جائیگا۔ اہلحدیث کے نزدیک اہلسنت حضرات کافر ہیں کیونکہ یہ ان کے خیال میں قبر پرست یا پیر پرست ہیں۔ اہلسنت کے نزدیک اہلحدیث حضرات بالاتفاق کافر ہیں۔ کیونکہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتکریم کے نہ صرف خلاف ہیں بلکہ اسے بڑے بھائی سے زیادہ عزت نہیں دیتے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک معمولی بشر سمجھتے ہیں۔ نیز اپنی حکومت میں انہوں نے ان مقدسین کے مزارات گرا دیئے۔ شیعہ حضرات ان دونوں کے نزدیک کافر در افضی ہیں۔ کیونکہ بقول ان کے یہ اصحاب رسول کو نہیں مانتے۔ اور یہ تعزیہ پرست بھی ہیں۔ اب فرمایئے۔ اسلام میں لے دے کر یہی دو یا تین بڑے فرقے ہیں۔ جو باہمی تکفیر کی وجہ سے سب کے سب انفرادی حیثیت سے کافر قرار پا چکے ہیں۔ پھر کہئے کہ اسلام کا وجود کہاں رہا؟ کیا بقول علامہ مشرقی ہم اسلام انگریزوں کی سر بفلک کوٹھیوں میں تلاش کریں۔ اور حکومت الٰہیہ کا مصداق صرف انہی کو قرار دیں۔ کیونکہ اس وقت دنیا بھر کی طاقت سمٹ سمٹا کر ان کے ہاتھوں میں آگئی ہے اور اس وقت وہ تمام دنیا پر حکومت کر رہے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اتحاد

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی اہل علم ہمیں بتا سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں اسلام پھیلانے آئے تھے۔ یا جن کو مسلمان کر لیا تھا ان کو پھر کافر بنانے آئے تھے۔ کیا کوئی ایک مثال بھی ایسی دی جا سکتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مسلمان کو اس کی ادنیٰ سی لغزش سے کافر قرار دے دیا ہو۔ تاریخ کے سارے اوراق چھان جایئے احادیث کا ایک ایک حرف پڑھ جایئے۔ آپ کو کوئی ایک مثال بھی ایسی نہ ملیگی۔ بخلاف اس کے آپ کو قرآن مجید سے ایسے مضامین کی آیات مل جائینگی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر اسلام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہدایت فرمائی ہے کہ قل یا اھل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللّٰہ (پ آل عمران) کہدو اے میرے رسول کہ اے اہل کتاب آؤ جس بات میں ہم دونوں متفق ہیں یعنی ہمارا پروردگار ایک ہے۔ اس میں تو اکٹھے ہو جائیں۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کے منکر ہیں۔ آؤ ہم سب مل کر ایک ہی سٹیج پر اکٹھے ہو کر انہیں اللہ اور رب منوا لیں اس کے بعد اپنے اندرونی جھگڑوں کو اندر بیٹھ کر اطمینان سے نپٹا لینگے۔

کہئے۔ گیا یہ اہل کتاب یہود اور نصاریٰ وغیرہ مشرکین اور کفار نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ انہیں بھی الگ کیا جائے۔ بلکہ مصلحت وقت یہی دیکھی۔ کہ جس عقیدے میں وہ اسلام کے ہمنوا ہیں

یعنی وجود باری تعالیٰ کے قائل ہوتے ہیں۔ اس میں ان کے ساتھ مل کر منکرین کو خدا کا وجود منوالیں۔ کیا یہی ایک حکم ہماری آنکھیں کھولنے کیلئے کافی نہیں ہے۔ کہ ہم ایک خدا کے ماننے والے۔ ایک توحید کے پرستار۔ ایک رسول کی امت۔ ایک قرآن کے تابعدار۔ ایک قیامت پر ایمان رکھنے والے۔ ایک اسلام کے حامی ہو کر بھی محض اس لئے ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہیں کہ وہ ہم سے کسی بات میں مختلف عقیدہ رکھتے ہیں۔ ....

.... کاش کہ ہم دیکھیں۔ کہ ہم اپنی اس حرکتِ مذبوحی سے کس قعرِ ذلت میں گر رہے ہیں اور قوم کو کہاں تک تباہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ نہ شیعہ کہلانا جرم ہے نہ سنی ہونا قابل گردن زدنی۔ — جبکہ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدت پر ایمان رکھنا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری تاجدار نبوت سمجھنا۔ قرآن مجید کو آخری الہامی کتاب ماننا ہم سب میں مشترک ہے۔ پھر وجۂ تکفیر کیا؟ یہی نا کہ باہمی تعصب اور ہٹ دھرمی بلکہ عاقبت نااندیشی۔ یاد رکھئے کہ فتویٰ تکفیر کی مشین طاقتوں سے اس وقت چالو کرائی گئی تھی جبکہ انگریزوں کی حکومت تھی۔ اور وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے فرقوں کو ہر قیمت پر متحد ہونے سے بچایا جائے اور ان کی وحدت ملی کو پارہ پارہ کر کے ان پر قابو پالیا جائے۔ اور ان پر اطمینان سے حکومت کی جائے کیونکہ اگر مسلمان آپس میں متحد رہتے۔ تو انگریز کا قدم کبھی یہاں نہ ٹھہر سکتا۔ اور وہ مدت سے یہاں سے کوچ کر چکے ہوتے۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایات سے پاکستان ایسا اسلامی ملک بن چکا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ سب لوگ تنگ خیالی چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا مسلمان بھائی سمجھیں۔ اور باہمی اتحاد و یگانگت کا ثبوت دیتے ہوئے استحکام اور استقلال پاکستان کیلئے سردھڑ کی بازی لگا دیں۔ یاد رکھیں کہ آپ کی متفقہ اسلامی اخوت ہی پاکستان کو قائم رکھ سکتی ہے۔ ورنہ وہ دن دور نہیں۔ جبکہ آپ کی باہمی پھوٹ اور تکفیر آپ کو اس طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دیگی۔ کہ آپ کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائیگا۔ کاش کہ آپ لوگ اب بھی آنکھیں کھولیں اور آج سے عہد کر لیں کہ ہم ہر مسلمان کلمہ گو کو قطع نظر اس سے کہ وہ سنی کہلاتا ہے یا شیعہ۔ اپنا اسلامی بھائی سمجھیں گے۔ اور اسکے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہا دینگے۔ اگر یہ جذبہ جو خالص اسلامی اور دینی ہے آپ میں کارفرما ہو گیا۔ تو یقین جانئے کہ وہ دن دور نہیں۔ جبکہ آپ تمام دنیا پر چھا جائینگے۔ اور حقائق سے دور دنیا کو اسلام کا بھولا ہوا سبق یاد دلا کر انہیں تاجدار نبوت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دینگے۔

اتحاد باہمی کی برکتیں

اتحاد اسلامی اور وحدت قومی کا یہ وہ سبق ہے جو مدینہ کا کالی کملی والا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو بلند آواز سے سنا گیا۔ نہ صرف سنا گیا۔ بلکہ صحابہ کرام میں باہمی عقد مواخاۃ باندھ کر سب کو ایک دوسرے کا بھائی بنا گیا۔ قرآن کہتا ہے۔ واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا

(پ آل عمران ع۱۱) یعنی تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا۔ گویا تعلیم دی گئی ہے۔ اتفاق اور اتحاد باہمی کی۔ اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اتفاق ایک عجیب شے ہے۔ غور کریں انسان کس شے سے بنا ہے۔ اور کن کن چیزوں سے ترکیب دیا گیا ہے کہ دیکھئے کہ اربعہ عناصر سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ اس کا وجود چار عنصروں سے تیار کیا گیا ہے یعنی آگ۔ مٹی۔ پانی ہوا۔ کون نہیں جانتا۔ کہ یہ چاروں عناصر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ آگ ہو تو پانی کو بھاپ بنا کر اڑا دیتی ہے۔ پانی غالب ہو۔ تو آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ہوا مٹی کو اڑائے پھرتی ہے۔ ان کے مزاج بھی ایک جیسے نہیں۔ آگ میں انتہائی التہاب اور گرمی ہے۔ اس کا مزاج گرم خشک ہے۔ پانی میں رطوبت ہے۔ مٹی میں یبوست ہے وغیرہ وغیرہ لیکن جب ان چاروں عناصر نے آپس میں اتفاق کیا۔ تو ایک ایسا حسین قالب تیار ہوا۔ جو اللہ تعالیٰ خالق کون ومکان کو روح ایسی اعلیٰ وارفع شے پھونکے جانے کے قابل نظر آیا۔ ادھر نفخت فیہ من روحی کا ارشاد گرامی فرما کر اس مجموعہ ضدین میں روح پھونکی۔ ادھر لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی خلعت سے مزین کر دیا۔ اور ولقد کرمنا بنی آدم کا تاج اس کے سر پر رکھ کر اسے اشرف المخلوقات ہونے کا کمال بخشا جب سب مخلوق سے اشرف اور افضل ٹھیرا تو ہر شے اس سے پست قرار پائی نہ صرف پست بلکہ ہر شے کی خلقت کی غرض وغایت بھی انسان قرار دیا گیا۔ ارشاد ہوا۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ کہ سب دنیا کی چیزیں انسان ہی کی خاطر پیدا کی گئیں۔ چنانچہ ہر شے پر اسے حکومت حاصل ہو گئی۔ اور یہ انسان جو اضداد کا مجموعہ ہے۔ ہر شے کا مرجع قرار پایا۔

پھر غور فرمائیں۔ جب تک عناصر الگ الگ تھے۔ ایک دوسرے کی ضد اور دشمن تھے لیکن جب سب نے اتفاق کر لیا۔ اور آپس میں متحد ہو گئے تو اس اتفاق واتحاد کا نتیجہ انسان کی تخلیق میں ظاہر ہوا۔ انسان بھی وہ مخلوق جو خدا کا شاہکار کہلائی۔ اسی طرح جس قوم نے اتفاق کیا۔ قدرت نے اسے عزت بخشی اور اس میں روح عمل ودیعت فرما کر اسے دنیا میں ممتاز کر دیا۔

دیکھئے۔ جب تک ان چاروں عناصر میں اتفاق واتحاد رہا۔ انسان دنیا میں بڑھتا۔ پھلتا اور پھولتا رہا۔ اور صدارت ارضی کا مصداق رہا۔ لیکن جب ان چاروں عناصر کا بگاڑ اور ایک دوسرے سے اختلاف ہوا یعنی ایک عنصر دوسرے عنصر کا مخالف ہوا۔ تو جھٹ موت آ دباتی ہے۔ گویا یہ نفاق اور ایک دوسرے کی مخالفت ہی موجب ہلاکت ہے پس لامحالہ جس قوم میں صورت اتفاق نہیں اس میں روح حیات نہیں وہ زندہ کہے جانے کے قابل نہیں۔ بلکہ وہ مردہ ہے ؎

چار طبع مخالف وسرکش چند روزے بوند باہم خوش
چوں یکے زیں چہار شد غالب جان شیریں برآید از قالب

یہ تو انسان کی تخلیق کا ذکر تھا۔ لیکن اتفاق و اتحاد کی برکتیں ارلبعہ عناصر تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ بے حس و حرکت اشیا میں بھی اگر اتفاق ہو جائے تو ان میں بھی حس و حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ آیئے۔ اسے ایک حسی مثال سے ثابت کریں۔ آپ نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ اس کے پرزے جب تک ایک دوسرے سے الگ تھے۔ بالکل بے کار تھے۔ لیکن جب انہی دھات کے چند ہلکے پھلکے اور بے حقیقت پرزوں نے آپس میں اتفاق کر لیا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ سنبھالی اور اپنا اپنا کام شروع کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ نے ان میں حس و حرکت پیدا کر دی۔ اب یہ بے کار اور بے حقیقت پرزوں کا مجموعہ نہ رہی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حس و حرکت کے علاوہ اسے قوتِ گویائی بھی بخشی۔ اور یہ ٹک ٹک کرنے لگی۔ گویا اتفاق کی برکت سے ان پرزوں میں ایک روح ودیعت ہوئی۔ جس سے بولنے کے قابل ایک عمدہ شے تیار ہو گئی۔ اسی طرح دوسری مشینوں کو قیاس کر لیجیے۔

اور سنئے۔ زمین میں ایک چھوٹا سا دانہ بویا جاتا ہے۔ وہ خود تو تنہا تھا۔ لیکن جب اس نے خاک اور پانی سے میل جول پیدا کیا۔ تو اس اتفاق نے اسے زمین سے ابھارا۔ اتفاق نے اسے پستی سے بلندی پر پہنچایا۔ ہوا نے اس میں روحِ حیات پھونکی۔ آفتاب نے حرارت اور گرمی پہنچا کر اسے بڑھایا۔ تھوڑی مدت کے بعد وہ ایک شاندار درخت بن گیا۔ اب اس کا سایہ بھی ہے ثمر اور پھل بھی ہیں۔ کتنے نفوس اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اگر دانہ یہ صورت اختیار نہ کرتا۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی اور سورج (گرمی) سے اتفاق نہ کرتا۔ تو بس اکیلا ایک دانہ ہی دانہ رہ جاتا۔ اور وہ بھی چند یوم میں گل سڑ کر تباہ و برباد ہو جاتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

ز اتفاق مگس شہد مے شود پیدا ۔۔۔ خدا چہ لذت شیریں در اتفاق نہاد

اتحاد اور ارشاد قرآنی

اگر مسلمان قرآن مجید کا یہ ارشاد بھول گئے۔ فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین (پ ۱۰ توبہ ع ۲) یعنی پس اگر یہ کافر توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں وہ تمہارے بھائی ہیں۔ غور فرمائیں کافر تھا۔ گردن زدنی تھا۔ حربی تھا۔ اس کا قتل واجب تھا۔ لیکن اس نے توبہ کی۔ نماز پڑھی اور زکوٰۃ دی۔ تو نہ صرف مسلمان ہو گیا۔ بلکہ سب مسلمانوں کا دینی بھائی بن گیا۔ لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ پیدائشی بلکہ خاندانی مسلمان ہو۔ کلمہ پڑھے۔ نماز ادا کرے۔ زکوٰۃ دے۔ جملہ اعمال صالحہ بجا لائے۔ لیکن ایک دوسرے کے نزدیک پھر بھی کافر کیوں؟ اس لئے کہ ہم قرآن مجید کی تعلیم سے غافل ہو گئے ہیں۔ ہم نے اس کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس کے احکام کی ہمیں پرواہ نہیں رہی۔ ہم اس کی آیات کا مفہوم اپنے مطلب کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ اور یہی مطلب ہے قرآن مجید کی اس آیت کا جس میں ذکر ہے کہ قیامت کے روز آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

درگاہ رب العزت میں شکایت فرمائیں گے۔ قال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا
(پ۱۹ فرقان ع۳) کہ اے میرے پروردگار میری یہ قوم اس قرآن کو بالکل چھوڑ گئی۔ استغفر اللہ
آیت بالا پر ذرا پھر غور فرمائیں۔ کافر تھا۔ توبہ کی۔ نماز پڑھی مسلمانوں کا دینی بھائی بن گیا۔ محض توبہ
کرکے نماز ادا کرنے سے ہی دینی بھائی بن گیا۔ یہ سوال نہیں اٹھایا گیا۔ کہ اس نمازی نے رفع یدین کیا تھا۔ یا تسمیہ
بالجہر۔ تشہد پڑھتے وقت انگلی اٹھائی تھی یا نہیں۔ اور آمین بلند آواز سے کہی تھی۔ یا سرے سے کہی ہی نہ تھی۔
نیز اس نمازی نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھی تھی یا باندھ کر۔ اور اگر ہاتھ باندھے تھے۔ تو تہتر قسم کے نمازیوں
میں سے کس کی طرح باندھے تھے۔ زیر ناف یا بالائے ناف وغیرہ وغیرہ۔ پھر اس نے اپنی نماز کا افتتاح
اور آغاز وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض... الخ سے کیا تھا یا سبحانک اللھم
وبحمدک سے۔ قرآن ان تفصیلات کا ذکر نہیں کرتا۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ توبہ کرنے کے بعد صرف نماز
پڑھنے سے وہ سب مسلمانوں کا دینی بھائی بن گیا۔ اس کی جان آبرو عزت سب محفوظ ہو گئے اور مسلمانوں
پر اس کی امداد کرنا واجب ہو گیا۔ لیکن یہاں کیا ہو رہا ہے۔ اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ کوئی نماز پڑھے تو ہم
اس کی ہر ایک حرکت کو بغور دیکھتے ہیں۔ کہ اس نے ہاتھ کھولے یا باندھے۔ اگر باندھے۔ تو کہاں باندھے
آمین کہی یا نہیں؟ رفع یدین کیا یا نہیں؟ وضو میں اس نے پاؤں دھوئے یا مسح کیا؟ اگر اس کا کوئی
فعل بھی دیکھنے والے کے عقیدہ کے خلاف ہوا۔ تو بس کافر قرار دے دیا گیا۔ سبحان اللہ کہاں قرآن مجید
کا حکم اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک تعلیم اور عمل اور کہاں ہمارا یہ فعل.... ؎

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

کہ انہیں اقوال اور اعمال کے برتے پر ہم دعوے کرتے ہیں کہ ہم ہی امت مسلمہ ہیں اور خداوند تعالیٰ
کی برکات ارضی وسماوی کے حقدار۔ افسوس صد افسوس ؎

گر ہمیں مکتب است و ایں ملا — کار امت تمام خواہد شد

مصنوعی طریقہ تولید اور طلاق

دنیا جوں جوں ترقی کرتی جائے گی۔ اور نئی نئی دریافتیں ہوں گی۔ لوگ اسلام کے نزدیک آتے
جائیں گے۔ اسلام کے جن اصولوں کو وہ دقیانوسی اور بعید از فہم سمجھتے تھے۔ آج وہی ان کی مشعل
راہ ثابت ہو رہے ہیں۔ قرآن مجید نے جو اصول آج سے چودہ سو برس پیشتر بتایا تھا۔ دنیا پھر پھرا کر
آخر اسے ہی اپنانے پر مجبور ہو گئی۔ اگر اس سے انحراف کیا۔ تو آج ایسے چوراہے پر کھڑی ہو گئی جہاں

سے اسے راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ اور وہ حیران ہے کہ اب کیا کرے۔ مثال کے طور پر سنیئے۔

اسلام نے زنا کو حرام قرار دیا اور ارشاد ہوا لا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃ ؕ وساء سبیلا ۰ (پ بنی اسرائیل ع) یعنی خبردار۔ زنا کے نزدیک نہ جاؤ۔ یقیناً وہ بے حیائی کی بات اور بری راہ ہے۔

زنا کیا ہے؟ اپنے خاوند یا بیوی کے علاوہ کسی غیر سے تعلق پیدا کرنا اور اس کی دو اغراض ہوا کرتی ہیں۔ اول حصول لذت حیوانی یا تسکین جذبات شہوانی۔ دوم۔ خواہش اولاد۔ ان دونوں اغراض کا کسی غیر سے حصول خداوند عالم نے بے حیائی اور بری راہ کہکر حرام مطلق قرار دے دیا۔ اور صرف اصلی اور جائز طریقہ کو ہی صحیح قرار دیا لیکن واقعات عالم بتاتے ہیں۔ کہ مغربی اقوام نے جنہیں اس زمانہ کی روشن خیال اور مہذب اور متمدن اقوام کہا جاتا ہے۔ خاوند کے علاوہ نہ صرف غیروں سے جنسی تعلقات کو قائم و برقرار رکھنے کا رواج دیا۔ بلکہ حصول اولاد کیلئے نئے نئے سائنٹیفک طریقے بھی ایجاد کرڈالے۔ مثلاً گذشتہ جنگ عظیم میں جب فوجی لوگ دور دراز محاذات پر لڑ رہے تھے۔ یورپ میں عورتوں کو اولاد کی خواہش نے "ٹیوب بے بی" (TUBE BABY) حاصل کرنے پر مجبور کردیا۔ یہ ایک ٹیوب ہوتی تھی جس کے ذریعہ رحم کے اندر کسی غیر مرد کا محفوظ کیا ہوا مادہ تولید انسانی "داخل کر دیا جاتا تھا۔ اس سے عورت حاملہ ہوکر ۹ ماہ کی میعاد کے بعد بچہ جنتی تھی چونکہ یہ بچہ بغیر جنسی ملاپ کے پیدا ہوتا تھا۔ اس لئے اسے "ٹیوب بے بی" (TUBE BABY) یا "وار بے بی" (WAR BABY) کہتے تھے۔ مذہبی نقطہ نظر سے پادری صاحبان نے اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور اس قسم کے بچوں کی غیر فطری پیدائش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ اس کا رواج جنگ عظیم کے بعد کچھ عرصہ کیلئے رک گیا۔ لیکن جلد ہی یہ مصنوعی طریقہ تولید عورتوں میں پھر مقبول ہوگیا اور عورتیں دھڑا دھڑ اس قسم کے بچے جننے لگیں لیکن سہ خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

چونکہ یہ فعل نہایت مذموم اور اسلامی اصول کے مطابق سخت ناپاک اور قابل نفرین و ملامت تھا۔ اور معاشرہ میں نقص امن پیدا کرنے کا سبب۔ اس لئے اس کے بداثرات بھی جلدی ہی ظاہر ہو گئے۔ چنانچہ لندن کی ایک خبر ہے جو اشاعت ریئولڈز نیوز ایجنسی نے شائع کی ہے کہ یہ مسئلہ ماہرین قانون کے لئے آجکل دردسر بنا ہوا ہے۔ ان کے نزدیک مصنوعی طریقہ تولید کی بنا پر دنیا بھر میں طلاق کے قوانین پر نظر ثانی کرنا ضروری ہوگیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی کے ہاں مصنوعی طریقہ تولید کے ذریعہ بچہ پیدا ہو جائے تو مغربی تہذیب کے مطابق اسے حرامکاری کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے یا کہ نہیں۔ سکاٹ لینڈ کے ہائی کورٹ کے جج لارڈ ویٹلے نے ایک ایسے مقدمہ میں فیصلے کو محفوظ رکھنے کے بعد لارڈ ایڈوکیٹ کی رائے دریافت کی ہے۔

یہ سوال اس وقت پیدا ہوا جب گلاسگو کے ایک تاجر نے عدالت سے درخواست کی کہ اسے اپنی بیوی سے طلاق

دلائی جائے۔ جو ان دنوں نیویارک میں ہے۔ بیوی نے اپنے خاوند کو لکھا ہے کہ اس کے ہاں مصنوعی طریقہ تولید کے ذریعہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ درخواست دہندہ کے وکیل نے بتایا کہ مصنوعی طور پر حمل ٹھیرانے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ بیوی خاوند کو حقوق زوجیت ادا نہیں کرتی۔ جج نے کہا کہ آسان طریقہ یہی ہوگا کہ درخواست دہندہ حقوق زوجیت کی عدم ادائیگی اور اس دوران میں ایک بچے کی ولادت ثابت کردے۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کا پرانا مسئلہ کسی حد تک سائنس کی ترقی یا اس کے انحطاط کے باعث تبدیل تو نہیں ہوگیا۔ ہوسکتا ہے کہ حقوق زوجیت کی عدم ادائگی کے سارے مسئلہ پر نظر ثانی کرنی پڑے۔ اور طلاق کے لئے نئے دلائل پیش کرتے پڑجائیں۔ جج نے کہا کہ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ فریقین کے مابین خط وکتابت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مابین مصنوعی طریقے سے بچہ حاصل کرنے کے مسئلہ پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

غصبی زمین اور تعمیر مساجد

اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ تحفظ حقوق ہے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ کوئی شخص بزور یا بفریب کسی کی شے پر قابض ہو جائے۔ اسلام کے نزدیک یہ نہایت بڑا گناہ ہے۔ اور ایسا قبضہ کرنے والا غاصب کہلاتا ہے غصب کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی شے پر اس کے مالک کی مرضی کے بغیر تصرف کیا جائے۔ یہاں تک کہ اگر کسی کی اجازت کے بغیر کسی کے پانی سے وضو کرلیا جائے۔ تو اسلام اسے بھی جائز قرار نہیں دیتا۔ اگر کسی کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کرلیا جائے۔ تو اس زمین پر نماز پڑھنا حرام ہے۔ اسلام نے اسے بدترین جرم قرار دیا ہے حتی کہ اگر کسی غصبی زمین پر کوئی میت دفن کردی جائے۔ اور اس زمین کا مالک کسی قیمت پر بھی راضی نہ ہوتا ہو۔ تو حکم ہے کہ میت کو قبر اکھاڑ کر نکال لیا جائے۔ اور کسی دوسری جگہ جہاں مالک اجازت دے دفن کردیا جائے لیکن پاکستان بن جانے کے بعد اسلام کے اس واضح اور صریحی قانون کی یوں بے حرمتی کی گئی کہ لوگوں نے بغیر سوچے سمجھے ہندوؤں کی زمینوں پر دھڑا دھڑ مسجدیں بنانی شروع کردیں اور یہ نہ سمجھے کہ چونکہ ہندوؤں سے ان کی زمین پر مسجدیں بنانے کی اجازت نہیں لی گئی۔ اس لئے مسجد کو بنانا از روئے اسلام جائز نہ ہوگا۔ حال ہی میں کراچی میں ایک اسی قسم کی ایک وکٹوریہ مسجد کے بنائے جانے اور گرائے جانے پر ہماری قومی اسمبلی میں سوال پیش ہوگیا۔ چنانچہ ایسوسی ایٹیڈ پریس پاکستان نے ۲۰ فروری کو خبر دی ہے کہ ہمارے وزیر اعظم جناب حسین شہید سہروردی نے اس سلسلہ میں بعض ممبروں کے اعتراض کا جواب

دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ موجودہ حکومت شریعت اسلام سے اچھی طرح واقف ہے۔ اور اپنے فرائض کو اسلامی آئین کے مطابق ادا کرنے کی پوری اہلیت رکھتی ہے موجودہ حکومت مساجد کے تقدس اور حفاظت کو ہر حال میں مقدم خیال کرتی ہے۔ اور ہر حالت میں اس بات کا خیال رکھیگی اور اس سلسلہ میں ضروری قدم اٹھائیگی کہ کوئی مسجد توڑی نہ جائے اور نہ مداخلت کی جائے۔ لیکن یہ دیکھا جائے گا کہ جس جگہ مسجد تعمیر کی گئی تھی۔ وہ حقیقت میں مسجد کی جگہ تھی اور وہ مسجد واقعاً مسجد تھی۔

اس سلسلہ میں جناب سہروردی نے مزید فرمایا کہ دوسرے کی جگہ یا متروکہ زمین اور وہ بھی غیر مسلم کی جگہ پر مسجد تعمیر کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں تھا۔ جب تک کوئی شخص زمین خرید کر اس کو خدا کے نام پر وقف نہ کردے اس وقت تک اس زمین پر مسجد تعمیر نہیں کی جاسکتی

جناب سہروردی نے فرمایا کہ میں یہ بات علماء کے فتویٰ کے مطابق کہہ رہا ہوں۔

الحق یعلو ولا یعلیٰ۔ بلاشک وبلا ریب۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ جب حکومت پاکستان کا نظریہ بھی وہی ہے جو اسلام نے بیان فرمایا ہے اور جس پر علماء کے فتاویٰ موجود ہیں تو ان مساجد کی نسبت کیا فتویٰ دیا جائیگا جو ہندوؤں کی متروکہ زمین پر بغیر ان سے اجازت لئے یا خرید کئے بنائی گئیں۔ کیا یہ سب وکٹوریہ مسجد کی طرح گرائی جانی چاہئیں یا نہیں۔ بینوا و توجروا

کیا فقہ بدل ڈالی جائے؟

"جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" کے آئین کے مطابق حکومت نے ایسے کمشن کی تشکیل کا اعلان کردیا ہے۔ جو کہ موجودہ قوانین کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے سے متعلق ہے۔ انشاء اللہ یہ کام عنقریب شروع ہوجائیگا۔ جو کہ تاریخ اسلام میں ایک اہم باب کا اضافہ کریگا۔ مگر صاحبانِ تفسیر بالرائے نے ابھی سے "فقہ میں تشکیل جدید کی ضرورت" کے عنوان سے پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے۔ حالیہ "اسلامی تعلیمی کانفرنس" منعقدہ لاہور میں بھی یہی آواز اٹھائی گئی ہے اور روزنامہ "امروز" لاہور کی وساطت میں ایڈیشنل امام خاں صاحب نوشہروی نے بھی اسی عنوان کے تحت ایک مضمون سپرد قلم کیا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ چونکہ بعد از رسول حضرات خلفاء نے رسول اللہ صلعم کے جاری شدہ احکام میں تبدیلیاں کیں اور مملکت میں رائج فرمائیں لہٰذا ہمیں بھی حق ہونا چاہئے کہ اپنے حالات کے مطابق اپنے امور میں تبدیلیاں پیدا کرلیں۔ یہ بہت بڑی جسارت ہے دین تو موم کی ناک ہوگئی کہ اس پر اسلام کا لیبل لگا کر جس طرف چاہیں موڑتے جائیں۔ دین ایک خدائی معاہدہ ہے۔ امر اللہ ہے۔ یہ کوئی ہمارا ذاتی معاملہ نہیں کہ باہمی مشورہ سے طے کرلیں۔ (بقیہ صفحہ ۲۰ پر)

توحید و تحمید باری تعالیٰ عزاسمہٗ

(بزبان امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام)

الحمد لله الذي لا يبلغ مدحته القائلون - ولا يحصي نعماءه العادون - ولا يؤدي حقه المجتهدون - الذي لا يدركه بعد الهمم - ولا يناله غوص الفطن - الذي ليس لصفته حدّ محدود - ولا نعت موجود - ولا وقت معدود - ولا اجل ممدود فطر الخلائق بقدرته - ونشر الرياح برحمته - ووتد بالصخور ميدان ارضه - اوّل الدّين معرفته وكمال معرفته التصديق به - وكمال التصديق به توحيده وكمال توحيده الاخلاص له - وكمال الاخلاص له نفي الصفات عنه - لشهادة كل صفة انها غير الموصوف وشهادة كل موصوف انه غير الصفة فمن وصف الله سبحانه وتعالى فقد قرنه - ومن قرنه فقد ثناه - ومن ثناه فقد جزاه - ومن جزاه فقد جهله - ومن جهله فقد اشار اليه - ومن اشار اليه فقد حدّه - ومن حدّه فقد عدّه - ومن قال فيم فقد

تمام حمد اسی خدا کے لئے زیبا ہیں جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے اور جس کے حق کو کوشش کرنے والے ادا نہیں کر سکتے - وہ خدا جس کی کنہ ذات کو ہمتوں کی بلند پروازیاں پا نہیں سکتیں اور فکروں کی گہرائیاں اس تک پہنچ نہیں سکتیں جس کی صفات کے لئے کوئی تعریف معین نہیں - اور نہ کوئی ایسی نعت موجود ہے (جو ان صفات کا وصف بیان کر سکے) اور نہ کوئی ایسا وقت جو شمار میں آ سکے اور نہ کوئی ایسی مدت جو طویل ہو۔ مخلوقات کو اس نے اپنی قدرت و اختیار سے پیدا کیا اور ہواؤں کو اپنی رحمت سے چلایا - اور زمین کی اضطرابی حرکت کو پتھروں کی میخ سے روکا اور ساکن کیا - دین کی پہلی اساس اس کی معرفت ہے اور کمال معرفت اس کی تصدیق ہے اور کمال تصدیق اس کو یکتا ماننا اور واحد جاننا ہے۔ اور کمال توحید اخلاص ہے اور کمال اخلاص (اس کی ذات سے) صفات ظاہرہ کو دور رکھنا ہے اس لئے کہ صفت و موصوف میں مغایرت ہوتی ہے ہر صفت غیر موصوف ہے اور ہر موصوف غیر صفت ہے جس نے اس کی توصیف میں ذات کو صفت سے

ضمنہ - ومن قال علی مَ فقد اخلیٰ منہ کائن لا عن حدث، موجودٌ لا عن عدم - مع کل شیءٍ لا بمقارنۃ - و غیر کل شیءٍ لا بمزایلۃ - فاعلٌ لا بمعنی الحرکات والآلۃ - بصیر اذ لا منظور الیہ من خلقہ - متوحدٌ اذ لا سکن یستانس بہ ولا یستوحش لفقدہٖ انشا الخلق انشاءً وابتدأہٗ ابتداءً بلا رویۃٍ اجالہا ولا تجربۃٍ استفادہا - ولا حرکۃٍ احدثہا - ولا ھمامۃ نفس اضطرب فیہا - احال الاشیاء لاوقاتہا - ولاءم بین مختلفاتہا - وغرز غرائزہا والزمہا اشباحہا - عالماً بہا قبل ابتدائہا محیطاً بحدودہا وانتہائہا - عارفاً بقرائنہا واحنائہا - (نہج البلاغۃ)

ملایا - گویا اس نے ذات باری میں دوئی پیدا کی اور جس نے دوئی پیدا کی اس نے ذات واحد کا تجزیہ کیا (اور اس کے لئے جز مانا) اور جس نے تجزیہ کیا اس نے ذات کو نہ جانا - اور جس نے نہ جانا اس نے اس کی طرف اشارہ کیا اور جس نے اشارہ کیا اُس نے اسے محدود کردیا اور جس نے محدود کردیا اُس نے گن لیا اور جس نے یہ پوچھا کہ خدا کس چیز سے ہے؟ تو اس نے گویا اس کو کسی چیز کے ضمن میں قرار دیا اور جس نے کہا کہ خدا کس چیز پر ہے تو اس نے (گویا) اس جگہ کے علاوہ دوسرے مقام کو اس سے خالی کردیا وہ موجود ہے مگر کسی کی ایجاد سے نہیں - اس کا وجود ہے مگر عدم اس سے پہلے نہ تھا (ایسا نہیں کہ پہلے نہ رہا ہو اور اب ہو) ہر چیز کے ساتھ ساتھ ہے مگر ویسی معیت اور ہمراہی نہیں جو جسمانیات میں ہوا کرتی ہے - وہ ہر شے سے الگ ہے مگر نہ وہ جدائی جو محسوسات میں علیحدہ کرکے پیدا ہوتی ہے وہ ہر چیز کا فاعل حقیقی ہے مگر نہیں کہ وہ حرکت اور آلات سے کام لے (جیسا ہم کرتے ہیں) وہ اپنی مخلوقات کا قبل وجود تخلیق بصیر اور نگران تھا اور ان سے آگاہ تھا - وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ایسا ساتھی نہیں جس کے رہنے سے اس کا جی لگے اور نہ رہنے سے دل گھبرائے - اس نے دنیا کو پیدا کیا اور پہلے پہل بنایا بغیر اسکے کہ سوچے یا فکر کرے نہ تو وہ فکر کو کام میں لایا اور نہ کسی تجربہ سے فائدہ اٹھایا اور نہ (اپنے نفس میں) کسی حرکت کو پیدا کیا اور نہ اس نے پہلے سے اس کا اہتمام کیا کہ جس سے مجبور ہو کر اس نے ایسا کیا ہو چیزوں کو وقت پر عدم سے وجود کی طرف منتقل کردیا اور مختلف اشیا اور طبائع کو ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ کردیا ہر شے کو طبیعت خاص اور مزاج مخصوص عطا کیا اور موجودات کو انکی صورتیں اور شکلیں دیں - وہ ان چیزوں کی خلقت سے پہلے ان کو جانتا تھا - اس کا علم ان کے حدود و انتہا کو محیط تھا - وہ ان کی حالتوں اور پوشیدہ کیفیات سے واقف تھا ۔

(از ترجمہ سید ظفر مہدی النقوی النصیر آبادی)

اخلاقیات

گناہوں ـــــ سے ـــــ اجتناب

(از علامہ سید امداد حسین صاحب کاظمی المشہدی، صدر ادارہ معارف اسلام)

انسان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ علمائے اسلام نے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے :۔

(۱) گناہان صغیرہ (۲) گناہان کبیرہ

کبیرہ گناہ وہ ہیں جن کے مرتکب کیلئے اللہ تبارک وتعالی نے عذاب جہنم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان کی تعداد میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن علمائے اسلام نے مندرجہ ذیل گناہوں کو کبائر میں شمار کیا ہے :۔

(۱) شرک (۲) گمراہ ہونا (۳) گمراہ کرنا (۴) کفار سے محبت (۵) کتمان علوم الدین اور جہال کو اس کی تعلیم نہ دینا (۶) خدا کی رحمت سے ناامید ہونا (۷) خدا کے عذاب سے بے خوف اور لاپرواہ ہونا (۸) خدا کے فعل پر اعتراض کرنا (۹) استکبار (۱۰) احکام دین سے استہزا (۱۱) ایسے مقام پر رہائش رکھنا جہاں اقامہ دین نہ کر سکے۔ (۱۲) خدا کے راہ سے لوگوں کو روکنا (۱۳) ترک امر بالمعروف ونہی عن المنکر (۱۴) ترک نماز اور اس کا تارک کافر کے حکم میں ہے (۱۵) بغیر عذر شرعی ماہ رمضان میں دن کے وقت روزہ توڑنا (۱۶) مانع ادائے زکوۃ ہونا (۱۷) خمس ادا نہ کرنا (۱۸) ترک حج (۱۹) ترک جہاد (۲۰) عہد، نذر اور قسم کا توڑنا (۲۱) والدین کا عاق ہونا۔ (۲۲) قطع رحمی کرنا (۲۳) مومن کو اذیت پہنچانا اور اس کی توہین کرنا (۲۴) مسلمان کا قتل ناحق (۲۵) ناحق جنگ اور مقاتلہ کرنا (۲۶) ماہ ہائے حرام یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم میں جنگ کرنا (۲۷) راہزنی کرنا (۲۸) ظلم (۲۹) اعانت ظالم (۳۰) ترک اعانت مظلوم (۳۱) ظالموں سے میل جول رکھنا (۳۲) خلق خدا میں فتنہ وفساد برپا کرنا (۳۳) زنا (۳۴) لواطت (۳۵) مساحقہ زنان (۳۶) دیوثی کرنا (۳۷) قذف (تہمت زنا ولواطت) (۳۸) غیبت (۳۹) بہتان باندھنا (۴۰) دشنام طرازی (۴۱) جھوٹ بکنا (۴۲) چغلی کھانا (۴۳) شراب پینا (۴۴) جوا، شطرنج، نرد وغیرہ کھیلنا (۴۵) آلات لہو ولعب مثل طنبورہ اور رباب کا بجانا۔ (۴۶) راگ گانا (۴۷) مردار کھانا (۴۸) سود خوری (۴۹) یتیم کا مال کھانا (۵۰) چوری کرنا (۵۱) کم تولنا (۵۲) امانت میں خیانت (۵۳) لوگوں کا مال ناحق روکنا (۵۴) اسراف بے جا (۵۵) رشوت لینا دینا (۵۶) بغیر حق کے حکم دینا (۵۷) نااہل کا لوگوں کے درمیان محاکمہ کرنا (۵۸) جھوٹی شہادت (۵۹) سچی شہادت چھ (۶۰) جھوٹی قسم کھانا (۶۱) جادو کرنا (۶۲) کہانت کرنا (۶۳) کھوٹ ملانا (۶۴) منع الماعون (بطور عاریہ) چیزیں دینے سے روکنا (۶۵) کفران نعمت کرنا (۶۶) حسد کرنا (۶۷) تکبر کرنا (۶۸) ریاکاری (۶۹) عجب (۷۰)

یہ چند گناہ لکھے گئے ہیں۔ اگرچہ اور بھی بے شمار کبیرہ گناہ ہیں۔ ان سب سے اجتناب اور توبہ لازم ہے صغیرہ گناہ وہ ہیں، جو ان کے علاوہ ہیں لیکن ہر صغیرہ گناہ اپنے اصغر کی نسبت کبیرہ ہوجاتا ہے مثلاً کسی غیر عورت کی طرف عمداً نظر ڈالنا صغیرہ گناہ ہے لیکن بدنیتی سے اسے مس کرنا اگرچہ بوسہ وغیرہ کی نسبت صغیرہ ہے لیکن اپنے سے اصغر یعنی نظر بد کی نسبت سے کبیرہ ہے۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہ وہ ہیں جن کے لئے توبہ کی بھی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ خود بخود معاف کر دیتا ہے ولاکن بشرطھا و شروطھا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ ان الحسنات یذ ھبن السیّات (پ ہود ع) ترجمہ: تحقیق نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر نیکیاں کرتے رہو۔ تو صغیرہ گناہ جو بلا شعور سرزد ہوجاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کی وجہ سے خود بخود انہیں معاف کرتا رہتا ہے۔ پھر ارشاد ہے۔ ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاٰتکم وندخلکم مدخلاً کریما (پ النساء ع) ترجمہ۔ اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ (صغیرہ) خود بخود معاف کر دینگے۔ اور تمہیں اچھے مکان (بہشت) میں داخل کرینگے۔

اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اگر انسان کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ صغیرہ گناہ خود بخود معاف کرتا رہتا ہے۔ ان کے لئے توبہ کی بھی ضرورت نہیں۔

دوسری قسم کے گناہ وہ ہیں جن کیلئے توبہ کی ضرورت ہے اور بغیر توبہ معاف نہیں ہوتے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ للذین یعملون السوء بجھالۃ ثم یتوبون من قریب (پ النساء ع) ترجمہ۔ جو لوگ جہالت کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں۔ پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ من عمل منکم سوءً بجھالۃ ثم تاب من بعدہٖ واصلح فانہ غفور الرحیم (پ انعام ع) ترجمہ۔ تم میں سے جو کوئی جہالت سے گناہ کر بیٹھے۔ پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور نیک ہوجائے پس تحقیق اللہ تعالیٰ گناہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

گناہوں کی تیسری قسم وہ ہے کہ جس میں گناہ کی بخشش کے لئے توبہ کی بھی ضرورت ہے اور توبہ کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش بھی لازمی ہے۔ بغیر توبہ اور سفارش کے معاف نہیں ہوسکتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (پ النساء ع) ترجمہ۔ اور اگر یہ لوگ اسی وقت جبکہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ (اے رسولؐ) آپ کے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے اور آپ بھی اے اللہ کے رسول ان کے لئے بخشش مانگتے تو یہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

معلوم ہوا کہ یہ گناہ ایسے ہیں جو نہ خود بخود معاف ہوتے ہیں نہ توبہ کرنے سے ہی - بلکہ ان کی بخشش اور معافی کیلئے توبہ کے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش اور شفاعت کی بھی ضرورت ہے۔

چوتھی قسم کے گناہ وہ ہیں۔ جو نہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں۔ نہ سفارش یا شفاعتِ رسول اللہ صلعم سے - ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ (۱) شرک۔ کما قولہ تعالیٰ - ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء (پ النساء ع) ترجمہ - بے شک اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشتا اگر اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک کیا جائے - اور شرک کے علاوہ جس کو اس کی مرضی ہو ہر گناہ بخش دیگا۔

پس شرک خواہ خفی ہو خواہ جلی - شرک فی العبادۃ ہو یا شرک فی الصفات ، غرضیکہ کسی قسم کا شرک ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہرگز ہرگز نہ بخشونگا۔

(۲) کفر - شرک کی ذیل میں کفر بھی آجاتا ہے - اس کے متعلق ارشاد ہے استغفر لھم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم ذالک بانھم کفروا باللہ ورسولہ (پ توبہ ع) ترجمہ - اے رسولؐ آپ ان کے لئے دعائے مغفرت مانگیں یا نہ مانگیں - اگرچہ آپ ان کیلئے ستر دفعہ بھی دعائے مغفرت مانگو گے - تو بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز ہرگز نہ بخشیگا - اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے خدا کا اور اس کے رسولؐ کا انکار کیا۔

ثابت ہوا کہ شرک اور کفر ایسے گناہ ہیں۔ جو ہرگز معاف نہ ہوں گے اگرچہ رسول اللہ صلعم بھی ان کیلئے دعائے مغفرت طلب کریں - اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے اعمال اور اعتقادات کا جائزہ لے کر انہیں درست کرلیں - ایسا نہ ہو کہ جن اعمال کو وہ نیک اور مطابق خوشنودئ خدا سمجھ کر بجا لا رہے ہیں ، درحقیقت درست نہ ہوں - گناہائے کبیرہ کی مختصر فہرست اوپر دی جاچکی ہے - ہر مسلمان کو ان سے اجتناب لازم ہے آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ہر گناہ کے ذیل میں احکام قرآن اور فرامین نبویؐ بیان کئے جائینگے - اور کسی اشاعت میں شفاعت کا مسئلہ بھی حل کیا جائیگا - انشاء اللہ تعالیٰ -

---

(بقیہ صفحہ ۱۱) کیا امر اللہ کو تبدیل کرنے کا حق رسولؐ نے ہمارے سپرد کیا یا کسی آیت قرآنی کی رو سے ہم امر اللہ میں دخل اندازی کرنے کے مجاز ہیں - خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود میں دخل اندازی سے یہ خدائی دین نہیں رہتا بلکہ انسان کا بنایا ہوا دین بن جاتا ہے - اگر آپ نے خود ہی بنانا ہے - تو پھر "قرآن اور سنت" کی شرط پارہ پارہ ہو کر رہ جاتی ہے - اسلامی اصولوں کی رو سے احکام قرآن و سنت کو بدلنا کسی بھی فرد یا جماعت کے اختیارات سے بالاتر ہے اگر گذشتہ تاریخ میں بدلے گئے تو یہ احکام رسولؐ کو تسلیم نہ کرنے کیلئے وجہ جواز ہرگز نہیں - بہرحال آئندہ شمارہ میں ادارہ کی جانب سے اس عنوان پر مکمل روشنی ڈالی جائیگی - انشاء اللہ تعالیٰ -　　　(ادارہ)

(خصائصِ اسلام)

روزہ

(از علامہ مرزا احمد علی صاحب مدظلہٗ، سرپرستِ ادارہ)

اسلام مکمل دستورِ حیات:۔ اسلام زندہ مذہب ہے اور قیامت تک زندہ رہیگا۔ یہ ابتداءِ عالم سے بڑھتا آیا اور عہدِ ختمیت پر پہنچ کر اس حدِ کمال کو پہنچ گیا جو انسان اور انسانیت کو برقرار رکھنے کے لئے مشعلِ ہدایت کا کام دیتا رہیگا۔ پرانے لوگ انسان کو روح و مادہ سے مرکب جانتے تھے۔ اور حال کے لوگوں نے لفظیں بدل دی ہیں۔ مگر حقیقت وہی رہی ہے۔ انہوں نے MIND (من) اور MATTER (مادہ) یا SPIRIT (روح) اور BODY (جسم) سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مرکب کبھی باقی نہیں رہ سکتا جب تک اس کے اجزاءِ ترکیبی درست نہ رہیں۔ اس لئے انسان اور اس کی انسانیت کو باقی رکھنے کے لئے ان دو چیزوں کو مناسب و موزوں مقدار میں باقی رکھنا ہے۔ دین و دنیا کی کسی اور تہذیب نے ان دونوں کو یکجا اور موزوں مقدار میں رکھنے کا انتظام نہیں کیا۔ مثلاً یہودیت میں تشریح ہی تشریح ہے مغز و روح کا فقدان ہے۔ عیسویت میں صرف فضل کا ڈھونگ ہے۔ کفارہ کی منادی ہے۔ ایک انسان ماں کے شکم سے پیدا ہونے والے کی خدائی کا اعلان ہے باقی کچھ بھی نہیں۔ اور ہندویت میں عنصر پرستی۔ ملک پرستی۔ قوم پرستی اور تنگ دل تہذیب پرستی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لیکن دنیا کے مذاہب میں اسلام اور صرف اسلام محمدی ہی وہ مذہب ہے جو مدتِ معلوم تک انسانیت کی بقا کا ذمہ دار ہے بشرطیکہ اسے اپنایا جائے۔ اور اسی کا ہو لیا جائے۔ اور انفرادی و اجتماعی حیات میں اسی کو دلیلِ راہ بنایا جائے۔ اسلام مکمل دستورِ حیات ہے اور اگر اس پر عمل کیا جائے تو حیات خوشگوار ہو سکتی ہے۔ اسلام نے نہ دنیا کو چھوڑا ہے نہ آخرت کو ترک کیا ہے۔ دونوں کو ملا دیا ہے۔ آخرت کی وجہ سے دنیا کو اچھا بنایا اور دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا یہاں کھیتی بناؤ۔ یہاں خوش عملی کی کھیتیاں تیار کرو۔ آخرت جنتی جائیگی۔ تمام اعمالِ دین و دنیا۔ روح و جسم دونوں کو درست کرنے کے لئے ہیں۔ ان میں سے ایک ماہِ مبارک رمضان کے روزے ہیں۔

مذاہبِ عالم کے روزے:۔ ویسے تو روزے ہر مذہب میں کسی نہ کسی عنوان سے ملتے ہیں مگر ان سے وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جو ماہِ رمضان کے پورے مہینے کے روزوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں کے ہاں سال بھر میں مختلف روزے ہیں۔ بعض بہت لمبے ہیں۔ چاند دیکھکر شروع کرو دوسرے دن چاند دیکھکر کھول دو۔ اناج نہ کھاؤ۔ مگر دودھ مکھن یا پھل کھالو۔ یہودیوں

کے ہاں فرض روزے صرف دو ہیں ان میں سے ایک چھبیس ۲۶ گھنٹے کا ہے۔ غور کیجئے۔ اتنے لمبے ایک روزے کا کیا فائدہ سوائے تکلیف کے کچھ نہیں۔ مسیحیت میں روزہ ندارد۔ حواری روزہ نہ رکھتے تھے چنانچہ انجیل متی باب ۹ فقرہ ۱۴ تا ۱۷۔" اس وقت یوحنا کے شاگردوں نے اس کے پاس آ کر کہا۔ کیا سبب ہے کہ ہم اور فریسی روزہ رکھتے ہیں اور تیرے شاگرد روزہ نہیں رکھتے۔ یسوع نے ان سے کہا۔ کیا براتی جب تک دولہا ان کے ساتھ ہے ماتم کر سکتے ہیں ؟ مگر وہ دن آئینگے کہ دولہا ان سے جدا کیا جائیگا۔ اس وقت وہ روزہ رکھینگے۔ کورے کپڑے کا پیوند پرانی پوشاک میں کوئی نہیں لگاتا۔ کیونکہ وہ پیوند پوشاک میں سے کچھ کھینچ لیتا ہے اور وہ زیادہ پھٹ جاتی ہے اور نئی مے پرانی مشکوں میں نہیں بھرتے۔ ورنہ مشکیں پھٹ جاتی ہیں اور مے بہہ جاتی ہے اور مشکیں برباد ہو جاتی ہیں۔ بلکہ نئی مے نئی مشکوں میں بھرتے ہیں اور وہ دونوں بچی رہتی ہیں"۔ اس کی تشریح و تفسیر علماء نصاریٰ نے یہی کی ہے کہ روزے کے احکام پرانے وقتوں کیلئے تھے۔ دَورِ مسیح میں اب ان کی ضرورت نہیں۔ اب صرف قلب کی صفائی چاہئے اور بس۔ اگر روزہ کچھ چیز نہیں تو خود مسیح نے کیوں روزہ رکھا جیسا کہ انجیل لوقا باب ۴ فقرہ ۱۔۲ میں یوں ہے کہ "پھر یسوع روح قدس سے بھرا ہوا یردن سے لوٹا اور چالیس دن تک روح کی ہدایت سے بیابان میں پھرتا رہا اور ابلیس اسے آزماتا رہا ان دنوں میں اس نے کچھ نہ کھایا۔ جب وہ دن پورے ہو گئے تو اسے بھوک لگی" یہ ہے مہینے کے قریب روزہ لیکن چونکہ اناجیل ہی غیر معتبر ہیں۔ اس لئے یہ معلوم نہیں کہ حضرت نے یہ روزے کس طرح رکھے۔ اگر چالیس دن کچھ نہ کھایا تو یہ عام لوگوں کے بس کی چیز نہیں۔ اور نہ یہ ان کے لئے مفید ہے۔

اسلام میں روزے کی اہمیت :۔ اب آیئے اسلام کی طرف۔ اس نے اپنے تمام امور کی طرح روزوں کے متعلق بھی کیسا منظم سوچا ہوا اور سمجھا ہوا پروگرام مقرر کیا ہے۔ اگر تعصب۔ ضد اور مخالفت کو دور کیا جائے تو ہر شخص اس کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکیگا۔

فوائد۔ اسلام نے پورے ایک مہینے کے روزے مقرر کئے اور اُس مہینے کے روزے مقرر کئے جس میں قرآن کا نزول ہوا معذوروں پر سختی نہیں کی گئی۔ بیماروں اور شرعی سفر کے مسافروں کو دوران عذر میں ماہ رمضان کے روزوں کو چھوڑنے کیلئے کہا گیا اور یہ تاکید کی گئی کہ وہ ان چھوڑے ہوئے روزوں کو عذر دور ہونے کے بعد اگلے ماہ رمضان سے پہلے ہی رکھ لیا کریں۔ اور اصل غرض روزوں کی یہ بتلائی لعلکم تتقون تاکہ تم میں صفت تقوےٰ پیدا ہو۔ یہ ایسا جامع لفظ ہے کہ اس میں دین و دنیا کی خوبیاں آ جاتی ہیں اور مہینے کا انتخاب دیکھئے اس قرآن کے نزول کا مہینہ جو تمام لوگوں کو صحیح طریق کی رہنمائی کرتا ہے بارہ مہینوں کے بعد اسی مہینے کو اصلاح اخلاق کا مرکز بنا دیا اور امیر۔ غریب۔ عالم۔ جاہل۔

بالغ و عاقل، ہر ملک و آب و ہوا اور ہر سمت کے تمام مسلمانوں پر روزے فرض کر دئے۔ وقت کا اور ماحول کا اثر ہوتا ہے۔ وقت ہدایت کنندہ قرآن کے نزول کا۔ ماحول بہم توا۔ رحمت خدا کا جاذب پھر کیوں طبائع نیکی کی طرف مائل نہ ہوں۔ پورے ایک ماہ بھر قوۂ شہویہ پر قفل لگا دیا۔ ایک وقت کے اندر اندر کھا پی لو۔ پھر صبح سے مغرب تک نہ کھاؤ نہ پیو نہ کسی قسم کی خوشبو سونگھو معدہ کو آرام ملا۔ اس کی بے اعتدالی دور ہو گئی۔ تمباکو سگرٹ اور چائے نوشی دن کے وقت ختم ہو گئی۔ عادت ٹوٹ گئی۔ اگر اتنے گھنٹے چھوڑ سکتے ہیں تو اس کے بعد بھی چھوڑ سکتے ہیں۔ چائے نہ سہی تمباکو سگرٹ تو چھوڑ سکتے ہیں۔ اگر آپ ماہ رمضان کی برکت سے انہیں بالکل چھوڑ دیں گے تو آپ کی صحت بہتر ہو جائیگی اور بچا ہوا روپیہ صحت کو برقرار رکھنے کے کام میں صرف ہو سکیگا۔ رہی ضروری غذا افطار کے بعد اس میں بے اعتدالی نہ کیجئے۔ آپ کے اپنے لئے ہی اچھا رہیگا۔ زیادہ برف سے بچئے۔ زیادہ کھانے سے پرہیز کیجئے۔ پھر آپ دیکھیئے کہ انشاء اللہ سال بھر آپ کی صحت اچھی رہیگی۔ اور یہ ماہ رمضان کے طفیل سے ہوگا۔ غرض روزے رکھنے سے آپ کی جسمانی صحت صحیح و برقرار ہو جائیگی۔ یہ تو جسم کا حصہ اب روح کا حصہ بھی دیکھئے روزے کی حالت میں تمام گناہوں اور بری باتوں سے پرہیز کیجئے۔ زبان پر کوئی برا لفظ نہ لائیے۔ ناجائز غیبت مومنین و مسلمین سے پرہیز کیجئے۔ نیکیوں کا حکم دیجئے۔ بدیوں سے منع کیجئے۔ حق کو اس کے اہل تک پہنچائیے۔ دماغ میں کوئی برا خیال نہ لائیے۔ ہاتھ سے کوئی برا کام نہ کیجئے۔ کسی کو تکلیف نہ دیجئے۔ کسی کو نہ ستائیے۔ کسی پر ظلم نہ کیجئے۔ کسی کا حق نہ چھینئے۔ اچھے کام کیجئے۔ دوسروں کی خدمت کیجئے۔ کمزوروں کی مدد کیجئے۔ درماندوں کی اعانت کیجئے۔ آنکھوں سے اچھے کام لیجئے۔ بری چیزوں کو نہ دیکھئے۔ ممنوع چیزوں پر نگاہ بھی نہ ڈالئے۔ نامحرم عورت سے غض بصر کیجئے۔ اور ان امور کی مہینہ بھر مشق کیجئے۔ یہاں تک کہ اچھے کاموں کے کرنے اور بروں سے بچنے کی عادت آپ میں پیدا ہو جائے۔ اور آپ ماہ رمضان کے بعد صحیح معنوں میں مسلم بنکر اللہ کے حضور میں پیش ہوں اور پھر ہمیشہ اپنے نفس کے اسلام کی حفاظت کرتے رہیں۔ تاکہ یہ قبر میں آپ کے ساتھ جائے۔

ہمدردی:- ان دونوں فائدوں کے ساتھ ساتھ ایک تیسرا فائدہ روزوں سے یہ ہوگا کہ دن بھر کی بھوک کے بعد یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بھوکوں کا بھوک سے یہی حال ہوتا ہوگا جو میرا ہوا۔ اس لئے قدرتی طور پر روزہ دار میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھوکوں کی مدد کرے۔ کیونکہ الفقر کاد ان یکون کفرا فقر و افلاس ہی کفر ہو جایا کرتا ہے۔ اس لئے بھوکوں کو دونوں قسم کے کفر سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی بھوک کا علاج کیا جائے۔ بھوکوں کو سیر کیا جائے۔ بھوکے دو تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ ضعیف و

ناتواں عورت مرد جن کا کوئی کمانے والا نہیں کوئی سہارا نہیں۔ کوئی آمدنی نہیں۔ ان کی روٹی کا انتظام کرنا سب پر مقدم ہے۔ دوسرے وہ ہیں جنہیں مالی نقصان نے بھوک پر مجبور رکھا ہے۔ ان کی اعانت کرنی چاہیے کہ وہ نقصان کی تلافی کر کے روٹی کمانے کے قابل ہو جائیں تیسرے وہ ہیں جو تندرست ہیں کام بھی جانتے ہیں۔ مگر کام نہ ملنے کی وجہ سے بھوک میں مبتلا ہیں۔ انہیں مالی مدد دیکر ان کا کام بنا دیجئے۔ ہیا یہ مالی مدد دیکر چھوٹی موٹی تجارت سے روٹی کمالیں۔ بہرحال انہیں بیکار نہ رہنے دیں۔ اور انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیں۔

عبادت و تلاوت :- ماہِ رمضان میں تمام نوافل بجا لانے کی کوشش کریں۔ تاکہ ان کی وجہ سے آپ کے اعمال میں گرانی پیدا ہو جائے۔ اور ان کی وجہ سے آپ فرائض پر مواظبت کر سکیں۔ اور اللہ کی طرف زیادہ متوجہ ہوں اور عبادت میں خشوع، خضوع و یکسوئی پیدا کریں۔ تاکہ آپ کا قلب منور ہو جائے۔ اس کے ساتھ صدقہ و خیرات بھی دیتے رہیں۔ اور اگر آپ کے ذمہ زکوٰۃ و خمس ہے۔ تو اسے ادا کریں اور کلام مجید کی تلاوت بکثرت کریں۔ اور ترجمہ سے اس کا مطلب بھی سمجھنے کی کوشش کریں اور پھر اس پر عمل بھی کرتے جائیں۔ تو انشاء اللہ آپ کی زندگی بڑی شاندار ہو جائیگی۔ اور آپ خدا، رسولؐ اور آئمہ علیہم السلام کے حضور میں سرخرو پیش ہونگے۔ وفقنا اللہ وایاکم لامور الخیر۔

ضروری اطلاعات و اعلانات

(۱) ماہنامہ معارف اسلام کا یہ شمارہ ۳۰ صفحات پر شائع ہوا۔ اگرچہ مقررہ صفحات ۴۰ ہیں۔ آئندہ معمولاً ۴۰ صفحات ہی شائع ہوا کرینگے۔ ماہنامہ حسب دستور ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ ہی کو سپرد ڈاک ہوا کریگا۔ پرچے کی حفاظت کیلئے آپ اپنے پوسٹ مین کو پہلے ہی کہہ چھوڑیں۔

(۲) یہ پرچہ ان خریداروں کی خدمت میں بھی بھیجا گیا ہے جنہوں نے ابھی تک ماہنامہ کے سال دوم کا چندہ بھی ادا نہیں کیا جو سال دوم کا چندہ ادا کر چکے ہیں انہیں پرچہ ارسال کیا جا رہا ہے۔ درخواست ہے کہ سال سوم کا بدل اشتراک للعہ فوراً بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں۔ بصورت دیگر آئندہ پرچہ یعنی ماہ مئی کا بذریعہ وی پی روانہ ہوگا۔ جس پر ۱۵ خرچ ڈاک آپ کے زائد خرچ ہونگے۔ وی پی کا وصول فرمانا آپ کا اخلاقی اور قومی فرض ہوگا۔

(۳) ماہنامہ کے آخر میں حسب وعدہ (۱) ائمہ ناصولوں کی تعلیمات اور (۲) جمہوریت اور امامت پر دو مضامین مسلسل شائع کئے جا رہے ہیں۔ اس پرچے میں اگلے آٹھ آٹھ صفحات شائع ہوئے ہیں۔ یہ مسلسل صفحات کے ساتھ شائع ہوتے رہینگے۔ تاکہ ختم ہونے پر آپ کو ماہنامہ سے علیحدہ کر کے کتابی صورت میں جلد بندھوا لیں۔ مضامین کے ختم ہونے پر ٹائیٹل بھی شائع کیا جائیگا۔

(۴) یہ امر افسوسناک ہے کہ کئی ممبران ادارہ مسلسل ادارہ کا لٹریچر رسائل وغیرہ اور ماہنامہ تو برابر مفت وصول فرماتے ہیں۔ مگر زرِ ممبرشپ ادا فرمانے کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ للہ توجہ فرمایئے تاکہ آپ کا یہ مفید قومی ادارہ قائم رہ سکے۔ اور ہماری تمام ضروری اور مفید کتب شائع ہو سکیں۔

(۵) تمام ترسیل زر بنام مدیر ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) ڈبی بازار لاہور کے پتہ پر ہونا چاہیے۔ دیگر حضرات ادارہ کا رکن بن کر اور ماہنامہ کے خریدار بن کر اس خدمت دینی اسلام میں معاونت فرمائیں (اعلان)

(فضائلِ قرآن)

اعجازِ قرآن

(از علامہ سید امداد حسین کاظمی - صدر ادارہ معارفِ اسلام لاہور)

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے اپنی ربوبیت ۔ الوہیت اور قدرتِ کاملہ کے اظہار کیلئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے لیکن قرآن مجید فرقان حمید سے اس معین تعداد کی تصدیق نہیں ہوتی ۔ قرآن صرف یہ بتاتا ہے کہ ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک منھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصص علیک (پ۲۴ المومن ع۸) ترجمہ ۔ اے رسول تحقیق ہم نے آپ سے قبل بہت رسول بھیجے ۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کا ذکر ہم نے آپ کو سنایا ۔ اور کچھ وہ ہیں جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا ۔ ورسلاً قد قصصنٰھم علیک من قبل ورسلاً لم نقصصھم علیک (پ۶ النساء ع۲۳) ترجمہ ۔ اور کچھ رسول وہ ہیں جن کا ذکر اس سے قبل ہم نے آپ سے کیا ۔ اور کچھ وہ ہیں جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا ۔ پھر ارشاد ہے ۔ ثم ارسلنا رسلنا تترا (پ۱۸ المومنون ع۳) یعنی ہم نے رسولوں کا تانتا باندھ دیا اور انہیں لگاتار بھیجتے رہے ۔ نیز ارشاد ہے وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (پ۲۲ فاطر ع۳) یعنی اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں ہم نے کوئی ڈرانے والا (نبی) نہ بھیجا ہو ۔

ان آیات بینات سے یہ امر بالبداہت پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ۔ کہ اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد معین نہیں کی گئی لیکن وہ پے درپے اور لگاتار آتے رہے ۔ اور ہر ایک قوم کی طرف مبعوث ہوتے رہے کوئی قوم اور کوئی امت ایسی نہ رہ گئی جس کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی یا رسول نہ آیا ہو اس سے انبیاء کی تعداد کا غیر متناہی ہونا ثابت ہو گیا ۔ ان کی تعداد کو خدا ہی جانتا ہے کہ کتنی ہے ۔ وما یعلم جنود ربک الا ھو (پ۲۹ مدثر ع۱)

ان انبیاء کرام کے آنے کی غرض بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیان فرما دی کما قولہ تعالیٰ ۔ رسلاً مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل ہ (پ۶ النساء ع۲۳)
ترجمہ ۔ ہم نے ایسے رسول بھیجے ۔ جو خوشخبری سنانے والے بھی تھے اور ڈرانے والے بھی تاکہ ان کے آنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر آدمیوں کی طرف سے کوئی حجت باقی نہ رہ جائے ۔

اس غرض کی تکمیل یعنی اتمام حجت کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور رسول کو ایک ایک کتاب دیکر مبعوث فرمایا ۔ تاکہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں کے باہمی اختلافات کو مٹا سکیں ۔ کما قولہ تعالیٰ کان

الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين وانزل معهم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیه وما اختلف فیه الا الذین اوتوه من بعد ما جاءتهم البینات بغیاً بینهم (پ بقرع) ترجمہ۔ سب لوگ ایک ہی امت تھے۔ پھر خدا نے انبیاء بھیجے جو خوشخبری بھی سناتے تھے اور ڈراتے بھی تھے۔ اور ہر نبی کے ساتھ ساتھ ایک کتاب بھی نازل کی۔ تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اس بارے میں فیصلہ کرسکیں جس میں وہ جھگڑتے اور اختلاف کرتے تھے۔ اور جو کچھ اختلاف تھا۔ وہ ان لوگوں کی اپنی ہی طرف سے تھا جن کیلئے کتاب دی گئی تھی اور انہوں نے یہ اختلاف کھلی نشانیاں آجانے کے بعد باہمی بغاوت اور ضد سے کیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر انبیاء کی معین تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہی مانی جائے۔ تو کم از کم ایک لاکھ چوبیس ہزار کتابوں کا نزول بھی تسلیم کرنا پڑیگا۔ ان کتابوں کو خواہ صحیفے کہہ دیجئے خواہ زبر۔ کما قولہ تعالیٰ ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ ۰ صحف ابراھیم وموسیٰ (پ الاعلیٰ ع) ترجمہ۔ بیشک یہی مضمون پہلے صحیفوں (کتابوں) میں بھی ہے یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفے۔ وانہ لفی زبر الاولین (پ الشعراء ع) ترجمہ۔ اور بے شک اس کا ذکر پہلی زبر یعنی کتابوں میں بھی ہے۔

کوئی معترض کہہ سکتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے لیکن صاحب کتاب نہ تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو مشترکہ طور پر ایک ہی کتاب عطا فرمائی تھی جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ واتیناھما الکتاب المستبین (پ صافات ع) ترجمہ اور ہم نے ان دونوں حضرت موسیٰ و ہارونؑ کو ایک بلیغ بیان والی کتاب عطا کی پس حضرت ہارونؑ بھی بغیر کتاب نہ رہے۔ صرف ایک ہی کتاب دونوں نبیوں کو دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دونوں کی نبوت بھی مشترک تھی۔ کما قولہ تعالیٰ۔ قال رب اشرح لی صدری ۰ ویسر لی امری ۰ واحلل عقدۃ من لسانی ۰ یفقھوا قولی ۰ واجعل لی وزیراً من اھلی ۰ ھرون اخی ۰ اشدد بہ ازری ۰ واشرکہ فی امری ۰ (پ طہ ع) ترجمہ۔ (حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون کی طرف بھیجا گیا۔ تو آپ نے خدا سے دعا مانگی۔ کہ) اے میرے پروردگار میرا سینہ میرے لئے کھول دے اور میرے امر نبوت کو میرے لئے آسان کر۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ تاکہ لوگ میری بات سمجھیں۔ اور میرے اہل میں سے میرا ایک وزیر مقرر کردے (اور وہ وزیر) میرا بھائی ہارون ہی ہو۔ اس کے ذریعے سے میری کمر مضبوط کردے اور اس کو میرے امر نبوت میں میرا شریک کردے۔

خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس التجا کو شرف قبولیت بخشا اور فرمایا۔ قال قد اوتیت سؤلک یا موسیٰ (پ طہ ع) ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تمہاری سب درخواستیں قبول ہوگئیں

پس ثابت ہوا کہ حضرت ہارونؑ چونکہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ شریک فی النبوۃ تھے۔ اس لئے آپ دونوں کو ایک ہی کتاب دی گئی۔ چونکہ نبوت الگ الگ نہ تھی۔ اس لئے کتاب بھی الگ الگ نہ دی گئی۔

بہر حال ہر ایک نبی جو مبعوث ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب بھی لے کر آتا رہا۔ اور یہی کتاب مدلول نبوت ہوا کرتی تھی۔ لیکن جس قدر کتابیں یا صحیفے نازل ہوتے رہے۔ اگرچہ الہامی تھے اور خدا کی جانب سے ہی نازل ہوتے تھے بلکہ ان کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے بار ہا فرما دیا تھا صحف مکرمۃ ٥ مرفوعۃ مطہرۃ ٥ بایدی سفرۃ ٥ کرام بررۃ ٥ (پ عبس ع) ترجمہ: پاک۔ پاکیزہ اور بلند مرتبہ صحیفے جو نیکو کار سفیروں (اللہ کے سفیر یعنی انبیاء) کے ہاتھوں میں رہے۔ مگر یہ معجزانہ حیثیت سے نازل نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ کل انبیاء کو علاوہ کتاب یا صحیفہ کے دیگر وقتی معجزات بھی دئے جاتے تھے کیونکہ یہ سنت الٰہیہ رہی ہے کہ جب کسی قوم کا کمال کسی خاص امر میں حد سے متجاوز ہونے لگتا۔ اور وہ لوگ اپنے آپ کو اس فن کا خدا سمجھنے لگتے۔ تو اس وقت اس قوم کا غرور اور گھمنڈ توڑنے اور ان کو خدائے وحدہ لا شریک کی ہستی اور قوت قاہرہ منوانے کیلئے اللہ تعالیٰ نبی بھیج دیتا۔ اور اسے اس فن میں ایسا کمال بخشتا کہ اس فن کے کاملین اس کے آگے عاجز آ جاتے اسی کمال کا نام لسانِ شرعی میں معجزہ ہوتا ہے۔

معجزہ کیلئے ضروری ہے کہ کمال کا اظہار ان لوگوں میں کیا جائے جو اس فن کے عالم اور ماہر ہوں۔ جاہلوں کے نزدیک اظہارِ کمال معجزہ نہیں ہوتا۔ مثلاً میں منطق اور فلسفہ پڑھا ہوا ہوں۔ میں ایک گاؤں میں چلا جاتا ہوں۔ جہاں کے بسنے والے علوم فاخرہ سے بالکل جاہل ہیں۔ انہیں اکٹھا کر کے میں کہتا ہوں کہ دیکھو لوگو! میں نبی ہوں۔ میری نبوت پر ایمان لاؤ۔ میرا معجزہ ہے کہ میں منطق اور فلسفہ جانتا ہوں۔ اگر تمہیں انکار ہے تو آؤ میرے ساتھ منطق اور فلسفہ میں مقابلہ کر لو۔ ورنہ مجھے نبی مانو۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ عاجز آ جائیں گے کیونکہ وہ جاہل ہیں۔ منطق اور فلسفہ کیا جانیں۔ لیکن کیا یہ میرا کمال ہے؟ انہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ میں جھوٹا ہوں اور فریبی۔ مزا تو جب تھا کہ میں ایسا دعویٰ کاملین فن منطق و فلسفہ کے سامنے کرتا نہ کہ جہال کے روبرو۔

دیکھئے حضرت موسیٰؑ آئے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ جادو کا زور تھا (BLACK MAGIC) یعنی کالے جادو میں لوگ کمال رکھتے تھے اور جادو کے زور پر ہی فرعون خدائی کا دعویٰ کر رہا تھا وہ کہتا تھا۔ انا ربکم الاعلیٰ (پ نازعات ع) خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو بھیجا۔ اور آپ کو معجزہ کے طور پر ایک عصا دیا جس میں حیرت انگیز معجزے تھے۔ ضرورت کے وقت حضرت موسیٰؑ اسے زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ وہ ہرا بھرا درخت بن جاتا تھا۔ اس کے ساتھ پھل لگتے تھے جو کھاتے تھے۔ پانی کی ضرورت ہوتی تھی تو زمین پر مارتے تھے۔ پانی کے چشمے پھوٹ نکلے۔ روشنی کی ضرورت ہوتی تھی تو سامنے کرتے تھے۔

مثل ٹارچ (TORCH) کی طرح اس سے روشنی کی شعاعیں نکلتی تھیں۔
ایک اور معجزہ تھا۔ جب پھینکتے تھے۔ تو اژدہا بن جاتا تھا۔ حضرت موسیٰ فرعون کے مقابلہ پر آئے تو فرعون نے ایک دن مقرر کیا۔ کون سا دن؟ قال موعدکم یوم الزینۃ (پ طٰہٰ) یوم زینت یعنی عید کا دن۔ تمام رعایا کو اکٹھا کیا۔ بڑے بڑے کامل جادوگر منگائے گئے۔ مقابلہ شروع ہو گیا۔ پہلے جادوگروں نے اپنا کمال دکھایا۔ وہ رسیوں میں پارہ بھر لائے تھے۔ جب انہوں نے وہ رسیاں زمین پر پھینکیں سورج کی گرمی سے پارہ اچھلنے لگا اور رسیاں چلنے پھرنے لگیں۔ لوگوں کی نظروں کو دھوکا ہوا۔ وہ سمجھے سانپ ہیں فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعیٰ (پ طٰہٰ) ترجمہ۔ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے ایسی معلوم ہونے لگیں کہ دوڑ رہی ہیں۔
جناب موسیٰ کو خدا نے فرمایا۔ الق ما فی یمینک تلقف ما صنعوا انما صنعوا کید سٰحر ولا یفلح السٰحر حیث اتیٰ (پ طٰہٰ) ترجمہ۔ اے موسیٰ حیران کیوں کھڑے ہو۔ تم بھی اپنا عصا ڈال دو۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے۔ یہ اسے ہڑپ کر جائیگا۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے۔ جادوگروں کا کرتب ہی تو ہے اور جادوگر جہاں بھی سامنے آئے کامیاب نہ ہوگا۔ فاذا ھی حیۃ تسعیٰ (پ طٰہٰ) دیکھا کہ وہ عصا ایک اژدہا بن گیا۔ اور بھاگ بھاگ کر جادوگروں کی رسیوں کو جو سانپ نظر آتی تھیں کھا گیا۔ ساری رسیاں ہڑپ کر گیا۔ اب موسیٰ خاموش کھڑے ہیں۔ خدا نے فرمایا۔ یا موسیٰ اقبل ولا تخف (پ قصص ع) اے موسیٰ۔ آپ خوف نہ کھائیں آگے بڑھیں۔ انی لا یخاف لدی المرسلون (پ نمل ع) میرے رسول خوف نہیں کھایا کرتے۔ آگے بڑھ کر اس اژدہا کی دم پکڑ لیں۔ سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ (پ طٰہٰ) ہم اس کو اس کی پہلی اور اصلی سیرت پر لوٹا دینگے۔
غور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی "صورت" نہیں فرمایا۔ بلکہ "سیرت" فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ جادوگروں نے صرف صورت بدل دی تھی۔ ورنہ وہ حقیقت میں رسیاں ہی تھیں۔ لیکن خدائی کمال یہ تھا۔ کہ صورت اور سیرت دونو بدل گئی تھیں۔ اب جو حضرت موسیٰ نے عصا کو اٹھایا۔ تو نہ موٹا تھا نہ چھوٹا نہ زیادہ لمبا تھا نہ پتلا۔ جادوگروں نے اسے دیکھا۔ اچھی طرح سے پرکھا۔ معلوم ہوا کہ عصا ہی ہے۔ اس کا وزن بھی اتنا ہی ہے۔ اب وہ حیران ہوئے کہ جادو میں کمال صرف یہ ہے کہ نظربندی ہو جاتی ہے شکل بدل دی جاتی ہے۔ لیکن مادہ معدوم نہیں ہو سکتا۔ یہاں وہ حیران تھے کہ ان کی رسیاں اور پارہ کدھر گئے؟ اگر عصا موٹا یا لمبا ہو جاتا۔ یا اس کا وزن بڑھ جاتا۔ تو وہ سمجھتے کہ رسیوں اور پارے کے مادہ سے مل کر بڑھا ہے۔ لیکن وہ تو جوں کا توں تھا۔

جادوگر مان گئے۔ کہ مادہ کا معدوم کرنے والا خدا ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا پکار اٹھے آمنا برب العالمین ۰ رب موسیٰ وھارون ۰ (پ شعراء) ہم نے تمام جہانوں کے پروردگار کو اپنا خدا مان لیا ہم نے موسیٰ اور ہارون کے پروردگار کو مان لیا۔ اور اس پر ایمان لے آئے۔

اس کا نام ہے معجزہ۔ کہ جادوگروں کے کمال کو باطل کر دکھایا۔

اور سنئے۔ حضرت عیسےٰ تشریف لائے۔ آپ کے زمانہ میں طبابت زوروں پر تھا۔ خواہ کسی قسم کا بیمار ہو۔ زندگی ختم نہ ہو گئی۔ آخری سانس ہو۔ طبیب آئے۔ ایک چٹکی دوائی دی۔ اور بیمار تندرست ہو گیا۔ یہ طبابت کا کمال تھا۔ یہاں تک کہ ایک حوض بنا رکھا تھا جس میں اپاہج اترا کرتے تھے ایک خاص وقت میں زنجیر ہلائی جاتی تھی۔ جو اس حوض کے اندر پانی میں پڑی رہتی تھی۔ اس کے ہلنے کے وقت جو مریض اس تالاب میں اتار دیا جاتا تھا۔ فوراً تندرست ہو کر نکل آتا تھا۔

طبیبوں کے پاس دوائی ہوتی تھی خطمی خبازی بنفشہ۔ ترنجبین سکنجبین عناب۔ سپستان۔ معجونیں۔ شربت۔ عرق۔ خمیرے۔ کشتے وغیرہ وغیرہ۔ حضرت عیسےٰ آئے۔ کوئی دوائی ساتھ نہ تھی۔ بحکم خداتعالیٰ کہ جو مریض لاعلاج ہو۔ تمام باکمال اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے ہوں۔ ایسے مریض کا علاج کرنا۔ چنانچہ جس مریض کی نسبت کامل طبیب کہہ دیتے تھے کہ بس یہ لاعلاج ہے۔ اور اس کی موت واقع ہو جاتی تھی حضرت عیسےٰ آتے تھے۔ ان کے پاس خطمی۔ خبازی۔ بنفشہ۔ عناب نہیں ہوتے تھے نہ ہی معجونیں۔ شربت اور کشتہ جات۔ آپ آتے تھے اور پاؤں کی ٹھوکر لگا کر کہتے تھے۔ قم باذن اللہ۔ اٹھو۔ خدا کے حکم سے۔ وہ مردہ فوراً زندہ ہو جاتا تھا۔ اطباء نے آپ کا کمال مان لیا۔ اور ان کے آگے گھٹنے ٹیک دئے۔

حضرت داؤدؑ کے وقت لوہار بہت تھے۔ جو اپنے فن میں کامل تھے۔ لوہا پگھلا پگھلا کر ہزاروں چیزیں بنایا کرتے تھے۔ حضرت داؤدؑ آئے ارشاد ہوا۔ والنا لہ الحدید.... وقدر فی السرد (پ سبا) خدا نے حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہا موم کر دیا۔ وہ ایسے ہی ٹھنڈا لوہا لیتے تھے۔ اور بغیر گرم کئے۔ پگھلائے اور ہتھوڑا سے کوٹے اپنے ہاتھوں سے ہی توڑ موڑ کر زرہ بکتر وغیرہ بنا لیا کرتے تھے لوگوں نے آپ کا خدائی کمال مان لیا۔

خیر۔ مختصر طور پر یہ ہے۔ کہ بالآخر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ آپؐ کے وقت میں دو چیزوں کا کمال تھا۔ فصاحت اور شجاعت۔

فصاحت کا یہ حال تھا۔ کہ یہ لوگ اپنے آپ کو "عرب" کہتے ہیں اور باقی سب دنیا کو عجم۔ عرب کے معنے "جو فصیح الکلام ہو" عجم کے معنے گونگا۔ یعنی جو فصیح نہ ہو +

عرب کی فصاحت کی کہانیاں مشہور ہیں۔ سال بسال میلہ لگتا تھا جہاں شعرائے عرب اپنا اپنا کلام سناتے تھے۔ جو کلام سب سے اعلیٰ اور لاجواب مانا جاتا تھا اسے سونے کے حروف سے لکھ کر کعبہ کے اندر لٹکا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپؐ کی بعثت کے وقت کعبہ میں سات ایسی نظمیں آویزاں تھیں جو آج تک سبعہ معلقہ کے نام سے مشہور ہیں۔

سب سے پہلی اور اعلیٰ نظم عرب کے مشہور شاعر امراؤالقیس کی تھی۔ اور باقی چھ دوسرے باکمال شعراء کی تھیں۔ آنحضور صلعم کی بعثت کے بعد جب حسب دستور میلہ لگا۔ تو آپؐ نے خانہ کعبہ کے اندر سورہ کوثر کی آیات " انا اعطینٰک الکوثر ہ فصل لربک وانحر ہ ان شانئک ھو الابتر لٹکا دیں اور فرمایا کہ اس کی مثل لاؤ۔ لوگ عاجز آگئے۔ اور آخر بڑی سوچ بچار اور کئی دن کے غور و خوض کے بعد اپنا عجز ظاہر کر دیا۔ اور یہ لکھ کر کہ ماھذا من کلام البشر ہ یعنی انا اعطینٰک الکوثر ہ فصل لربک وانحر ہ ان شانئک ھو الابتر ہ سبعہ معلقہ (سات مشہور نظمیں) اتار کر زمین پر پھینک دیں۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید ہاتھوں میں لے کر سب دنیا کے فصحا اور بلغا کو چیلنج دے دیا کہ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین ہ (پ بقرع) ترجمہ:۔ کہدو اے رسول۔ کہ جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے یعنی قرآن۔ اگر تمہیں اس میں کچھ شک ہو تو ویسی ایک ہی سورۃ تم بھی بنا لاؤ۔ اور اگر تم اپنے دعوےٰ میں سچے ہو تو خدا کے سوا اپنے سب گواہوں اور مددگاروں کو بھی بلا لو۔

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ خداوند عالم نے ہر نبی اور رسول ... کو ایک ایک کتاب یا صحیفہ دیا لیکن باوجودیکہ یہ کتابیں یا صحیفے الہامی من جانب اللہ تھے۔ مگر ان کی حیثیت معجزانہ نہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے کسی کتاب یا صحیفہ سے تحدی نہ کی تھی۔ نہ ہی اسے معجزہ قرار دیا تھا۔ البتہ آخری تاجدار نبوت پر جو کتاب بصورت قرآن نازل فرمائی۔ اسے معجزہ قرار دیا۔ اور اس سے پر زور تحدی کی گئی۔ اور اس کی مثل لانے کا مطالبہ کیا گیا۔ لطف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی بطور پیشگوئی ارشاد فرما دیا:۔
فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین (پ بقرع) ترجمہ پس اگر تم ایسا نہ کر سکے یعنی اس کی مثل نہ لا سکے اور یاد رکھو کہ تم ہرگز ہرگز اس قرآن کی مثل ایک سورت لانے پر قادر نہ ہو سکو گے پس تم اس آگ سے ڈرو اور دوزخ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اور وہ کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

کس زور کی تحدی ہے۔ اور کتنی زبردست پیشینگوئی ہے۔ ذرا لفظ "لن تفعلوا" پر غور فرمائیں۔ صرف ونحو میں "لن" نفی ابدی کیلئے آتا ہے یعنی آئندہ کے زمانہ میں ابد تک جس کی انتہا قیامت سے بھی آگے ہے۔ تم اس کی مثل نہ لا سکو گے۔ چنانچہ یہ پیشینگوئی آج چودہ سو سال گزر جانے پر بھی جوں کی توں لاجواب پڑی ہے اور کوئی عالم فاضل اس قرآن کی ایک آیت کی مثل لانے پر بھی قادر نہیں ہو سکا۔ یہی قرآن کا سب سے بڑا زندہ معجزہ ہے۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحدی اور مثل لانے کا مطالبہ صرف ایک بار ہی نہیں کیا گیا۔ بلکہ دنیا بھر کے فصحاء اور بلغاء کو کئی بار چیلنج دے کر للکارا گیا۔ لیکن کیا مجال جو کوئی جرأت کرے۔ حالانکہ عرب کی فصاحت و بلاغت دنیا میں مانی ہوئی تھی۔ اور خداوند عالم نے بربار انہیں رعایتیں بھی دیں۔ مثلاً ایک دفعہ تمام قرآن کی مثل لانے کا مطالبہ کیا اور ارشاد فرمایا:-

ام یقولون تقولہ ۰ بل لا یومنون ۰ فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین (پ۲۷ الطور)

ترجمہ۔ کیا وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ قرآن اپنے دل سے گھڑ لیا ہے؟ بات یہ ہے کہ وہ ایمان ہی نہیں رکھتے۔ پھر اگر وہ (اپنے اس دعویٰ میں) سچے ہیں۔ تو وہ بھی اس قرآن کی مثل ایک قرآن بنا لائیں۔

اس آیہ مجیدہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام قرآن کی مثل لانے کا مطالبہ فرمایا۔ لیکن باوجود سخت مخالفت کے وہ لوگ اس کی مثل لانے سے عاجز آگئے۔ چنانچہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا: قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل ع۱۰) ترجمہ۔ کہدو اے میرے رسول کہ اگر تمام انسان اور تمام جن دونوں کر بھی یہ کوشش کریں کہ اس قرآن مجید کی مثل لا سکیں۔ تو ہرگز ہرگز اس کی مثل نہ لا سکینگے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ دیکھئے صداقت قرآن اور اس کا اعجاز۔ کن زوردار لفظوں میں تحدی کی گئی ہے اور ساتھ ہی پیشینگوئی بھی فرما دی کہ اس کی مثل لانے پر نہ انسان ہی قادر ہو سکینگے نہ جن اور نہ دونوں مل کر بھی۔ یہ پیشینگوئی آج تک حرف بحرف پوری ہو رہی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مخالفین نے زبانی زبانی کہہ دیا کہ لو نشاء لقلنا مثل ھذا (پ۹ انفال ع۴) یعنی اگر ہم چاہیں تو ایسا قرآن بنا سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ رہا قرآن کی مثل لانے پر قادر نہ ہو سکے۔

یہ اور بات ہے کہ مسیلمہ کذاب نے قرآن مجید کی سورہ "الفیل" کے مقابلہ میں ایک اسی نام کی سورت بنا کر لوگوں کے پیش کر دی۔ لیکن ذرا سنئے۔ کہ وہ سورت کیا ہے؟

الفیل ما الفیل ٭ وما ادراك ما الفیل له خرطوم طویل ٭ و ذنبٌ وبیل ٭
ترجمہ: ہاتھی کیا ہاتھی - اور تو کیا جانے کیا ہے ہاتھی ؟ اس کی بہت لمبی سونڈ اور دم گچھے دار۔
سبحان اللہ - یہ قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ استغفر اللہ
جب مخالفین سارے قرآن مجید کی مثل لانے سے عاجز آگئے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں رعایت دے دی اور فرمایا۔ ام یقولون افترٰہ ۔ قل فاتوا بعشر سُوَرٍ مثلہٖ مفتریٰتٍ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین ٭ (پ ۱۲ ھود ع ۲) ترجمہ- کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو جھوٹ موٹ گھڑ لیا ہے۔ کہدو اے پیغمبر کہ تم بھی ایسی ہی جھوٹ موٹ بنائی ہوئی دس سورتیں ہی لے آؤ۔ اور اگر تم سچے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا جنکو تم بلا سکتے ہو۔ ان کو بھی بلا لو۔
دیکھئے اللہ تعالیٰ کس قدر رعایت دے رہا ہے کہ اگر تم پورا قرآن بنانے پر قادر نہیں ہو تو نہ سہی چلو اس کی مثل دس سورتیں ہی لے آؤ۔ اللہ اللہ ! کہاں پورے قرآن کا معاوضہ لانے کی تحدی اور کہاں صرف دس سورتیں طلب کی گئیں۔ لیکن قرآن مجید کی صداقت اور اعجاز دیکھئے۔ کہ وہ لوگ اس رعایت سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اور دس سورتیں بنانے پر قادر نہ ہو سکے۔ مگر خداوند عالم کو چونکہ ان کے اس غلط عقیدہ کو باطل کرنا مقصود تھا۔ اور ان کو راہ راست پر لانا مدنظر تھا۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے انہیں اور ڈھیل دی اور کہا۔ ام یقولون افترٰہ ۔ قل فاتوا بسورۃٍ مثلہٖ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین ٭ (پ ۱۱ یونس ع ۴) کیا وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ قرآن جھوٹ موٹ گھڑ لیا ہے۔ اے میرے حبیبؐ۔ انہیں کہدو۔ کہ (اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو) تم اس کی مانند ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ اور اگر تم سچے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو
ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سارے قرآن کی مثل لانے کا مطالبہ فرمایا۔ جب وہ نہ لا سکے۔ تو رعایت دے کر دس سورتیں بنا لانے کیلئے کہا جب اس سے بھی عاجز آگئے تو ارشاد فرمایا کہ چلو ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ لیکن وہ لوگ اس پر بھی قادر نہ ہو سکے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ حتمی پیشینگوئی "لن تفعلوا" کہ تم ہرگز ہرگز اس کی مثل لانے پر تا ابد قادر نہ ہو سکو گے۔ کس طرح پوری ہو رہی ہے
اس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن کی زبان عربی ہے۔ اور دنیا میں کروڑوں عربی کے عالم فاضل موجود ہیں۔ مخالفین اسلام میں بھی جن کی عمریں مخالفت اسلام میں گذر گئی ہیں۔ بڑے بڑے ودوان اور عربی زبان کے عالم اور فاضل موجود ہیں۔ جو رات دن قرآن مجید کے الہامی کتاب ہونے پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں لیکن باوجود ہمہ وہ آج تک اس بات پر قادر نہیں ہو سکے۔ کہ اس پورے قرآن کی مثل تو درکنار

ایک سورت کی شکل ہی لا سکیں۔ اس سے بڑھ کر صداقت اور اعجاز قرآن کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں میں بھی بڑے بڑے عالم اور عربی کے فاضل گذرے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب بھی موجود ہیں۔ مثلاً دربار اکبری کے نورتن میں سے ایک علامہ فیضی بھی تھا۔ جو علاوہ عربی کے سنسکرت کا بھی ایک جید عالم تھا۔ اس کا عربی کا بے مثل فاضل ہونے کا ثبوت اس کی تصنیفات سے مل سکتا ہے۔ مثلاً اس نے قرآن مجید کی ایک تفسیر غیر منقوط لکھی جس کا نام "سواطع الالہام" ہے اگر آپ اسے ملاحظہ فرمائیں تو حیران رہ جائیں گے۔ کہ فصاحت و بلاغت کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے لیکن اس کا قرآن مجید سے کیا تقابل؟ قرآن مجید کا علاوہ فصاحت و بلاغت۔ قصص۔ امثال مواعظ وعید۔ نصائح۔ اخلاق وغیرہ وغیرہ سے پُر ہونے کے سب سے بڑا کمال اور معجزہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے جہاں جہاں کوئی لفظ یا حرف رکھ دیا ہے۔ وہاں سے بدلا نہیں جا سکتا۔ اگر اس لفظ کا کوئی مترادف لفظ وہاں رکھ دیا جائے تو فوراً چوری پکڑی جاتی ہے۔ اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ "الہامی" نہیں۔ بلکہ "الحاقی" ہے۔ دیکھئے میں ایک آدھ مثالیں دے کر اس مضمون کو واضح کرتا ہوں۔ قرآن مجید کی آیات میں منجملہ کروڑوں خوبیوں کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے الفاظ ادا کرنے سے وہ کیفیت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے جس کا مفہوم وہ آیت ظاہر کرنا چاہتی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر خداوند عالم بجلی کی کڑک کو اس کے تسبیح کرنے سے تعبیر کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ یسبح الرعد بحمدہٖ والملائکۃ من خیفتہ (پ ۱۳ رعد ع ۲) یعنی رعد اس کی حمد کی تسبیح پڑھتا ہے۔ اور کل فرشتے بھی اس کے خوف سے تسبیح پڑھتے ہیں۔ یہاں پر "یسبح" اور "الرعد" کی بجائے "یمجد" اور "البرق" کے الفاظ بھی آ سکتے تھے۔ کہ بجلی اللہ کی حمد کرتی ہے مضمون بھی وہی رہتا اور معانی میں بھی کوئی فرق نہ آتا لیکن جو کیفیت "یسبح الرعد" نے پیدا کی ہے۔ وہ ہرگز حاصل نہ ہو سکتی یسبح کی "حا" کو تشدید دے کر جب "الرعد" کی مشدد "را" سے ادغام کیا گیا۔ یعنی مشدد "ح" کو مشدد "ر" سے ملایا گیا۔ تو یہ لفظ ادا کرنے سے منہ کے اندر تالو سے ایک آواز نکلی۔ جو بالکل بجلی کی کڑک سے مشابہ ہے۔ گویا ان دونوں حرفوں کے ادغام نے منہ کے اندر تالو کے آسمان پر ایک چھوٹی سی بجلی کی کڑک پیدا کر دی جس سے وہ مفہوم جو آیہ مجیدہ پیدا کرنا چاہتی تھی۔ الفاظ کے ادا کرنے کے ساتھ ہی خود بخود پیدا ہو گیا۔ اور بغیر مطلب سمجھے اس آیت کا مفہوم خود بخود ذہن نشین ہو گیا۔ فرمائیے کیا ایسی صفت "یسبح الرعد" کے مترادف الفاظ لانے سے پیدا ہو سکتی تھی؟ ہرگز نہیں۔

آگے بڑھئے۔ قاعدہ ہے کہ جب بجلی کڑکے تو اس کی آواز سے ہر شخص کا دل [illegible]

کتنا ہی دلیر کیوں نہ ہو۔ اور خوف کی وجہ سے دونوں ہونٹ آپس میں چپک جاتے ہیں۔ اور انسان ایک لمحہ کیلئے دم بخود ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت "یسبح الرعد" کے بعد "بحمدہٖ" لانے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر آپ "یسبح الرعد" ادا کر کے اپنے تالوؤں میں بجلی کی ایک چھوٹی سی کڑک پیدا کر لیجئے اور اس کے بعد فوراً ہی "بحمدہٖ" ادا کریگے۔ تو ادائیگی کے وقت نہایت خفیف لمحہ کیلئے آپ کے دونوں ہونٹ مل جائینگے اور "م" ادا کرنے کے بعد "دہٖ" تک پہنچیں۔ آپ کا دم رکنے لگے گا۔ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

خوف کے بعد جو دوسری کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ آواز اور گلے کا زیر و بم ہوتا ہے۔ یعنی بعض اوقات منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے اور اس کے بعد پھر آواز دھیمی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس آیت کا باقی ٹکڑا "والملائکۃ من خیفتہٖ" سے یہی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ملائکۃ میں "الف" کے اوپر مد ہے جسے علم تجوید کے قاعدہ کے مطابق خوب لمبا کھینچا جاتا ہے۔ اتنا لمبا کہ سانس ٹوٹنے لگے۔ چنانچہ یسبح الرعد کے خوف کے بعد ملائکہ کا لفظ مد کے ساتھ ادا کریں۔ تو منہ کھلے کا کھلا رہ جاتا ہے۔ تا اینکہ دم گھٹنے لگتا ہے۔ اس کے بعد "من خیفتہٖ" ادا کریں۔ تو آواز پھر دھیمی ہو جاتی ہے اور وہ بھی اس قدر دھیمی کہ گویا بولنے والا زمین میں گڑا جا رہا ہے۔

کہئے کیا یہ کیفیت الفاظ کے بدلنے سے پیدا کی جا سکتی ہے؟ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا اعجازی کلام۔ جس نے دنیا کے فصحی اور بلغاء سے اپنی فصاحت اور بلاغت کا لوہا منوا لیا۔ اور آج تک کوئی دشمن اسلام باوجود ادعائے علم و فضل قرآن مجید کی مثل ایک آیت بھی بنانے پر قادر نہ ہو سکا۔

ایک اور مثال سنئے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ ایک ظالم کا ذکر کرتا ہے۔ جو قیامت کے دن اپنے ظلم و ستم کی سزا دیکھ کر دانت پیسے گا۔ اور اپنے ہاتھ کاٹیگا۔ اس مفہوم اور مضمون کو خداوند عالم نے اس آیہ مجیدہ میں بیان فرما کر اپنی فصاحت و بلاغت پر مہر لگا دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ (پ۱۹ الفرقان ع۳) ترجمہ۔ اور وہ دن جبکہ ایک ظالم اپنے دونو ہاتھ اپنے دانتوں سے کاٹ کھائیگا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یَعَضُّ کے "ضّ" اور الظّالم کی "ظ" کو مشدد اور ادغام کر کے دانتوں سے ہاتھ کاٹنے کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ جب بھی آپ ضّ اور ظ کو ملا کر "یعض" اور "الظالم" کو ادا کریگے۔ آپ کے دانت بھی چپک جائینگے۔ اور ایسے معلوم ہوگا کہ آپ دانت پیس پیس کر اپنے ہاتھ کو کاٹ رہے ہیں۔ بے شک تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ بشرطیکہ صحیح قرات سے ادا کریں اور "ض" کو "ضواد" اور "ظ" کو "ظوئے" ہی پڑھیں۔ "دواد" اور "دوے" نہ پڑھیں۔ اگر خداوند عالم چاہتا تو ظالم کی جگہ کوئی اور مترادف لفظ مثلاً "جابر" وغیرہ رکھ سکتا تھا۔

(بقیہ صفحہ ۳۶ پر)

(تحقیقات) (از سید علی احمد شاہ مدظلہٗ (سابق صدر حکومت آزاد کشمیر)

باب مدینہ علم وحکمت کے فضائل علوم

کتب احادیث اہلسنت سے

(علم قرآن وتفسیر)

(۱) رسولؐ اللہ نے فرمایا میں مدینۂ علم (الٰہیہ) ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے۔
(الترمذی ج۲ و مشکوٰۃ جلد چہارم مناقب علیؑ باب الثانی)

(۲) رسولؐ اللہ نے فرمایا میں مدینہ (شہر حکمت (الٰہیہ) ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے۔
(مشکوٰۃ جلد چہارم مناقب علیؑ فصل الثانی)

(۳) رسولؐ اللہ نے فرمایا میرے اہلبیت بہشتی متقین ہیں اور کتاب اللہ اور میرے علم احادیث کے وارث ہیں۔ (تفسیر در منثور جلد ۳ روایت ابو ہریرہ)

(۴) رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ علیؑ تمام اصحاب سے زیادہ اعلم ہیں علم نبوت کا دروازہ ہیں جو علم کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ اسی باب سے آئے۔ (۱) ابن عباس طبرانی (۲) ابن حجر عسقلانی۔ (۳) جابر بن عبداللہ (۴) ابن عمر (۵) حافظ علائیؒ (۶) عقیل بن عدی (۷) بغوی (۸) ابونعیم (۹) مودۃ القربیٰ علی ہمدانی (۱۰) ینابیع المودت ص۷۲)

(۵) رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ علیؑ امت میں میرے بعد سب سے زیادہ عالم علم ہے (دیلمی بروایت سلیمان فارسیؓ)

(۶) عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا علیؑ کے علم کے صرف دسویں حصہ میں تمام اصحاب شریک ہیں۔
(استیعاب ابن عبدالبر)

(۷) علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے جب تک حوض کوثر پہ دونوں وارد نہ ہوں۔ (۱) طبرانی فی اوسط بروایت ام المومنین ام سلمہؓ (۲) دیلمی ابن مردویہ (۳) صواعق محرقہ (۴) منصب امامت محمد اسمٰعیل شہید ص۳۹ (۵) سپہر امامت شیخ احمد حسین)

(۸) علیؑ عندہٗ (اللہ) علم الکتاب ہیں۔ (۱) قرآن مجید (۲) ثعلبی بروایت ابوہریرہ و محمد حنفیہ)

(۹) علیؑ قرآن ناطق۔ قرآن ثانی احد الثقلین ہے۔ (۱) علیہی خیر البشر ص۲۹ (۲) منصب امامت محمد اسمٰعیل شہید ص۲ (۳) خوارزمی بروایت ابن عباسؓ)

(۱۰) علیؑ نے فرمایا قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ وہ کس امر میں

نازل ہوئی۔ کہاں نازل ہوئی۔ کس واسطے نازل ہوئی۔ بیشک اللہ نے مجھے دل عاقل (دانا) اور زبان ناطق (قرآن) عطا کی ہے۔ (تاریخ الخلفا۔ ابن سعد)

(۱) عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ ایک رات بسم اللہ کے نقطہ ب کی شرح علیؑ کرنے لگے تو صبح ہوگئی مگر ابھی تفسیر پوری نہ ہوئی مجھے اپنا نفس ان کے سامنے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بحر زخار کے مقابلہ میں ایک فوارہ ہے۔ (بروایت ابن عباس فقہ ابن رلی)

(۲) علیؑ نے فرمایا اہل توریت کے لئے توریت سے اہل زبور کے لئے زبور سے اور اہل انجیل کے لئے انجیل سے اور اہل قرآن کے لئے قرآن کے مطابق حکم دے سکتا ہوں دکرونگا۔

(۱) امام فخرالدین رازی فی اربعین (۲) مودۃ القربا علی ہمدانی)

(۳) (الف) محمد بن سیرین نے عکرمہ سے پوچھا کیا اصحابہ نے قرآن جمع کیا ہے ایسی تالیف (جیسا کہ علیؑ نے قرآن جمع مطابق تنزیل کیا) اگر کرنا چاہیں تو وہ (اصحابہ) ہرگز نہیں کرسکیں گے۔ (روایت ابو داؤد)

(ب) علیؑ نے (تنزیل کے مطابق) جو قرآن جمع کیا ہے تو اس سے بہت کچھ (بہتر علم حاصل ہوتا۔ (تاریخ الخلفا۔ سیوطی محمد بن سیرین)

(علم احادیث)

(۴) علیؑ سے لوگوں (اصحابہ) نے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ سب اصحابہ سے زیادہ (قرآن کی تفسیر میں) احادیث رسول اللہ روایت فرماتے ہیں فرمایا۔ جب میں حضرت رسولؐ سے دریافت کرتا تو مجھے بیان فرما دیتے۔ اور جب میں چپ رہتا تھا تو حضرت بتدا (خود) فرماتے تھے۔ (۱) ابن حجر صواعق محرقہ (۲) کنزل اعمال علی متقی)

علم فقہ دین

(۵) مسروق کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے اصحاب حضرت عمرؓ۔ عبداللہؓ بن مسعود۔ معاذؓ بن جبل۔ زیدؓ بن ثابت۔ علی ابن ابوطالبؑ پانچوں کو علم فقہ (قضا و عدل) میں سونگھا (آزمایا) تو معلوم ہوا کہ علم فقہ دو اصحاب کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ علیؑ و عبداللہ بن مسعود پر۔ پھر میں نے دونوں کو سونگھا تو معلوم ہوا کہ علیؑ۔ عبداللہ بن مسعود پر (بہت) فضیلت علم رکھتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے وقت علیؑ ہی زیادہ تر منصب قضا (اعلیٰ) پر فائز تھے۔ ان کے حاضر ہوتے اور کوئی قضا نہ کرتا تھا۔ (۱) خوارزمی (۲) تذکرۃ الخواص بسبط ابن جوزی ص۲۹)

(علم قضا و عدل)

(۱۶) رسولؐ اللہ نے فرمایا علیؑ ابن ابوطالب میری امت میں سب سے زیادہ معاملات کا فیصلہ (قضا) کرنے والا ہے۔ وہ قاضی امت ہے۔ (۱) المصابیح بروایت انس بن مالک (۲) ترمذی (۳) مسلم)

(علم فرائض)

(۱۷) عبداللہؓ بن مسعود نے کہا مدینہ میں علیؑ بن ابوطالب سب اصحابہ سے زیادہ علم فرائض کا علم جاننے والے تھے (استیعاب بروایت عبداللہ بن عمر)

(علم کلام)

(۱۸) متکلمین کے جتنے فرقے ہیں۔ وہ سب علیؑ ابن ابوطالبؑ کی طرف منتہی ہوتے ہیں (امام رازی اربعین میں)

(علم تصوف و حقائق)

(۱۹) جنیدؒ فرماتے ہیں کہ علیؑ ابن ابی طالب ہمارے پیش رو امر تصوف اسرار دلوں کے ہیں۔
(الف) جو بعد ہمارے نبی ہم نے اُن کے حقائق کی طرف ایما کیا۔ (خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب)

(ب) اگر علیؑ ابن ابی طالب کو غزوات سے فراغت ملتی تو ہمارے لئے علم حقائق و تصوف کے متعلق وہ معلومات نقل کی جاتیں جن سے دل متحمل نہ ہو سکتے۔ (رسالہ خواجہ محمد پارسا)

(علم نحو)

(۲۰) ابوالاسود دوئلی روایت کرتے ہیں کہ علیؑ کو متفکر میں دیکھا گردن جھکائے فکر میں ہیں پوچھا امیر المؤمنین کیا فکر ہے فرمایا شہر میں لوگ زبان عربی میں غلطیاں کرتے سنا ہے۔ عربی زبان کی قواعد کی کتاب لکھتا ہوں۔ میں نے عرض کی ہمیں زندہ فرمادیں کہ صحیح زبان فصیح باقی رہے۔ تین دن کے بعد حاضر ہوا۔ تو کتاب نحو تصنیف کردہ سے مجھے قواعد نحو تعلیم کئے۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی بروایت ابوالاسود دوئلی)

(علم فصاحت)

(۲۱) (الف) رسولؐ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت کے ساتھ برگزیدہ کیا اور علیؑ کو علم شجاعت و فصاحت (بلاغت) کے ساتھ ممتاز کیا۔ (ابن الیبوع اندلسی کتاب شفا)

(ب) یحییٰ کا قول ہے کہ میں نے ستر خطبے فصیح امیر علیہ السلام کے یاد کئے ہیں۔ (بروایت عبدالمجید بن یحییٰ)

(۲۲) شعبی روایت کرتے ہیں کہ علیؑ (حضرت داؤد کی طرح) سب سے بہتر و زیادہ اشعار حکمت

کہنے والے تھے۔ آپ کا دیوان مشہور خاص و عام ہے۔ (تاریخ الخلفا سیوطی)

(علم حساب)

(۲۳) علامہ عبد البر نے حساب کے علم کو ظاہر کرنے کے لئے علی علیہ السلام کے کئی فیصلے قضا (وراثت) وغیرہ نقل کئے ہیں۔ (استیعاب علامہ ابن عبد البر)

(علم ہیئت)

(۲۴) ابو عبد اللہ نے فرمایا علم ہیئت (فلکیاتؑ) انبیاء کا علم ہے۔ جناب امیر علیہ السلام سب لوگوں سے زیادہ علم ہیئت و اسرار کو جانتے تھے۔ (۱) ابن طاؤس (۲) یونس بن عبد الرحمان)

(علم کتابتِ کاتب)

(۲۵) علیؑ فرماتے ہیں خط میں مہارت تامہ (میری طرح) رکھو تم پر واجب ہے کہ اولاد کو خوشخطی بھی سکھاؤ کیونکہ وہ بھی رزق کی ایک کنجی ہے۔ (اقوال وارشادات علیؑ)

(علم جفر و جامعہ اسرار)

(۲۶) گروہ علما سے روایت ہے کہ امام علیؑ نے اٹھائیس حروف کو جفر کی جلد میں سط اعظم کے طریق پر وضع کیا تھا۔ اس طریق مخصوص و شرائط معینہ سے اسرار لوح و قضا و قدر ناہیں معلوم ہو سکتے تھے — علم صرف اہلبیت ہی کا ورثہ ہے۔ (علامہ حلبی کشف الظنون میں)

(علم ارواح۔ خیال و خواب کی تعبیر)

(۲۷) حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا ابو الحسن تین باتیں آپ سے پوچھتا ہوں۔۔۔ ۔۔۔ آپ مجھے آگاہ کیجئے۔ ایک آدمی ایک سے محبت کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی اس نے کوئی نیکی نہیں دیکھی۔ ایک آدمی ایک سے بغض رکھتا ہے۔ حالانکہ اس نے اس کی کوئی برائی نہیں دیکھی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ روحیں ہوا میں لشکر صف بستہ کی صورت میں باہم پھرتی ہیں۔ اور بو سونگھتی ہیں جس سے اُن کو پہچان ہو جانے محبت کرتے ہیں۔ جن سے نفرت ہو اُن سے اختلاف کرتے ہیں۔ دوسری بات حضرت عمر نے پوچھی کہ انسان بات کرتا اُس کا آگے ذکر بھول جاتا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا رسول اللہ سے سنا ہے۔ کوئی دل ایسا نہیں کہ اُن پر مثل قمر کے خیال کا بادل نہ ہو جب اس پر بادل ہوتا ہے تو روشن ہوتا ہے۔ جب بادل (خیال) ہٹ جاتا ہے۔ تو وہ تاریک ہو جاتا ہے (اس لئے بھول جاتا ہے) حضرت عمر نے پوچھا تیسری بات یہ ہے۔ آدمی خواب دیکھتا ہے تو بعض

خواب سچا ہوتا ہے۔ اور بعض جھوٹا ہوتا ہے حضرت علیؑ نے فرمایا کوئی مرد و عورت ایسا نہیں کہ وہ سوئے اور اُس کی روح عرش کی طرف پرواز نہ کرتی ہو۔ پس جو روح عرش کے قریب جا کر بیدار ہوتی ہے اُس کا خواب سچا ہوتا ہے ورنہ جھوٹا۔ حضرت عمر نے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے موت سے پہلے ان تین باتوں کے معلوم کرنے تک پہنچا دیا۔ (۱) طبرانی اوسط میں (۲) دیلمی فردوس الاخبار (۳) ابونعیم حلیۃ الاولیا روایت ابن عمر)

(احسن مجادلہ حاضر جوابی)

(۲۸) علیؑ سے یہود علما نے کہا لوگوں نے نبی (محمدؐ) کے پچیس سال بھی صبر نہ کیا حتیٰ کہ ایک دوسرے کو یہ لوگ قتل کرنے لگے۔ حضرت نے جواب دیا۔ حقیقتاً صبر کرنا بہتر ہے لیکن تمہارے قدم دریا (نیل) سے نکل کر خشک بھی نہ ہونے تھے کہ تم نے موسیٰؑ کو کہا جیسے مصریوں کے خدا تھے ویسے ہی خدا ہم کو بنا دے اور موسیٰ کے طور پر جانے کے چالیس دن کے اندر ہی بچھڑا کی عبادت کرنے لگے۔ (امام احمد حنبل بروایت محمد بن قیس)

(علی حق (قرآن) پر)

(۲۹) رسولؐ اللہ نے فرمایا علیؑ حق (قرآن) پر عمل کرنے والا ہے۔ پس جس نے اس کی پیروی (اتباع) کی۔ اس نے حق کی پیروی کی جس نے علیؑ کو چھوڑا اس نے حق کو چھوڑا۔ یہ پہلے عہد ہو چکا ہے۔
(مسند ابویعلیٰ بروایت ام المومنین ام سلمہ۔ و ابن مردویہ)

عالم سنت رسولؐ

(۳۰) رسولؐ اللہ نے فرمایا علیؑ عالم سنت (اللہ) و سنت رسولؐ ہے۔ (ریاض نضرۃ ص۱۹۳)

(۳۱) فرمایا علیؑ اعلم الناس ہے۔ (کنز جلد ۶ ص۱۵۶)
(۳۲) رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ علیؑ میرے علم کا وارث ہے۔
(۳۳) علیؑ میرے علم کے ترازو کی ڈوریاں ہیں۔
(۳۴) علیؑ تمام امت کے علم سے زیادہ علم رکھنے والا افضل ہے
(۳۵) علیؑ باب حکمت ہے۔ علیؑ کی حکمت نو حصہ ہے اور باقی امت کی ایک حصہ دسواں

(۱) مودۃ القربیٰ علی ہمدانی

(۲) صحیح ترمذی بروایت ابن عباس (۳) مسند ابرار (۴) حلیۃ الاولیا ابونعیم (۵) مشکوٰۃ مظاہر حق تتمہ)

(۳۶) فرمایا علیؑ راسخون فی العلم سے ہے و باب علم (الٰہیہ) ہے۔ (۱) قرآن مجید (۲) ہیر امامت شیخ احمد حسین)

(۳۷) فرمایا علیؑ باب (علم) دین اللہ ہے (۱) دیلمی ص۳۲ و ص۱۵۶ (۲) منصب امامت محمد اسمٰعیل شہید ص۲۰

(۳) مشکوٰۃ جلد چہارم مظاہر حق ترجمہ مناقب)

(۳۸) فرمایا علیؑ علم رسولؐ کا خزانہ ہے (۱) سپہر امامت (۲) کنز جلد ۶ (۳) صغیر سیوطی (۴) مشکوٰۃ مظاہر حق ترجمہ ص۲۲۳)

(۳۹) فرمایا علم اگر جسم ہوتا تو وہ پورا علیؑ ہوتا۔ ((۱) مودۃ القربا علیؑ ہمدانی)

(۴۰) فرمایا علیؑ ثانی قرآن و قرآن منزلت ہے۔ (۱) جزدی المذہب ص۲۴۳ (۲) ینابیع المودۃ باب ۷۴ (۳) خیر البشر عینی (۴) دیلمی ص۱۳۰ (۵) مناوی ص۴۴)

(۴۱) فرمایا علیؑ سہیم قرآن۔ (۱) حاکم جلد ۳ ص۱۲۷ (۲) مسند صغیر طبرانی ص۱۳۹)

(۴۲) علیؑ (بہت بڑا اعظم) عالم قرآن ہے (۱) مسند ابو داؤد الطیالسی ص۲۸۱)

(۴۳) رسول اللہؐ نے فرمایا (اے اصحاب) تم میں سے کون ایسا ہے کہ لوگوں سے قرآن کی تاویل پر اسی طرح جنگ (جہاد کبیرا) کریگا جس طرح میں نے تنزیل پر کیا ہے۔ (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے کہا ہم ہیں (رسول اللہؐ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ ہے (علی رسول اللہ کا جوتا سی رہے تھے) جو میرا جوتا سی رہا ہے۔۔ (۱) حلیۃ الاولیا ابو نعیم (۲) فردوس اخبار (۳) دیلمی ابو سعید خدری)

(سید علیؑ احمد شاہ)

(بقیہ صفحہ ۳۰) مطلب تو نہ بگڑتا۔ معانی بھی وہی رہتے۔ لیکن یہ کیفیت ہرگز ہرگز پیدا نہ ہوتی جو حق اور نظ کے ادغام نے پیدا کر دی ہے۔

مضمون چونکہ طویل ہو رہا ہے۔ اس لئے سر دست انہی دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت بلکہ ایک ایک حرف سے یہ فصاحت و بلاغت اور صداقت و اعجاز ظاہر ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی اگلی اشاعت میں اسی عنوان کے تحت "علوم القرآن" بیان کرینگے۔ اور دکھائینگے کہ دنیا میں جس قدر علوم نکلے ہیں۔ یا جس قدر نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں۔ ان سب کا ذکر بلکہ بعض ایجادات کے بنانے کی ترکیبیں بھی خداوند عالم نے قرآن مجید میں آج سے چودہ سو برس پیشتر با تفصیل بیان فرما دی ہیں۔ انتظار باید کشید۔

بقیہ صفحہ ۳۹

باز در عالم بیار ایام صبح　-　جنگجویاں را بدہ پیغام صلح
نوعِ انسان مزرع و تو حاصلے　-　کاروانِ زندگی را منزلے

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اقبال علیہ الرحمۃ کا پختہ عقیدہ تھا کہ جبتک امام زمانہ ظاہر نہ ہوں۔ کاروانِ دنیا کا اجتماعی طور سے سدھرنا ناممکن ہے۔ البتہ انفرادی طور پر اس نے نائبین الٰہیہ کے کردار کو بطور مثال پیش کر کے ان ہی کے طریقہ اور ان ہی کے اسوہ پر عمل کرنے کی ہر مسلمان مرد و عورت کو تلقین کی ہے (غیاث الدین)

(بہ یادگار حکیم مشرق علیہ الرحمۃ)

(از مدیر معارف اسلام)

اقبال کے عقائد اسلامی

(طول و عرض پاکستان میں بالعموم اور دیگر ممالک میں بالخصوص ۲۱ اپریل کو یوم اقبال منایا جاتا ہے چونکہ سال سوم کا یہ پہلا شمارہ بھی ۲۱ اپریل ہی کو سپرد ڈاک ہو رہا ہے لہذا حکیم ملت کی یاد میں اگر کچھ نہ لکھا جاتا تو ادارہ کی کوتاہی میں شمار ہوتا۔ اقبال کے پیغام کے سلسلہ میں ہزارہا مقالے اور مضامین لکھے گئے۔ مگر مندرجہ بالا عنوان پر بہت ہی کم توجہ دی گئی۔ گو اقبال کے جملہ کلام نظم و نثر کا جان یہی عنوان ہونا چاہیئے جس پر لکھنے کیلئے کم از کم ایک ضخیم جلد درکار ہے۔ ان مختصر صفحات میں اشارتاً اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ادارہ)

سب دنیا جانتی ہے اور قرآن اور تاریخ اس پر شاہد ہیں کہ عہد رسالتمآب صلعم میں مسلمانوں میں فرقہ بندی نہ تھی مسلمان ایک ہی فرقہ میں شمار ہوتے تھے۔ صرف ایک گروہ منافقین کا ان میں چھپا ہوا موجود تھا۔ وہ بھی کسی فرقہ کی طرح باقاعدہ علیحدہ نہ تھا۔ قرآن میں مکمل سورۃ منافقون اور کئی آیات اس پر شاہد ہیں اور تاریخ بھی گواہی دیتی ہے۔ ان منافقین سے علیحدہ جو بھی اہل اسلام تھے ان میں جو علم و عمل میں بڑھ گئے وہ مومن کہلائے۔ اُس خاص گروہ مومنین کا تزکیہ کر کے رسولؐ اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ تمام اذکار قرآن کریم میں موجود ہیں جن سے انکار نہیں۔ فرق مراتب کے لحاظ سے قرب خداؐ و رسولؐ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ حاصل تھا۔ جو کہ ایک فطری امر ہے۔ اقبال علیہ الرحمۃ جو رسالتمآب سے قریباً تیرہ سو سال بعد پیدا ہوئے وہ بھی ایسے ہی مسلمان تھے جو کسی مخصوص فرقہ سے تعلق نہ رکھتے تھے سُنی شیعہ حضرات صوفیا وغیرہ سب ہی اقبال کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ یہاں تک کہ پرویزی جو نیا فرقہ تفسیر بالرائے پر کاربند ہے وہ بھی اقبال ہی کے کلام کو پیش کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے گو اقبال کے کلام کی روح سے چشم پوشی ہے۔ جب اقبال ہر دلعزیز ہے۔ تو اُنکے عقائد پر کیوں نہ توجہ دی جائے تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے کدورتیں دور ہوں اور اتفاق و اتحاد سے منزل ترقی کی طرف گامزن ہو کر اسلامی عروج کا باعث بن سکیں۔

اقبال کا مقام فرقہ بندیوں سے بالا ہے۔ اور کم از کم اپنے آخری دور میں جبکہ وہ اپنے تجربات و تحقیقات میں کامل ہو چکا تھا۔ اُن کے نتائج اقبال کے دماغ میں ایک پختہ اسلامی عقیدہ کی صورت میں پنہاں نظر آتے ہیں اگر اقبال کے تمام کلام نظم و نثر کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو اُس کی زندگی کے مختلف اوقات میں چند موڑ نظر آتے ہیں۔ جن سے ہم اقبال کی اسلامی تحقیقات کے مختلف مدارج سے آشنا ہو سکتے ہیں اور آخر میں اقبال کے عقائد اسلامی

ایسے نمایاں ہوتے ہیں۔ کہ ہر شخص بے ساختہ درود پڑھنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

اقبال نے بر جستہ حرف نہ گفتن کمال گویائی است ــ حدیث خلوتیاں جز برمز و ایمانیست کمگر اشاروں میں باتیں کی ہیں۔ اس لئے اُنکے ہر شعر میں کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ اور کسی مخصوص ہیرو کا تذکرہ ہے۔ اقبال نے مختلف ہستیوں سے کسب فیض کیا۔ جن میں نمایاں شخصیت سرکار علامہ شیخ عبد العلی الہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہٗ کی ہے۔ اقبال نے شیخ کا ذکر بڑے بلند الفاظ میں راجہ سر کشن پرشاد بہادر آنجہانی (سابق صدر اعظم حیدرآباد دکن) کے خط میں کیا ہے جو کہ شاد و اقبال کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ اور مکاتیب اقبال میں بھی موجود ہیں۔ سید سلیمان ندوی مرحوم سے بھی اقبال نے بعض شکوک رفع کرنے کی کوشش کی جس کا ذکر مکاتیب اقبال میں ہے بعض شکوک رفع ہوئے بعض نہ ہوئے اور ان میں اقبال کا عقیدہ پختہ ہوگیا۔ اسی قسم کی دوسری مثالیں آپ کو مکتوبات اقبال میں بکثرت ملینگی۔ اقبال کے تمام کلام کو پڑھ جایئے۔ آپ کو دین کا مفہوم سوائے عشق کے اور کچھ نہ ملیگا۔ جاوید نامہ کے یہ دو شعر توجہ طلب ہیں ؎ زندگی را شرع و آئین است عشق اصل تہذیب است دین دین است عشق

دیں نگردد پختہ بے آداب عشق دیں بگیر از صحبت ارباب عشق

یہ ارباب عشق کون ہیں؟ جن سے دین حاصل کرنے کی تلقین کی گئی عشق کو دین کی اساس قرار دینے کے بعد ارباب عشق کا تعارف ضروری ہوگیا۔ چنانچہ مثنوی اسرار و رموز میں ابنائے رسول الثقلین حضرات حسنین علیہم السلام کو "مرکز پرکار عشق" اور "قافلہ سالار عشق" اور "امام عاشقاں" کہکر اقبال نے فیصلہ دیدیا کہ دین اگر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ تو محض ان مقدسین ہی سے۔ ہمارا طریق نماز۔ ہماری تمام فقہ اور ہمارا تمام دستور العمل حیات محض ان مقدسین ہی کے فرمان کے مطابق ہونا چاہئے نہ کہ غیر اہلبیتؑ سے حاصل کیا جائے۔ اقبال اس سے آگے ایک قدم اور بڑھ گیا۔ گو اس نے عشق کو بنیاد یا مرکز قرار دیا۔ مگر اس مرکز کا بھی ایک سرمایہ قرار دیا۔ اور وہ ذات بابرکات امیرالمومنین علی مرتضےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ جیسا کہ فرمایا ؎

مسلم اول شہ مردان علیؑ عشق را سرمایہ ایماں علیؑ از ولائے دودمانش زندہ ام در جہاں مثل گہر تابندہ ام

گویا عشق کے پاس اگر علی مرتضیٰ جیسا عظیم سرمایہ نہ ہوتا تو عشق خود تہی دست ہوتا۔ غرضیکہ اقبال نے عشق کو بنیادی صورت قرار دیکر خودی کو ثمرہ عشق قرار دیا۔ اور اس کا تمام کلام خودی ہی کے گرد چکر کھاتا دکھائی دیتا ہے خودی اقبال کے عقائد اسلامی کی جان ہے جس کی تربیت کے لئے تین مرحلے قرار دیتا ہے۔ پہلا مرحلہ اطاعت۔ دوسرا ضبط نفس۔ ان دو مرحلوں سے گزر جانے کے بعد تیسرا مرحلہ نیابت الٰہیہ ہے۔ مگر اس کی مثالیں پیش کرنے کیلئے اقبال کا رجوع صرف خانوادہ رسالت ہی کی طرف ہے یعنی حضرت امیرالمومنینؑ۔ جناب خاتون جنت سیدۃ النساءؑ و حضرات حسنینؑ اور دیگر آئمہ معصومین علیہم السلام۔ یہ مثالیں اقبال کے تمام کلام میں بیشتر مقامات پر بار بار

ہماری نظر سے گزرتی ہیں کہیں کہتا ہے ۔ چوں علیؑ درساز با نانِ شعیر گردنِ مرحب شکن خیبر بگیر
دوسری جگہ کہتا ہے ۔ عشق با نانِ جویں خیبر گشاد عشق در اندامِ مہ چاکے نہاد ۔ پھر درج ہے ۔
میرے لئے ہے فقط زورِ حیدری کافی ترے نصیب فلاطوں کی تیزیٔ ادراک
اس خیال کو دوسرے لفظوں میں یوں بیان کیا ہے ۔ خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانشِ فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف
ایسے ہی خیالات کے بیسیوں اشعار کلامِ اقبال سے پیش کئے جا سکتے ہیں[1] ۔ ایک مقام پر کہتا ہے ۔
ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست ۔ کہ آب از خونِ شبیرے ندارد ۔ (جس کھیت کو شبیرؑ کے خون سے پانی نہ ملا ہو۔ اُس کھیتی سے کچھ حاصل نہ ہوگا) فرمائیے بغیر دینِ حسینؑ کے جو خود دینِ نبیؐ ہے مسلم کسی دوسری طرف جا سکتا ہے؟ اقبال عورتوں کو ہمیشہ اُسوہ جناب فاطمۃ الزہراؑ کی پیروی کرنے کیلئے کہتا ہے ۔
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر کہ در آغوشِ شبیرے بگیری ۔ اصولِ دین میں اقبال کے نزدیک سب سے اول توحید ہے ۔ عدالتِ باری تعالیٰ توحید کے ماتحت ہی آ جاتی ہے ۔ رکنِ دوم رسالت ہے اور رسالتِ محمدیہ کو خدا کا آخری پیغام گردانا ہے جیسا کہ فرمایا ۔ پس خدا برما شریعت ختم کرد ۔ بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایام را ۔ او رسل را ختم و ما اقوام را خدمتِ ساقی گری با ما گذاشت ۔ داد ما را آخریں جامے کہ داشت
لا نبی بعدی زِ احسانِ خداست ۔ پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ است ۔ **امامت** یا نیابتِ الٰہیہ کو اقبال نے رسالت کے بعد درجہ دیا ہے ۔ اور امامت ہی مسلمانوں کے دُکھ درد کا واحد علاج گردانا ہے ۔ امام کی مرکزیت تو ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے ۔ نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است ہستیٔ او ظلِ اسمِ اعظم است
از رموزِ جزو و کل آگہ بود ۔ در جہاں قائم بامر اللہ بود + پختہ سازد فطرتِ ہر خام را ۔ از حرم بیروں کند اصنام را
ان تینوں اشعار کی اگر تشریح کی جائے تو کم از کم مکمل ایک کتاب درکار ہے ۔ کم از کم ان سے یہ تو ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ قیامِ امامت جمہوریت کے ووٹوں کی یا شوریٰ کی محتاج نہیں ۔ بلکہ امام قائم بامر اللہ ہے چونکہ امر اللہ ہے ۔ لہٰذا جمہوریت رائے عامہ، شوریٰ، الیکشن ۔ اجماع وغیرہ سب ختم ہو جاتے ہیں ۔ اور امامت ہی کا درد ملت کا مداوا ہونا ان الفاظ سے ظاہر ہے ۔
ہنوز ایں چرخِ نیلی کج خرام است ہنوز ایں قافلہ دور از مقام است ز کارِ بے نظامِ او چہ گویم تو می دانی کہ امت بے امام است
چونکہ امام مرکزِ ملت ہے لہٰذا جبتک امام برسرِ اقتدار نہ آئے تمام امور میں بدنظمی ہی رہیگی اقبال امام کو ان الفاظ میں پکارتا ہے
اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا ۔ اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا + رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو ۔ در سوادِ دیدہ ہا آباد شو
شورشِ اقوام را خاموش کن ۔ نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن + خیز و قانونِ اخوت ساز دہ ۔ جامِ صہبائے محبت باز دہ

[1] اگر ایسے اشعار کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے ہیں تو "نوائے اقبال" مولفہ علامہ مرزا احمد علی صاحب قیمت [illegible] ادارہ سے منگوا کر دیکھیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً ہ (قرآن سورہ نسا)
اگر قرآن غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلافات وہ لوگ پاتے ۔

عہد ناموں کے تعلیمات

نتیجۂ تحقیق
علامہ سید نذر حسن صاحب قبلہ گوپالپوری (بہاری)

ناشر
ادارۂ معارفِ اسلام (رجسٹرڈ) - لاہور - پاکستان

فہرست

بسمہٗ سبحانہٗ

محترم ناظرین!

یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا میں جو بھی کتاب آئی چاہے وہ جس مذہب وملت کی ہو کل حق بجانب تھی کیونکہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے احکام لے کر آئی تھی۔ مگر قابل غور یہ امر ہے کہ وہ سب کی سب اپنے اصلی حال پر رہیں بھی یا نہیں؟ یوں تو یہ بحث طویل ہے جسے میں یہاں چھیڑنا نہیں چاہتا۔ تاہم اتنا ضرور مختصر الکھونگا کہ عقلی معیار پر آپ ان کتابوں کو جانچیں کہ وہ جس طرح اتری تھیں ویسی ہی رہیں یا نہیں؟ ان میں اخلاقی تعلیم کیسی ہے؟ اپنے خدا کی بابت ان میں کیا تعلیمات ہیں؟ اس کتاب کے تعلیمات میں تضاد ہے کہ نہیں ؟ جس طرح اتری تھیں اسی طرح ہیں کہ نہیں؟ ایسی متفرق باتیں بتائینگی۔ طرز کلام، قرائن، لفظوں کے اشارے، عبارتوں کے عنوانات، زمانہ کا تعین۔ وغیرہ۔ اخلاقی تعلیمات اگر برے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایسی کتابیں خدائی کتابیں نہ ہونگی۔ الوہیت سے متعلق اچھے خیالات، یہ اس لئے ضروری ہیں جو کتاب اپنے خدا سے برے امور یا نامناسب صفتیں وابستہ کر سکتی ہے وہ دنیا میں رہبری کیا کر سکتی ہے اور وہ عامۂ ناس کو برائیوں سے کیا روک سکے گی۔ اس میں تضاد کا نہ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ تضاد و باہمی مغایرت یہ خود ہی بے اصول ہونے کو بتاتی ہے ایسا شخص یا ایسی کتاب لوگوں کو با اصول کیسے بنا سکتی ہے۔

آپ جب عہدناموں کو ان اصولوں پر پرکھینگے تو ان کی بے اعتباری صریحی معلوم ہو جائیگی لیکن یہ شبہ آپ کو ہو سکتا ہے کہ کوئی کتاب جو کسی وقت میں منزل من اللہ تھی اس میں یہ خرابیاں کیسے پیدا ہو سکتی ہیں؟ تو اس کے جواب میں مجھے یہ کہنا ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں جو ایسی غلطیاں یا جان بوجھ کر زیادتیاں کر بیٹھتے ہیں۔ کوئی تو جان بوجھ کر اپنے اغراض نفسانی کے ماتحت کرتا ہے اور کوئی اپنے رہبروں کی بزرگی دکھانے کیلئے ایسی باتیں بڑھا یا گھٹا دیتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاف دل لوگ کبھی بوجہ کم علمی کے ایسا کر جاتے ہیں جو اپنے جانتے ہیں تو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں مگر کم علمی کے باعث وہ بات خلاف پڑتی ہے کیونکہ ان کو کوئی خاص خدائی کمک حاصل نہ تھی اور یہی باتیں ان عہدناموں میں ہوئی ہیں۔ نافہم دوستوں نے چونکہ بہت دنوں بعد ان کتابوں کو مرتب کیا اپنے اپنے نبیوں کی بزرگی دکھانے کو اپنے نبیوں سے ماقبل والے نبیوں میں اخلاقی کمزوریاں لکھ ڈالیں۔ اور ان کمزوریوں کو بھانے اور اپنے نبی کی عظمت دکھانے کے خیال سے ایسی باتیں لکھ دیں جنھوں نے الوہیت پر بھی دھبے لگا دیئے۔ اور چونکہ یہ لوگ کوئی بڑی روحانیت یا عنداللہ کسی عظمت کے حامل نہ تھے۔ اس لئے ان کے تحریرات میں تضاد بھی پیدا ہونا لازمی تھا۔

ان ساری مذکورہ بالا خرابیوں کے بعد اب دنیا کو چونکہ پھر ایک رہبر اور ایک کتاب کی ضرورت تھی اور دنیا چونکہ تمدنی حیثیت سے تعقلِ معاد و معاش میں مکمل ہو چکی تھی اس لئے کتاب بھی ایسی آنی ضروری تھی جو ہر حیثیت سے مکمل ہو اور پھر کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہو اور وہ قیامت تک کے سارے ہر طرح کے احکام ضروریہ کی حامل ہو رہبر ایسا جو ہر معیار پر کامل اترتا ہو، چنانچہ رسولؐ عربی رہبر اور قرآن پاک کتاب کی حیثیت میں ہمارے لئے یہی وجہ ہے کہ آپ نے تمام انبیائے سلف کی تائید کرتے ہوئے ان کے رہبر مانے جانے پر زور دیا۔ قرآن ایسا مکمل آیا جو لفظی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے قابل تحریف نہ رہا۔ تاکہ قیامت تک پھر کوئی تحریف و تبدیلی نہ کی جا سکے۔ اور یہی قرآن پاک کا اصلی معجزہ ہے۔ جسے خداوند عالم نے یوں ظاہر فرمایا ہے۔ نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ہم نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی اب حفاظت کرینگے۔ اسی لئے ایک بااصول مسلمان قرآن کو منطوق اور مفہوم یعنی لفظ اور معنی دونوں حیثیت سے منجانب اللہ کہتا ہے جیسے بہتیری جگہوں پر اور بھی واضح کر دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد خداوند عالم ہے انا انزلناہ قرآنا عربیاً ہم نے اس قرآن کو عربی لفظوں میں نازل کیا مقصد یہ ہے کہ عربیاً سے اشارہ الفاظ عربیہ کی طرف ہے۔ اسلئے کہ معنی تو عام ہے وہ کسی زبان سے مخصوص نہیں ہوتا مثلاً وہ پانی چیز جس سے ہم لوگ اپنی پیاس بجھاتے ہیں جو ظاہر میں موجود ہے معنی ہے زبانوں کی تعیین سے اسے عربی میں ماء فارسی میں آب اردو میں پانی اور ہندی میں جل کہتے ہیں پس معلوم ہوا کہ قرآن پاک میں تحریف اب کسی حیثیت سے بھی ممکن نہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی کتاب قیامت تک رہ سکتی ہے۔

اب آخر میں ہم ایک اور شبہ کو برطرف کر کے اصل کتاب کو شروع کریں وہ آخری شبہ یہ ہے کہ اگر یہ موجودہ کتابیں (عہد نامجات ۔۔۔ وغیرہ) وہ کتابیں نہیں ہیں تو پھر قرآن پاک میں ان کا تذکرہ کیوں آیا؟ اسلئے کہ وہ تو محرف ہو چکی تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہر ضروری زمانوں میں انبیاء آئے تو ان کے پاس جو جو کتابیں بھیجی گئیں ان کا ذکر بھی لازم تھا، اب رہا یہ امر کہ وہ محرف ہو چکی تھیں تو محرف ہونے سے اُن پہلی اصلی کتابوں کے آنے سے کیا حرج ہے؟ وہ اصلی پہلی کتابیں بھی عہد رسولؐ تک جگہ جگہ مسیحین و اسرائیلین کے پاس تھیں۔ چنانچہ ان ہی پیشینگوئیوں کو دیکھکر عہد رسولؐ عربی کے مسیحین اسلام کی طرف مائل ہوئے اور ہزاروں نے تصدیق کی اور مسلمان ہو گئے اب اس وقت ہماری اور آپ کی جانچ ہے کہ ہم اور آپ ان عہد ناموں کی جانچ کرتے ہیں اور ان کے کہے پر عمل کہاں تک کرتے ہیں۔ تحریف کے معنی کوئی بزرگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کل کتابیں ہی ابتداء سے انتہا تک کل برباد ہو چکی ہیں نہیں! ان میں اب بھی بہت کچھ سچائی موجود ہے۔ مگر اب وہ محتاج ہے اسکی کہ کسی غیر محرف کتاب جو اسکے بعد آئی یعنی قرآن پاک اس سے تطابق کر لیا جائے۔ والسلام

نذر حسن گوپالپوری (بہاری) فردوسی [illegible]

باب پہلا

وہ امور جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قدیم وجدید عہد نامے غیر ربانی ہیں

فصل ۱ :- وہ تاریخی باتیں جن سے ان عہد ناموں کا دوسروں کی تحریر و تالیف ہونا معلوم ہوتا ہے

(۱) چونکہ توریت کی پہلی چار پانچ کتابوں کے اندر خود حضرت موسیٰ کی وفات اُن کا دفن کفن ان پر لوگوں کا رونا ... وغیرہ تحریر ہے اس لئے تاریخی حیثیت سے یہ کتابیں حضرت موسیٰ کے عہد کی نہیں معلوم ہوتیں اور نہ حضرت موسیٰ کی لکھائی ہوئی یا ان کی لکھی یا جو توریت ان کے حوالہ کی گئی تھی وہ معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

"پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہنے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا پر آجتک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں۔ موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا۔ نہ اس کی آنکھیں دُھندلانے پائی تھیں اور نہ اس کی طبعی قوت کم ہوئی۔ بنی اسرائیل موسیٰ کیلئے موآب کے میدانوں میں تیس دن تک روتے رہے۔ پھر موسیٰ کے ماتم و رونے پیٹنے کے دن ختم ہوئے" ..... (استثنا باب ۳۴ آیت ۵ سے آخر تک)

اوپر کے حوالہ میں موسیٰ کی موت دفن کفن کے علاوہ یہ بھی موجود ہے کہ آجتک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں۔ نہ معلوم یہ آجتک کس زمانہ تک کی طرف اشارہ ہے۔ "کتاب یشوع" یعنی یوشع بن نون میں جو حضرت موسیٰ کے بعد ان کی جگہ پر نبی وقت تھے ولادت و وفات بلکہ جملہ حالات زندگی درج ہیں۔ یہ کتاب اور یہ حالات بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ توریت جو موسیٰ پر اُتری تھی۔ اب اس کے ساتھ اور بھی دوسری کتابیں ملحق کردی گئی ہیں۔ طرہ یہ ہے کہ اس کتاب یشوع میں جو استثنا کے بعد ہے یشوع کی موت کے حالات کا ان میں ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب بھی کسی دوسرے ہی کی لکھی ہوئی ہے چنانچہ یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

"اور ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ نون کا بیٹا یشوع خدا کا بندہ ایک سو دس برس کا ہو کر رحلت کر گیا ... اور ہارون کے بیٹے الیعزر نے رحلت کی اور انہوں نے اُسے اس کے بیٹے فینحاس کی پہاڑی

پر دفن کیا جو افرائیم کے کوہستانی ملک میں اُسے دی گئی تھی" ۔ (یشوع باب ۲۴ آیت تا آخر)

اسی طرح کتاب پیدائش سے استثنا تک اگر آپ کچھ توجہ سے پڑھیئگے تو عبارتوں کے عنوانات، لفظوں کے اشارے اور قرائن یہ کل باتیں آپ کو بتا دینگی کہ یہ کل کتابیں غیروں ہی کی جمع کی ہوئی ہیں۔ چنانچہ عبارتیں ملاحظہ ہوں:-

"اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ شریعت کی باتوں کو ایک کتاب میں لکھ چکا اور وہ ختم ہو گئیں تو موسیٰ نے لاویوں سے جو خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھایا کرتے تھے کہا ۔ ۔ ۔ ۔" (استثنا باب ۳۱ - آیت ۲۴)

"سو موسیٰ نے سب اسرائیلیوں کو بلوا کر ان سے کہا، تم نے وہ سب کچھ جو خداوند نے تمہاری آنکھوں کے سامنے ملک مصر میں فرعون اور اس کے خادموں اور سارے ملک کے ساتھ کیا دیکھا ۔ ۔" (ایضاً باب ۲۹ آیت ۲)

"پھر موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے ساتھ ہو کر لوگوں سے کہا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (ایضاً باب ۲۷ آیت ۱)

ایسے نمونے آپ کو کتاب پیدائش سے لیکر ساری توریت اور اس کی متعلقہ کتابوں کل میں ملینگی جن سے معلوم ہوگا کہ کوئی دوسرا شخص جو بعید العہد ہے ان کتابوں کو لکھ رہا ہے۔

(۲) اب دوسرا ثبوت کتاب یشوع بن نون کی عبارت سے ملاحظہ ہو جس میں یشوع کی خلافت یعنی موسیٰ کی جگہ جانشینی کا حال درج ہے اگر یشوع نے اس کتاب کو خود لکھا ہوتا تو یہ نیچے کی عبارت نہ ہوتی۔

"اور خداوند کے بندہ موسیٰ کی وفات کے بعد ایسا ہوا کہ خداوند نے اُن کے خادم نون کے بیٹے یشوع سے کہا کہ میرا بندہ موسیٰ مر گیا۔ سو اب تو اُٹھ اور ان سب لوگوں کو ساتھ لے ۔ ۔ ۔ ۔" (یشوع باب ۱ آیت ۱)

(۳) کتاب سموئیل میں خود ان کی پیدائش کا حال ملاحظہ ہو۔

"افرائیم کے کوہستانی ملک میں ایک شخص القانہ تھا ۔ ۔ ۔ ۔ اس کی دو بیویاں تھیں ایک حنہ دوسری فننہ ۔ ۔ ۔ ۔ القانہ نے اپنی بیوی حنہ سے مباشرت کی اور خداوند عالم نے اسے یاد کیا وہ حاملہ ہوئی اور اسکے بیٹا ہوا اور اس کا نام سموئیل رکھا ۔ ۔ ۔" (سموئیل ۱، باب ۱ آیت ۹)

(۴) اسی طرح جب آپ سلاطین کی کتاب اٹھا کر پڑھیئگے تو اس میں سارے انبیا حضرت موسیٰ سے پہلے کے اور موسیٰ کے بعد والے۔ پھر بادشاہوں کا حال ان کے سلطنت کے حالات ان کی اولاد کے حالات تھوڑی تفصیل کے ساتھ درج پائینگے۔ ان تحریروں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب بہت دنوں بعد کی لکھی ہوئی ہے جبھی تو اس میں داؤد، سلیمان، الیشع، یسعیاہ وغیرہ کے حالات درج ہیں۔ یسعیاہ کا زمانہ ۷۸۰ برس قبل مسیح کا ہے۔ یسعیاہ بادشاہ حزقیاہ کے زمانہ میں تھے (سلاطین باب ۲۰ آیت ۱۶) حزقیاہ کا بیٹا منسی تھا۔ (سلاطین باب ۲۰ آیت ۲۱) منسی کا بیٹا امون تھا (ایضاً باب ۲۱ آیت ۱۸) اسی طرح امون کا بیٹا یوسیاہ ۔ ۔ ۔ وغیرہ

اس طرح گویا یہ کتاب بادشاہوں کے حالات کی کتاب کہی جاسکتی ہے۔ اور چونکہ معمولی علم و عقل والوں کی لکھی ہوئی ہیں اسلئے ان میں بہت کافی غلطیاں بھی ہوئی ہیں، علاوہ بریں کتاب پیدائش سے لیکر ساری توریت اور اس کی متعلقہ کتابیں بعید از اخلاق تعلیمات اور باہمی مغایرت و مخالفت سے بھری ہوئی ہیں کہ ناگفتہ ہیں انشاء اللہ آئندہ کے ابواب و دیکھنے کے بعد آپ حضرات کو خود ہی اندازہ ہو جائیگا۔

(۵) ہم اس قسم کے نمونے کہاں تک درج کریں اب آخر کلام میں ایک امر کو اور بھی واضح کر دینا نہایت ضروری جانتے ہیں وہ یہ کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "بات اصل یہ ہے کہ توریت اور اس کی متعلقہ کل کتابیں جو اپنی اصلی شکل ہی میں تھیں وہ بیت المقدس جلنے کے پہلے تک بعینہٖ محفوظ تھیں۔ جب بخت نصر نے بیت مقدس کو جلاکر مسمار کیا تو وہ سارے اصلی نسخے جل گئے مگر کچھ ہی دنوں کے بعد خداوند کی طرف سے حضرت عزرا (عزیر) اس منصب کیلئے منتخب ہوئے اور انہوں نے ساری توریت اور اس سے متعلقہ کتابوں کو اپنی یاد سے لکھوایا، اور چونکہ یہ مامور من اللہ تھے اسلئے جو کچھ بھی انھوں نے لکھایا ہوگا صحیح و درست ہوگا ..... وغیرہ وغیرہ۔ تو ہم اس قول کا یہ جواب دینگے کہ اولاً تو حضرت اس قسم کی تعلیمات اور وہ بھی انبیاء ماسلف سے متعلق لکھ یا لکھوا ہی نہیں سکتے تھے جسے کوئی معمولی عزت کا انسان بھی اپنی طرف منسوب نہیں کر سکتا جس کے کچھ نمونے آگے باب نبوت میں انشاء اللہ ابھی آتے ہیں، علاوہ بریں حضرت عزیر چونکہ مامور من اللہ تھے اسلئے ان کی لکھائی یا لکھی ہوئی کتابوں میں ایسی مغایرت و مخالفت ممکن ہی نہیں ہے جو موجودہ توریت اور اس سے متعلق کتابوں میں موجود ہے تیسری بات یہ کہ خداوند عالم کے اوصاف اس توریت اور اس کی متعلقہ کتابوں میں ایسے بیان ہوتے ہیں جو کسی معمولی موحد کی زبان سے نہیں نکل سکتے چہ جائیکہ کسی نبی وقت نے لکھائے ہوں۔ اور چوتھی بات جو ہر کس و ناکس سمجھ سکتا ہے وہ یہ کہ حضرت عزیر کا زمانہ ۴۵۶ قبل مسیح میں گذرا ہے سارے انبیاء بنی اسرائیل ان کے قبل گزر چکے تھے ان سے کچھ قبل حضرت یرمیاہ گزرے ہیں جنھوں نے عزیر کے آنے کی پیشینگوئی کی تھی تو اس موجودہ توریت میں حضرت عزرا (عزیر) کی کتاب کو ساری توریت کے آخر میں ہونا چاہئے تھا۔ مگر خلاف اسکے وہ موجودہ کتابوں (پیدائش، خروج، احبار، گنتی، استثنا، یشوع، قضاۃ، روت، سلاطین دو، سموئیل دو اور دو تاریخ کے بعد اور ہم ۲ کتابوں سے پہلے ہے) دوسرا تماشا یہ ہے کہ خود حضرت عزرا کی کتاب میں یرمیاہ کی پیشینگوئی بابت عزرا درج ہے، اور انھیں یرمیا کی کتاب عزرا کی کتاب کے آٹھ کتاب کے بعد ہے حالانکہ حضرت یرمیاہ نے عزرا کے آنے کی پیشینگوئی کی تھی تو ان کی کتاب پہلے ہونی چاہئے تھی۔ عزرا کی کتاب کا باب آیا ملاحظہ ہو "شاہ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے سال ہی اسلئے کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کی زبانی آیا تھا پورا ہو

خداوند نے شاہ فارس خورس کا دل اُبھارا (۔۔۔۔ کتاب عزرا باب ا) حضرت عزیر ایسی غلطی ان کتابوں کی ترتیب میں ہرگز نہیں کر سکتے تھے تیسرا ثبوت یہ کہ اگر حضرت عزیر نے ان توریتی کتابوں کو مرتب کیا ہوتا یا لکھا ہوتا تو خود اس کی کتاب میں ان کا نسب نامہ بایں طور مذکور نہ ہوتا:-

"ان باتوں کے بعد شاہ فارس اور ارتخششتا کے دور سلطنت میں عزرا بن سرایاہ بن عزریاہ بن خلقیاہ بن سلوم بن فلاں ۔۔۔۔ یہی عزرا بابل سے گیا اور موسیٰ کی شریعت میں جسے خداوند اسرائیل کے خدا نے دیا تھا ماہر فقیہہ تھا اور چونکہ ۔۔۔۔ بادشاہ نے اس کی سب درخواستیں منظور کر لیں (عزرا باب ۷)"

مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو جو بتا رہی ہے کہ یہ کتاب عزرا خود حضرت عزرا کی لکھی یا لکھائی ہوئی نہیں ہے کیونکہ عبارت کا تیور یہی کہہ رہا ہے کہ کسی مابعد از عہد شخص نے لکھا ہے۔

"عزرا کاہن اور فقیہہ یعنی خداوند کے اسرائیل کو دئے ہوئے احکام اور آئین کی باتوں کے فقیہہ کو جو خط ارتخششتا بادشاہ نے عنایت کیا اس کی نقل یہ ہے۔ ارتخششتا بادشاہ کی طرف سے عزرا کاہن یعنی آسمان کے خدا کی شریعت کے فقیہہ کامل وغیرہ وغیرہ کو میں یہ فرمان جاری کرتا ہوں کہ اسرائیل کے جو لوگ ۔۔۔۔ (عزرا باب ۷)

اب ہم اس باب سے متعلق اور بہتیری باتوں کو نظر انداز کر کے اس بحث کو یہیں پر ختم کر رہے ہیں ورنہ اگر اسی باب سے متعلق تمام امور لکھے جائیں تو یہی باب ایک ضخیم رسالہ بن جائے۔

فصل ۲:- توریت کی کتابوں میں خود ایسی مخالفت جو ان کے منزل من اللہ ہونے میں شک پیدا کرتی ہے

ہم چند نمونے توریتی کتابوں کی باہمی مخالفت کے پیش کر کے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جو کتاب منزل من اللہ ہوتی ہے اس میں اتنی مغایرت اور مخالفت نہیں ہوتی کیونکہ مامور من اللہ انسان ایسے مغایر احکام کے جاری کرنے یا لکھنے سے بری ہے بلکہ دو یا دو سے زائد تحریروں میں مخالفت یا تو بعید از عہد ہو جانے کی وجہ سے ہوتی ہے یا پہلے کی تحریر سے جب لاعلمی ہو اور وہ بھی معمولی لوگوں کے لئے ورنہ موید من اللہ ذوات کیلئے تو یہ کوئی صورت نہیں رہتی بلکہ وہ غلطیوں سے معصوم ہوتا ہے

(۱) حکم طلاق میں مخالفت:-

طلاق کا حکم	طلاق کی ممانعت
اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے اور پیچھے اس میں کوئی ایسی بیہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف اس کی التفات نہ رہے	اسرائیل کا خدا فرماتا ہے کہ میں طلاق سے بیزار ہوں اور اس سے بھی جو اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے تم اپنے نفس سے خبردار ہو تاکہ بیوفائی نہ کرو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمہوریت اور امامت

از

شیخ غیاث الدین

(مدیر ادارۂ معارفِ اسلام)

ناشر

ادارۂ معارفِ اسلام ۔ رجسٹرڈ ۔ لاہور (پاکستان)

مُقدّمہ

(از علامہ سید امداد حسینؒ کاظمی المشہدی۔ صدرِ ادارہ معارفِ اسلام)

شیخ غیاث الدین صاحب مدیر ادارہ معارفِ اسلام نے یہ مختصر رسالہ تحریر کر کے قوم کو ایک بہت بڑے الجھاؤ سے نکال دیا ہے۔ حیرت ہے کہ اس روشنی کے زمانہ میں بھی ایسے مسلمانوں کی کمی نہیں جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ مذہبِ اسلام کی رو سے دین الگ ہے اور سیاسیات الگ۔ یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس نے اسلام کی اصلی صورت کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ الحاد۔ زندقہ اور بے دینی عام ہو چکے ہیں۔ اور لوگ اسلام سے اتنے ہی دور جا پڑے ہیں۔ ھل فیکم رجل رشید ۔ کاش کوئی اِن سے یہ دریافت کرے۔ کہ اسلام کوئی کوڈ یا ضابطہ رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر رکھتا ہے تو وہ مکمل ہے یا نامکمل؟ اس کا جواب یہی ہوگا کہ ہاں۔ بے شک اسلام ایک مکمل کوڈ رکھتا ہے جس کا نام "قرآن" ہے۔ اور یہی وہ ضابطہ ہے جس میں قیامت تک بلکہ اُس کے بعد کیلئے بھی احکام موجود ہیں۔ جو ہماری رہنمائی کیلئے کافی وافی عافی شافی ہیں۔ پس یہ حضرات اگر اسی قرآن مجید کو اُٹھا کر دیکھیں۔ تو انہیں معلوم ہو جائے کہ اس میں جہاں نماز روزہ حج زکوٰۃ کے احکام مندرج ہیں جنہیں عوام الناس محض دین سمجھ رہے ہیں۔ وہاں جہاد۔ حدود۔ تعزیرات۔ نظامِ حکومت۔ نظامِ عدلیہ اور نظامِ معیشت کے احکام بھی موجود ہیں۔ احادیث کی کسی کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ کسی امام کی فقہ کی کوئی کتاب دیکھ لیجئے۔ ہر ایک کتاب میں آپ دین اور سیاست کو ملا جلا پائینگے۔ ہر موضوع کیلئے الگ الگ باب الگ الگ احکام درج ہونگے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو نہ قرآن مکمل کہلا سکتا تھا۔ اور نہ ہی دینِ اسلام کامل ہونے کا مدعی ہو سکتا تھا۔ یہودیوں نے یہی کیا تھا جس پر قرآن نے ڈانٹ بتلائی۔ افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض (پ البقرہ) ہم نے بھی قرآن مجید کے چند ایک احکام کو اختیار کر رکھا ہے جنہیں دین کا نام دے دیا ہے۔ اور دوسرے تمام احکام کو گلدستۂ طاق نسیاں بنا دیا ہے۔ اور دعویٰ ہمارا یہ ہے کہ ہمارا قرآن مکمل ہے۔ پھر ہم میں اور یہودیوں میں کیا فرق رہا؟

افسوس ہے کہ لوگوں نے نہ دین سمجھا نہ شریعت۔ حالانکہ یہ دونوں اپنے اندر الگ الگ مطالب و مفاہیم لئے ہوئے ہیں۔ اور علیحدہ علیحدہ موضوع کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ قرآن کہتا ہے

شرع لکم من الدین ما وصّیٰ بہ نوحاً | ترجمہ۔ شریعت قرار دی تمہارے لئے دین میں سے

للذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا۔ (پ ۲۵ الشوریٰ)	وہی جس کی وصیت کی تھی نوحؑ کو اور جو اے پیغمبرؐ تجھ کو وحی کی۔ اور جو کچھ موسیٰ وعیسیٰ (علیہم السلام) کو وصیت کی تھی یہ کہ دین قائم کرو اور متفرق نہ ہو

اس سے معلوم ہوا کہ دین اور ہے اور شریعت اور ہے۔ ذرا الفاظ قرآن پر غور فرمائیں۔ ارشاد ہے "شرع لکم من الدین" دین ہی سے شریعت قرار دی گئی۔ بالفاظ دیگر دین مرکز اور منبع ہے جس میں سے شریعت نکالی گئی۔ اسی نظام شریعت کو رائج کرنے کا نام سیاست ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دین کل ہے اور سیاست جزو ہے۔ مکمل دین سیاست میں شامل نہیں مگر مکمل سیاست دین میں شامل ہے۔ دین کا سیاست کے ماتحت ہونا ضروری نہیں۔ مگر سیاست کا دین کے ماتحت ہونا ضروری ہے۔ ایسی سیاست ہی کو اسلامی سیاست یا حقیقی سیاست کہینگے۔ جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

دین اسلام میں سیاست کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں انتظام احکام شریعت ہو سکے۔ اگر کوئی شخص خلاف دین کچھ کرنے کی جرأت کرے تو اُسے قرار واقعی سزا دی جا سکے۔ تاکہ وہ ایسی حرکات سے باز آجائے اور دوسرے کو عبرت حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو امور دین کی تبلیغ فرماتے تھے وہاں حاکم شرع کی حیثیت سے تعزیرات اور حدود بھی جاری فرماتے تھے۔

اس مطلب کو ایک دوسرے طریق سے واضح کرتا ہوں۔ حکما قائل ہیں کہ علتیں چار ہیں (۱) علت مادی (۲) علت فاعلی (۳) علت صوری (۴) علت غائی۔ مثلاً ایک میز بنانا مقصود ہے۔ تو اس کے لئے لکڑی کی ضرورت ہے۔ یہ علت مادی ہے۔ ایک بنانے والا مستری بھی چاہئے۔ یہ علت فاعلی ہے۔ اس مستری کے ذہن میں اس میز کی شکل کا تصور ضروری ہے اسے علت صوری کہتے ہیں۔ اور اُس کے بعد میز تیار ہوتی ہے جو علت غائی کہلاتی ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ان چار علتوں کے علاوہ ایک پانچویں علت بھی ضروری ہے۔ جسے علت مبقیہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا یعنی اگر میز بن کر تیار ہو جائے۔ تو اس کی حفاظت بھی ضروری ہے اگر مینہ۔ بارش۔ دھوپ۔ آگ وغیرہ سے اس کی حفاظت نہ کی جائیگی۔ تو جلدی تباہ ہو کر فنا ہو جائیگی اس لئے اس کی نگہداشت لازمی ہوگی۔ اسی نگہداشت کا نام علت مبقیہ ہے۔

بلا تشبیہ اسلام میں دین کے احکام کے اجرا اور قیام کیلئے سیاست لازمی ہے۔ اگر سیاست نہ ہوگی تو اقامۂ دین نہ ہو سکیگا۔ مثلاً ایک شخص چوری۔ زنا۔ لواطت۔ شراب خوری وغیرہ سے تبھی باز رہ سکیگا جبکہ اسے اسلامی تعزیرات اور حدود کا خوف ہوگا اور اسی چیز کا نام سیاست ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس جگہ اسلامی حکومت قائم نہیں یا مسلمانوں کی جو حکومت اسلامی اصولوں یا حقیقی سیاست

کے مطابق عمل پیرا نہیں ۔ وہاں کے عوام دین اسلام سے خارج سمجھے جائیں یا وہاں پر دین اسلام کا وجود ختم سمجھا جائے۔ نہیں ۔ بلکہ ایسے ماحول میں احکام دین پر عمل کرنے والے مسلمان زیادہ درجات کے مستحق ہیں کہ باوجود غیر مسلم یا غیر اسلامی حکومت کی ماتحتی کے وہ شریعت اسلامیہ پر گامزن ہیں ۔ دین اسلام کا دائرہ وسیع ہے ۔ وہ لوگ اس دائرے سے باہر نہیں ۔ اگرچہ سیاست حقیقی کو بروئے کار لانے کا موقع انہیں میسر نہیں ۔

احکام دین کے اجرا کیلئے ایک جمہوری حکومت کا قائم کرنا اور اُسے عین منشائے خدا کے مطابق قرار دینا بھی غیر اسلامی تخیل ہے ۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ صفات معنوی میں ناقص کا مجموعہ ہمیشہ ناقص ہی ہوا کرتا ہے ۔ ہزار ناقص مل کر بھی ایک کامل نہیں بن سکتا ۔ اگر ایک ہزار انٹرنس پاس افراد کا علم جمع کیا جائے تو ایک گریجوایٹ کے برابر نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ وہ ایک گریجوایٹ ہزار انٹرنس پاس کو یکساں حیثیت سے تعلیم دے سکیگا ۔ ہزار اندھے مل کر ایک کانا اور ہزار کانے مل کر ایک سوجاکھا (بینا) نہیں بن سکتے ۔ اس مضمون کو پاکستان کے مایہ ناز شاعر اقبال مرحوم نے اس ایک شعر میں بیان فرما دیا تھا ؎

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو که از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

جمہوریت اکثریت کا دوسرا نام ہے ۔ اسلام نے اکثریت کو کبھی نہیں سراہا ۔ قرآن مجید میں جا بجا اکثریت کی مذمت کی گئی ہے ۔ مثلاً ملاحظہ ہوں آیات ذیل :-

(۱) وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین (پ۱۳ یوسف) اے رسولؐ اگر تو خواہش بھی کرے تو بھی اکثر لوگ مومن نہیں ہونگے ۔

(۲) ولقد ضل قبلھم اکثر الاولین (پ۲۳ صافات) اوّلین میں سے اکثر لوگ گمراہ ہو گئے ۔

(۳) واکثر الذی ھم فیہ یختلفون (پ۲۰ نمل) ان میں سے اکثر لوگ اختلاف رکھتے ہیں ۔

(۴) وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ (پ۸ انعام) اے رسولؐ اگر تو زمین میں بسنے والوں میں سے اکثریت کا اتباع کریگا ۔ تو خدا کے رستے سے گمراہ ہو جائیگا ۔

(۵) ولکن اکثر الناس لا یعلمون (پ۹ اعراف) اور اکثر لوگ نہیں جانتے ۔

(۶) ولکن اکثر الناس لا یومنون (پ۱۲ ہود) اور اکثر لوگ بے ایمان ہیں ۔

(۷) ولکن اکثر الناس لا یشکرون (پ۱۲ یوسف) اور اکثر لوگ ناشکرے ہیں ۔

(۸) وان اکثرکم فاسقون (پ۶ مائدہ) اور تم میں اکثر لوگ فاسق ہیں ۔

(۹) وما یتبع اکثرھم الا ظنا (پ۱۱ یونس) اور اکثر لوگ صرف گمان کا ہی اتباع کرتے ہیں ۔

(۱۰) وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون (پ ۱۳ یوسف) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ مگر یہ کہ وہ شرک کرتے ہیں۔ (یعنی ایمانداروں میں اکثریت مشرکوں کی ہے)

(۱۱) بل اکثرھم لا یعلمون (پ ۲۰ نمل) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۱۲) وما کان اکثرھم مومنین (پ ۱۹ شعرا) اکثر لوگ بے ایمان ہیں۔

(۱۳) بل اکثرھم لا یعقلون (پ ۲۱ عنکبوت) اکثر لوگ بے عقل ہیں۔

(۱۴) بل اکثرھم لا یومنون (پ ۱ بقر) اکثر لوگ بے ایمان ہیں۔

(۱۵) کان اکثرھم مشرکین (پ ۲۱ روم) اکثر لوگ مشرک ہیں۔

(۱۶) فاعرض اکثرھم (پ ۲۴ حم) اکثریت سے ہمیشہ منہ پھیر لیا کرو۔

(۱۷) اکثرھم لا یعقلون (پ ۲۶ حجرات) اکثریت بے عقلوں کی ہے۔

(۱۸) ولکن اکثرھم لا یعلمون (پ ۷ انعام) اکثریت بے علموں کی ہے۔

(۱۹) ولا تجد اکثرھم شاکرین (پ ۸ اعراف) تو ان میں اکثریت کو ناشکرا پائیگا۔

(۲۰) ولکن اکثرھم یجھلون (پ ۸ انعام) ان میں سے اکثریت جاہلوں کی ہے۔

(۲۱) وان وجدنا اکثرھم لفاسقین (پ ۹ اعراف) ہمیں نے ان میں اکثروں کو فاسق پایا۔

(۲۲) ولکن اکثرھم لا یشکرون (پ ۱۱ یونس) ان میں اکثر ناشکرے ہیں۔

(۲۳) ولکن اکثرھم للحق کارھون (پ ۲۵ زخرف) ان لوگوں کی اکثریت حق سے نفرت کرتی ہے۔

(۲۴) وما وجدنا لاکثرھم من عھد (پ ۹ اعراف) ہم نے اکثریت کو عہد کا پابند نہ پایا۔

(۲۵) واکثرھم الفاسقون (پ ۴ آل عمران) اکثر لوگ فاسق ہیں۔

(۲۶) واکثرھم لا یعقلون (پ ۷ مائدہ) اکثر لوگ بے عقل ہیں

(۲۷) واکثرھم الکافرون (پ ۱۴ النحل) اکثر لوگ کافر ہیں۔

(۲۸) واکثرھم للحق کارھون (پ ۱۸ مومنون) اور اکثر لوگ حق سے نفرت کرتے ہیں۔

(۲۹) واکثرھم کاذبون (پ ۱۹ شعراء) اور اکثر لوگ کاذب ہیں۔

(۳۰) لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث (پ ۷ مائدہ) خبیث اور پاک برابر نہیں ہوسکتے اگرچہ اے رسولؐ تمہیں خبیثوں کی اکثریت تعجب میں ڈالے۔

(۳۱) ثم عموا وصموا کثیر (پ ۶ مائدہ) پھر اکثر اندھے اور بہرے ہوگئے۔

(۳۲) وفضلناھم علی کثیر (پ ۱۵ بنی اسرائیل) اور ہم نے انہیں اکثریت پر فضیلت دی۔

(۳۳) وکثیر منھم ساء ما یعملون (پ ۶ مائدہ) ان میں سے اکثریت بدعملوں کی ہے۔
(۳۴) وکثیر حق علیہ العذاب (پ ۱۷ حج) اکثریت پر عذاب واجب ہو چکا ہے۔
(۳۵) لاخیر فی کثیر من نجوٰیھم (پ ۵ نساء) اکثریت کے مشورے میں نیکی نہیں ہے۔
(۳۶) لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم (پ ۲۶ حجرات) اگر رسول تم میں سے اکثریت کی باتوں کو مانے تو تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔
(۳۷) وقد اضلوا کثیرا (پ ۲۹ نوح) اکثریت گمراہ ہو گئی۔
(۳۸) رب انھن اضللن کثیرا من الناس (پ ۱۳ ابراہیم) اے اللہ تعالیٰ انہوں نے لوگوں کی اکثریت کو گمراہ کر دیا۔
(۳۹) واضلوا کثیرا (پ ۶ مائدہ) انہوں نے اکثریت کو گمراہ کیا۔
(۴۰) بصدھم عن سبیل اللہ کثیرا (پ ۶ نساء) اور ان کا اکثریت کو راہ حق سے روک دینا
(۴۱) ولو اراکھم کثیرا لفشلتم (پ ۱۰ انفال) اگر تمہیں ان کفار کی اکثریت دکھلائی جاتی تو تم بزدل ہو جاتے۔
(۴۲) ان کثیرا منھم بعد ذالک فی الارض لمسرفون (پ ۶ مائدہ) ان میں کی اکثریت زمین میں اسراف کرنے والی ہے۔
(۴۳) ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ (پ ۱۰ توبہ) علماء اور درویش لوگوں کی اکثریت لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھاتے ہیں۔ اور ان کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔
(۴۴) وان کثیرا من الناس بلقائی ربھم لکٰفرون (پ ۲۱ روم) لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کی حضوری سے منکر ہے۔
(۴۵) وان کثیرا من الناس عن آیاتنا لغافلون (پ ۱۱ یونس) اکثر لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں
(۴۶) ان کثیرا من الخلطاء لیبغی بعضھم علی بعض (پ ۲۳ ص) شریکوں کی اکثریت ایک دوسرے پر زیادتی کر جاتی ہے۔
(۴۷) ان کثیرا من الناس لفاسقون (پ ۶ مائدہ) لوگوں کی اکثریت فاسق ہے۔
(۴۸) وکثیر منھم فاسقون (پ ۲۷ حدید) ان میں کی اکثریت فاسق ہے۔
(۴۹) ولکن کثیرا منھم فاسقون (پ ۶ مائدہ) ولیکن ان کی اکثریت فاسق ہے

(۵۰) کثیراً منھم یتولون الذین کفروا (پ مائدہ) ان میں کی اکثریت کافروں کی دوست ہے

(۵۱) وتریٰ کثیراً منھم یسارعون فی الاثم والعدوان واکلھم السحت۔ لبئس ما کانوا یعملون (پ مائدہ) اور اے رسولؐ تم دیکھو گے کہ ان کی اکثریت گناہ۔ زیادتی۔ سود خوری کی طرف دوڑتی ہے۔ ان کے عمل بہت بُرے ہیں۔

(۵۲) ولقد اضل منکم جبلاً کثیرا (پ یسین) اور شیطان نے تم میں سے اکثروں کو گمراہ کر دیا

(۵۳) ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس (پ اعراف) اور ہم نے جنوں اور انسانوں کی اکثریت کو جہنم کے لئے بنایا ہے۔

یہ صرف ترپن آیات شتے نمونہ از خروارے درج کر دی ہیں۔ ورنہ قرآن مجید میں اور بیشمار آیات اسی مفہوم و مضمون کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر اکثریت کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ آیات بالا سے ظاہر ہے کہ اکثریت بے ایمان۔ گمراہ۔ بے علم۔ جاہل۔ ناشکرے شیطان کے پیروکار۔ فاسق۔ مشرک۔ بے عقل۔ بدعہد۔ کافر۔ حق سے نفرت کرنے والے۔ کاذب۔ خبیث۔ بداعمال۔ دوزخی و معذب۔ اسراف کرنے والے۔ علماء سوء۔ خدا کی یاد سے غافل۔ خدا کی حضوری کے منکر۔ زیادتی کرنے والے۔ کافروں کے دوست۔ گناہ گار۔ سود خور اور جہنمی لوگوں کی ہے۔ آیت ۱۲ بتاتی ہے کہ رسولؐ کو حکم ہے کہ اکثریت سے منہ پھیر لیا کرو۔ ۲۴ سے واضح ہے کہ اگر رسول اکثریت کی رائے پر چلے تو گمراہ ہو جائیگا ۴۳ سے ثابت ہے کہ علماء کی اکثریت باطل خور ہے۔ یہ ہے وہ اکثریت جو جمہوریت کہلاتی ہے۔

ذرا اور سنئے۔ شیطان جب راندۂ درگاہ الٰہی ہو گیا تو اُس نے اللہ تعالیٰ کو کہا۔ قال ارئیتک ھذا الذی کرمت علیّ لئن اخرتن الی یوم القیامۃ لاحتنکن ذریتہ الا قلیلاً (پ بنی اسرائیل) بھلا دیکھ لو یہی وہ ہے جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی۔ اگر تم نے مجھے قیامت تک کیلئے مہلت دی تو میں اس کی اولاد کی بیخکنی کر دونگا۔ سوائے قلیل لوگوں کے۔

اس آیہ مجیدہ سے واضح ہے کہ شیطان نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی دھمکی دی تھی لیکن یہ بھی اقرار کر لیا تھا کہ قلیل تعداد اس کی گمراہی سے بچ جائیگی۔ شیطان نے اپنا وعدہ سچا کر کے دکھلا دیا۔ اکثریت کو تو اُس نے گمراہ کر دیا صرف قلیل ہی اُس کی گمراہی سے بچے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہٗ فاتبعوہ الا فریقاً من المومنین (پ السبا) اور البتہ ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا پس اکثریت نے اس کی تابعداری کر لی بسوائے مومنوں میں سے ایک فریق کے

پس چند مومنین جو قلیل تھے شیطان کے اغوا سے بچے۔ باقی سب اُس کے بہکانے میں آ گئے اور یہ قلیل کون تھے؟ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان (پ۱۵ بنی اسرائیل) میرے صرف خالص بندے ہونگے جن پر تیرا (اے شیطان) غلبہ نہ ہوگا۔

اور قلت کی خدا نے ہمیشہ تعریف کی ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ذیل:-

(۱) قلیل من عبادی الشکور (۲۲پ سبا) میرے بندوں میں سے شکر گذار تھوڑے ہی ہیں۔

(۲) قلیلاً ما تشکرون (پ۸ اعراف) اور تم میں سے میرے شکر گزار تھوڑے ہی ہیں۔

(۳) قلیلاً ما تذکرون (پ۱۹ نمل) تھوڑے ہی ہیں جو میرا ذکر کرتے ہیں۔

(۴) قلیلاً ما تذکرون (پ۲۴ مومن) تم میں تھوڑے ہی ہیں جو میرا ذکر کرتے ہیں۔

(۵) قلیلاً ما تومنون (پ۲۹ حاقہ) تم میں سے بہت تھوڑے ایماندار ہیں۔

(۶) ثم تولیتم الا قلیلا منکم (پ۱ بقر) تم سب بھاگ گئے سوائے تھوڑوں کے۔

(۷) تولوا الا قلیلاً منھم (پ۲ بقر) وہ سب بھاگ گئے سوائے تھوڑوں کے۔

(۸) فشربوا منہ الا قلیلا (پ۲ بقر) ممنوعہ پانی سب نے پی لیا سوائے تھوڑوں کے۔

(۹) فلا یومنون الا قلیلا (پ۵ نساء) بہت تھوڑے ایماندار ہیں۔

(۱۰) ولا یذکرون اللہ الا قلیلا (پ۵ نساء) بہت تھوڑے ہیں جو خدا کی یاد کرتے ہیں۔

(۱۱) لاتبعتم الشیطان الا قلیلا (پ۵ نساء) تم میں سے سب نے شیطان کی پیروی کی سوائے تھوڑوں کے۔

(۱۲) ولا تزال تطلع علی خائنۃٍ منھم الا قلیلا (پ۶ مائدہ) ان میں سے تھوڑے ہیں۔ جو خیانت نہیں کرتے۔

(۱۳) فقلیلاً ما یومنون (پ۱ بقر) ایمان لانے والے تھوڑے ہی ہیں۔

(۱۴) کم من فئۃٍ قلیلۃٍ غلبت فئۃً کثیرۃً باذن اللہ (پ۲ بقر) اللہ تعالیٰ کے حکم سے قلیل گروہ اکثریت والے گروہ پر غالب آ جاتے ہیں۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نہایت تھوڑے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شکر گزار۔ ایماندار۔ ذکر خدا کرنے والے۔ میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے والے۔ اللہ کا حکم ماننے والے شیطان کے اغواء سے بچنے والے۔ خیانت نہ کرنیوالے ہیں پس اکثریت کا مذہب۔ اکثریت کا فیصلہ کبھی بھی منشاء ایزدی کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ اسلئے جمہوریت کو عین منشاء الٰہی کے مطابق کہنا بالکل غلط ہے۔

اس عظیم الشان کتاب کے کئی اُردو ترجمے اور شرحیں معرضِ تحریر میں آئیں اور اس کے انمول موتیوں کو اُردو کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی مگر اصل کی خصوصیات ترجموں میں نہ آسکیں اور اربابِ ذوق کی تشنگی بڑھتی ہی گئی۔ الحمدللہ کہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ نے اس طرف توجہ فرمائی اور شارحانہ حواشی کے ساتھ اس کا ایک واضح و سلیس ترجمہ فرمایا جو صحت و سلاست اور حلِ نکات و تشریحِ مطالب کے لحاظ سے تمام تراجم و شروح میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب میں واقعات کا تجزیہ، اعتراضات کا حل، تاریخی پس منظر اور دورِ امیرالمومنین کے تاریخی انقلابات و نتائج غرض کہ وہ تمام حقائق جو نہج البلاغۃ کے سمجھنے میں ضروری ہیں، شرح و بسط سے درج ہیں۔

اس کتاب کا مقدمہ حضرت سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ دام ظلہ نے تحریر فرمایا ہے۔ جو ان کی تحقیقی و تدقیقی کاوشوں کا نتیجہ اور علمی دنیا میں بیش بہا اضافہ ہے۔

اہلِ علم اور نہج البلاغۃ کے حقائق پرور و ایمان افروز مطالب سے ذوق و شوق رکھنے والے حضرات ذیل کے پتہ سے طلب فرمائیں:-

قیمت ہر سہ حصص (مجلد): پچیس روپے

ادارہ علمیہ (پاکستان) فلیمنگ روڈ لاہور